تذکرۂ اکابرِ اہلسنّت

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری



نوری کتب خانہ ۔ لاہور

تذکرہ

اکابرِ اہلِ سنّت

(پاکستان)

محمد عبدالحکیم شرف قادری

ناشر

نوری کتب خانہ نزد جامع مسجد نوری بال

زیر سرپرستی
حضرت پیر سید محمد معصوم شاہ نوری
قادری نوری

زیر سرپرستی
پیر سید محمد حسن شاہ مدظلہ
قادری نوری

اہتمام اشاعت
پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

2005

نام کتاب: تذکرہ اکابر اہل سنت
تصنیف: علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری
تعارف: علامہ غلام رسول سعیدی
تقدیم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
کتابت: شاہ محمد چشتی
ناشر: نوری کتب خانہ، لاہور
طابع: موٹروے پرنٹرز، لاہور

قیمت 300 روپے

تقسیم کار

نوری کتب خانہ
معصوم شاہ روڈ بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
فون: 042-6366335

نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
فون: 042-7112917

مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور

فہرست

عکسِ تحریرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ ان خیارِ امت کا تذکرہ ہے جنہوں نے ملتِ اسلامیہ کے تحفظ، سربلندی اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے شب و روز صرف کئے، جنہوں نے مسلمانوں کے ایمان و عمل کو قوت و تازگی بخشی، اپنے علم و عمل سے غیر مسلم اقوام کے اذہان پر دینِ اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری کے ان مٹ نقوش ثبت کئے، ان کی کیمیا اثر نگاہ سے لاتعداد غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور بے شمار گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت راہِ ہدایت پا گئے۔

صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کو ان اکابرِ ملت پر بجا طور پر فخر ہے جنہوں نے باطل کے سرکش طوفانوں کے باوجود ناسازگار حالات میں بھی شمعِ اسلام کو روشن رکھا، یہی وہ مردانِ حق ہیں جنہوں نے پرچمِ اسلام کو بلند رکھا اور بلا خوف و خطر باطل کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہے، ان کی یاد قیامت تک دلوں کو عزم و ہمت اور بلند حوصلہ بخشتی رہے گی، ان کے کارنامے ابتلاء و آزمائش کے ہر دور میں ہمیں دعوتِ عمل دیتے رہیں گے اور استقامت و استقلال کا سبق یاد دلاتے رہیں گے۔ ان میں بیشتر حضرات وہ ہیں جنہوں نے تحریکِ پاکستان کو پروان چڑھایا اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔

ہم محکمۂ تعلیم کے اربابِ بست و کشاد سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ان مجاہدینِ اسلام کے عظیم الشان کارناموں کو نصابِ تعلیم میں شامل کیا جائے تاکہ ملت کے نونہالوں کے دلوں میں نظریۂ پاکستان کی اہمیت راسخ ہو اور وہ جذبۂ حریت سے سرشار ہو کر ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کے لئے تیار ہو سکیں۔

اس تذکرے میں مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے دورِ آخر (تیرھویں اور چودھویں

صدی ہ کے ان علماء و مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے جو وصال فرما چکے ہیں کیونکہ اس علاقے کے علماء کرام کے حالات اور علمی کارناموں کو محفوظ کرنے کی طرف بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے یہ ایک ابتدائی کوشش ہے ابھی بہت سے علماء و مشائخ کا ذکر اس میں شامل نہیں کیا جا سکا جس کی بڑی وجہ وسائل معلومات کی کمی اور فرصت کی قلت ہے۔ خدا کرے کوئی صاحب ہمت اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔

رجناب رشید محمود ایم۔ اے، جناب محمد عالم مختار حق، پروفیسر محمد ایوب قادری (کراچی)، جناب عابد نظامی، مولانا مظفر اقبال رضوی، جناب سید نور محمد قادری، علامہ اقبال احمد فاروقی، جناب محمد صادق قصوری، پروفیسر قریشی احمد حسین قلعداری، حکیم اللہ بخش انصاری، جناب رضا المصطفےٰ چشتی، مولانا شاہ محمد چشتی قصوری اور جناب میاں محمد محبوب الٰہی انجینئر چکوال کا ممنون احسان ہوں جن کے تعاون سے یہ تذکرہ مرتب کیا جا سکا ہے۔ مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھ (سندھ) نے مصروفیات کی کثرت کے باوجود تذکرے پر نظر ثانی فرمائی، بعض حضرات کے حالات مہیا فرمائے، مفید مشورے دئے اور مقدمہ بھی لکھا۔ علامہ غلام رسول سعیدی زید مجدہ نے تعارف لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ نے بھی بعض علماء کے حالات فراہم کئے اور تاریخ طباعت لکھی۔ جناب فدا حسین فدا نے قطعۂ تاریخ طباعت لکھا، استاذ مکرم مولٰنا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ العالی، مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ اور مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری زید مجدہ نے قدم قدم پر امداد فرمائی اور مفید مشورے دئے، سچ تو یہ ہے کہ اس تذکرے کی ترتیب و اشاعت میں ان کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ راقم الحروف ان حضرات کا شکریہ ادا کرنے سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

مولائے کریم ہم سب کی کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

شرف قادری

تأثرات اور تبصرے

ترتیب، محمد مشتاق احمد قادری

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری مدظلہ

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ)

محترمی زید لطفکم! ——— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

دل پسند و دل پذیر، دل کش و دل رُبا تحفہ نظر نواز ہوا ——— کتاب زندگی کھول کر رکھ دی ——— نہیں نہیں ——— دل نکال کر رکھ دیا ——— مرحبا! مرحبا! ——— یہاں حُسن و جمال کا ایک نیا عالم ہے ——— گل و یاسمن کی ایک نئی بہار ہے۔

دماغوں میں، سینوں میں، رسالوں میں، اخباروں میں جو کچھ مخفی تھا، سامنے لاکر رکھ دیا ——— بکھرے ہوئے اوراق کو سمیٹ کر رکھ دیا ——— منتشر دانوں کو پرو کر رکھ دیا ——— پنکھڑیوں سے گل ہی نہیں، ایک گلشن بنا دیا ——— سُبحان اللہ! سُبحان اللہ!

عالمِ برزخ سے آب و گِل میں لانا کوئی آسان کام نہ تھا ——— آپ نے اس مشکل کو آسان کر دکھایا اور ایک حشر بپا کر دیا ——— اس ہمتِ مردانہ کو آفریں، صد آفریں!

ہزار ہزار رحمتیں ہوں اُس والد ماجد پر، جس کے چمن میں ایسے پھل پھول لگے اور ہزار ہزار سلام ہو اس فرزند دلبند پر، جس نے اسلام اور علماء اسلام کی

خدمت کا حق ادا کر دیا ——— ہاں ہاں شہیدوں کا سلام ہو، ولیوں کا سلام ہو، عالموں کا سلام ہو اور ہم جیسے گنہ گاروں اور سیاہ کاروں کا بھی سلام ہو۔

خدا کرے تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنت کی دوسری جلد بھی اسی شان و شکوہ سے منظرِ عام پر آئے، دلوں میں بٹھائی جائے، آنکھوں پر لگائی جائے۔ آمین اللّٰھم آمین!

یہ احقر اس شاندار تالیف پر آپ کو اور تمام معاونین کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعاؤں کے گلدستے پیش کرتا ہے فقط والسلام!

۷۶-۱۱-۲۵ احقر محمد مسعود عفی عنہ

پروفیسر محمد ایوب قادری (کراچی)

حضرت حکیم صاحب! سلام مسنون!

کل مولانا محمد عبدالحکیم شرف القادری زیدت معالیہم کا شاہکار اور اس سال کی معرکۃ الآراء کتاب ملی، خوب کام ہوا ہے، میں ان کو علیحدہ رسید بھیج رہا ہوں۔ آپ کا پیش لفظ بھی خوب ہے۔ اس کو مزید پھیلایا جائے اور تاریخ سے زیادہ مثالیں نکالی جائیں۔ یہ اچھوتا خیال اور نئی فکر ہے۔ احباب کو سلام۔

مولانا شرف القادری کو بہت بہت سلام!

۲۶/ ۱۱/ ۷۶ء خادم محمد ایوب قادری

حضرت مولانا شرف القادری صاحب، زیدت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اُمید کہ مزاجِ سامی بخیر ہوگا۔

ایک ہفتہ ہوتے کو آیا ہے کہ آپ کی قابلِ قدر کتاب تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت ملی۔ میں نے ایک ہی نشست میں پوری کتاب کا جائزہ لے ڈالا۔ واقعی آپ نے اس موضوع پر ایسا کام کیا ہے کہ جس سے بہت لوگوں کی راہنمائی ہوگی۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ کتاب ہر اعتبار سے قابلِ تعریف ہے۔ زبان و بیان، تلاش و تحقیق اور ماخذ و مصادر ہر اعتبار سے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم اور بامراد رکھے اور آپ دین و ملت کی زیادہ خدمات انجام دیں ــ فقط والسلام!

۱۱ر ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ مخلص محمد ایوب قادری[1]

۳ر دسمبر ۱۹۷۶ء

محمد حسین تسبیحی (ایرانی محقق)

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد

باسمہ تعالیٰ شانہٗ

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید دارم ہمیشہ دل خوش باشید و تندرست و موفق۔ امروز از طرف جناب آقای مولانا محمد منشا تابش قصوری یک مجلد تذکرہ علماء و اکابرِ اہلِ سنت بہ دستِ من رسید۔ آں را تصفح کردم و حظِ وافر و فایدۂ احسن بردم، آفرین و صد آفرین بر شما و قلم شما۔ سرکارِ عالی! بسیار زحمت کشیدہ اید تا این کتاب ارزندہ را تصنیف و بہ شاہراہِ مسلمانان آوردہ اید آرزومندم من و دوستان بتوانند ازیں کتاب خوب استفادہ برند۔ فہرست کتِ بہا دمؤلفان و دیگر اکابرِ اہلِ سنت و عارفانِ طریق الی آخر در کتاب شما بسیار ارزندہ است۔ خدای بزرگ ہموارہ شما را در طریق علم و تبلیغ دینِ حنیف اسلام یار و رہنموں باد آمین

سعادتمند و موفق باشید بندہ جز دعا گوئی کارے ندارد

۳ر ۱۰ر ۲۵۳۵ ارادتمند مخلص

۲۴ر ۱۲ر ۱۹۷۴ محمد حسین تسبیحی

[1] افسوس کہ پروفیسر صاحب ۱۳ر نومبر ۱۹۸۳ء کو ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے۔
۱۲ شرف قادری

بزمی انصاری

A/N ناد رتھ ناظم آباد کراچی

مکرم و محترم جناب قادری صاحب ــــ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

کل رجسٹرڈ بک پوسٹ سے (۱) تذکرہ اکابر اہل سنّت (۲) زلزلہ از جناب علامہ ارشد القادری (۳) یادِ اعلیٰ حضرت، اور (۴) تاریخ جامعہ رضویہ، موصول ہوئیں ــ بے حد شکریہ!

تذکرہ پر انشاء اللہ ریویو شائع ہوگا۔ آپ نے بہت مفید کام کیا ہے کہ تذکرہ مرتب کر دیا۔ کاش کوئی صاحب پرانے بزرگوں کے حالات بھی قلمبند کر دے۔

یہ معلوم کر کے مسرّت بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ آپ بہت کم عمر آدمی ہیں ــ ۴۲ سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کا شوق ایک روشن مستقبل کی نشان دہی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ علم و عمر دونوں میں اضافہ فرمائے۔

مخلص

بزمی انصاری عفی اللہ عنہ

۱۵ ردسمبر ۱۹۷۶ء

خواجہ رضی حیدر

ڈپٹی ڈائریکٹر قائدِ اعظم اکیڈمی، کراچی

تذکرہ اکابر اہلِ سنّت روح کی بالیدگی اور قلب کی روشنی کا باعث ہوا۔ آپ نے جس خلوص اور محبت کے ساتھ اس کی ترتیب فرمائی ہے، وہ دُنیا و آخرت میں مقبول ہوگی۔ علماء اہل سُنّت کے تذکرہ کی جانب، قیامِ پاکستان کے بعد بہت کم توجہ دی گئی، شاید اس کی ایک وجہ ہمارے باہمی مناقشات ہوں لیکن اب جس تیزی سے آپ کی اور حضرت قبلہ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کی سرپرستی میں یہ

تذکرہ عام ہو رہا ہے، اس سے یہ قوی امید ہے کہ جلد ہی سوادِ اعظم کے پاس اپنے علماء کے بارے میں پڑھنے کے لیے بہت کچھ موجود ہوگا۔

احقر العباد

خواجہ رضی حیدر

۲۔ ڈی ۱۶/۵ ناظم آباد، کراچی

مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

لاھور

مکتبہ حامدیہ، میں آنجناب کی تازہ، ضخیم، معلوماتی اور ایمان افروز تصنیف تذکرہ اکابر اہل سُنّت دیکھی۔ فہرست کا مطالعہ کیا، مختلف مقامات سے کتاب پڑھی تو دل سے بار بار دعائیں نکلیں۔ جزاك الله احسن الجزاء۔

اللہ کرے حُسنِ رقم اور زیادہ

اُردو زبان میں ماضی قریب کے پاکستانی علمائے حق و اکابرِ ملّت کا یہ تذکرہ رحمتِ خداوندی کے خوشنما پھولوں کا حسین گلدستہ ہے، جس سے اہلِ حق کے دل و دماغ جہاں مدّتوں معطّر ہوتے رہیں گے، وہاں آنکھوں کو نور اور دلوں کو سُرور کی دولت میسّر آتی رہے گی۔ اس مفید اور کامیاب پیشکش پر میرے جیسے سراپا معصیت کی دلی مبارک باد قبول فرمایئے۔

اُمید ہے کہ دوسری جلد کی تیاری شروع کر دی ہوگی اور شاید وہ ہندوستان کے اکابرِ اہلِ سُنّت کا تذکرہ ہوگا۔ یہ کاوش اکابر سے وابستگی کا بیّن ثبوت اور اُن کی بہت بڑی خدمت ہے۔

فقط والسلام!

خاکپائے علماء

اختر شاہجہانپوری مظہری عفی عنہ

۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

۲۷ رمئی ۱۹۷۷ء

تعارف

از مولانا علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ

اسلاف اور اخیار کا تذکرہ قرآن کریم کا اندازِ تبلیغ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ مبارکہ ہے۔ کتاب و سنت نے جہاں ارشادات اور احکام کو بیان کیا ہے وہاں ان احکام میں ڈھلی ہوئی شخصیتوں کو بھی پیش کیا ہے تاکہ عمل کرنے والوں کے لئے نمونہ اور عذر گزاروں کے لئے حجت تمام ہو جائے۔ سلف صالحین کی تابندہ اور درخشندہ سیرت حال کے دھندلکوں میں رہنمائی کا کام دیتی ہے۔ جب تن آسانی، آرام طلبی اور عیش و طرب کے حصول کے لئے نفس کی سرکشی بڑھنے لگے تو ایسے لوگوں کی سیرت اپنا کر ڈگمگاتے ہوئے قدم سنبھلتے ہیں جو اپنی زندگی میں اندازِ بوذری رکھتے تھے اور جب جابر حکمرانوں کے سامنے آوازِ حق سنانا مشکل ہو جائے تو انہی بزرگوں کے اسوہ سے سہارا ملتا ہے جو ابراہیمی جاہ و جلال کے پیکر تھے۔

زمانے کے تقاضے ہر دور میں مختلف طور اختیار کرتے رہے ہیں اور ابلیس نے فواحش و منکرات کو ہر زمانے میں نت نئے انداز سے پیش کیا ہے اس لئے غوایت و ضلالت کے اس طوفان کو فرو کرنے کے لئے رشد و ہدایت بھی ہر دور میں اس کے تقاضوں کی مناسبت سے ہونی چاہئے تاکہ برائی جس رنگ میں بھی آئے اسے مٹایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں نے ہر دور میں امت کی دستگیری کی ہے، بے راہ روی کے سیلاب کو روکنے کے لئے وقت اور ماحول کے مناسب طریقے اختیار کئے ہیں، جابرہ اور باطل قوتوں کے سامنے عواقب و نتائج کی پروا کئے بغیر سینہ سپر ہو گئے ہیں۔

جب نیک چلنی اور پاکیزہ سیرت کی تعمیر کے لئے تلقین کی جائے تو بعض آزاد منش لوگ

کہہ دیتے ہیں کہ جناب آپ صحابہ اور تابعین کے دور کی بات کرتے ہیں، وہ زمانہ اور تھا، اس زمانہ میں سادگی تھی، عیش و عشرت کے موجودہ وسائل نہ تھے، تہذیب و تمدن کی یہ گہما گہمی، آرٹ اور کلچر کی یہ سحر کاری اور کلبوں کے رت جگے نہ تھے، جسمانی تراش خراش، جسم سے چپکے ہوئے فیشن ایبل لباس، ریڈیو اور ٹی وی کی فسوں کاریاں، کچھ بھی تو نہ تھا، اس زمانہ میں حسن بصری کا زہد، بایزید کی پارسائی اور علی ہجویری کا تقویٰ سب کچھ ممکن تھا لیکن اس دور کے قیامت خیز فتنوں اور رنگین طوفانوں کے درمیان ایسی سیرت کی تعمیر کے لئے امید نہیں کی جا سکتی۔

اس قسم کی باتیں کرنے والوں کو منکرات سے روکنے اور انہیں جادۂ استقامت پر لانے کے لئے ان لوگوں کا تعارف کرانا ضروری ہے جنہوں نے حال کے اندھیروں میں پاکیزہ سیرت کی شمع روشن کی ہے، جنہوں نے رنگ و نور کے اس سیلاب اور آوارگیٔ حسن کے اس تلاطم میں اپنے دامن کے تقدس کو برقرار رکھا۔ آج جو لوگ حرص و ہوا کے راستہ پر آنکھیں بند کر کے سرپٹ دوڑ رہے ہیں انہیں یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ اگرچہ باطل کی سرگرمیاں عالم اور ابلیسی سازشیں عروج پر ہیں لیکن بندگانِ حق پرست سے یہ دنیا خالی نہیں ہوئی، اگر چشم بینا ہو تو دیکھو! اس دنیا میں حرص و ہوا کے اسی بازار میں بایزید کی عفت بھی ہے، جنید کی انابت بھی اور زنجانی اور علی ہجویری کا تقویٰ بھی ہے۔

اس سبب سے ضرورت تھی کہ ان پاکانِ خدا کی سیرت سے نوجوانوں کو روشناس کیا جائے جو بے راہ روی اور بدمستی کے حالیہ طوفانوں میں روایاتِ اسلاف پر چٹان کی طرح ثابت رہے، جنہوں نے زمانہ کے ہر چیلنج کا مقابلہ کیا، ابلیس کا پھینکا ہوا کوئی پھندا انہیں شکار نہ کر سکا اور فراعنۂ عصر میں سے کسی کا دبدبہ انہیں مرعوب نہ کر سکا، وہ مردانِ حق پرست جنہوں نے ساحرانِ افرنگ کا طلسم توڑا، تہذیبِ نو کے آذروں کو للکارا، جہالت کی وادیوں میں علم و حکمت کی قندیلیں روشن کیں، کتاب و سنت کی ہدایات سے ملت کی آبیاری کی، جو انگریز کی تہذیب اور اس کے اقتدار دونوں سے بیک وقت برسرپیکار رہے۔ انہیں مردانِ خدا کی سیرت کو آج جاننے کی ضرورت ہے، انہیں کے کردار و عمل کی روشنی سے حال کے

بزرگ سے خدوخال درست کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری زادہ اللہ شرفہ نے تیرھویں اور چودھویں صدی کے ایسے ہی علماء اور صلحاء کا تذکرہ ترتیب دیا ہے۔ مولانا نے اس تذکرہ میں ان اسلاف کے حالات کو جمع کیا ہے جنہوں نے اس دور کے تازہ فتنوں کے خلاف آواز اٹھائی اور جنگِ آزادی میں مجاہدانہ کارنامے انجام دیے ہیں ——— یوں تو برصغیر کے گوشہ گوشہ میں ایسے علماءِ حق اور درویش صفت بزرگ موجود تھے جنہوں نے قریہ قریہ رشد و ہدایت کے مینار کھڑے کر دیے لیکن مولانا نے اس تذکرہ میں صرف ان بزرگانِ امت کا ذکر کیا ہے جو ارضِ پاک سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ تذکرہ جس طرح گم گشتگانِ راہ کے لئے متاعِ رشد و ہدایت ہے اسی طرح علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے تاریخ و ادب کا عظیم سرمایہ ہے۔ اس تذکرہ میں سیرت ہے، سوانح ہے، تنقید ہے، تبصرہ ہے، وعظ و نصیحت پر مشتمل خطبات اور علمی نکات بھی منقبت ہے اور رہنمایانِ قوم کے لیے خراجِ عقیدت ہے۔ تمام حالات اور واقعات کو سن اور تاریخ کی قید کے ساتھ بیان کیا ہے، ماٰخذ اور مراجع کے حوالے بھی پیش کئے ہیں، واقعات میں ربط اور تسلسل کو کہیں بھی ٹوٹنے نہیں دیا، جدید اندازِ تحریر کے مطابق اختصار اور سلیس کی رعایتوں کو برقرار رکھا ہے، زبان شیریں اور اسلوب دلنشیں ہے، اور تحریر میں کچھ ایسا رنگ بھر دیا ہے کہ قاری کسی مرحلہ پر بھی اکتانے نہیں پاتا۔

حضرت مولانا محمد عبد الحکیم صاحب شرف ایک نوجوان عالمِ دین ہیں، ان کے دل میں سنیت کا بے پناہ درد ہے، مسلک کے لئے کام کرنے کی انتھک لگن اور بھرپور جذبہ رکھتے ہیں مسلکِ اہلِ سنت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنے وسائل سے بڑھ کر کام کرتے ہیں، ان کے عزائم اور حوصلے بلند اور ان کی خدمات قابلِ رشک اور لائقِ تقلید ہیں۔

میں شرف صاحب سے زمانۂ تعلیم سے متعارف ہوں جب نوری کتب خانہ کے سوا اہلِ سنت کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی مرکز نہ تھا، کوئی قابلِ ذکر رسالہ تھا نہ مکتبہ، تصنیف و تالیف اور اشاعت کے کام پر مکمل جمود طاری تھا، اس کے خلاف اغیار کے بے شمار

رسائل، کتابیں اور پمفلٹ شائع ہو رہے تھے، شرف صاحب اس صورتِ حال پر اکثر افسوس کیا کرتے تھے، ان کا دل اس جمود سے مضطرب رہتا تھا اور یہ خواہش دل میں کروٹیں لیتی رہتی تھی کہ اشاعت کے ذریعہ مسلکِ اہلِ سنت کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کی جائے۔

پھر چند سال بعد اہلِ سنت میں بیداری کی ایک لہر دوڑی، ملک میں کئی خوبصورت علمی اور معیاری ماہناموں کا اجراء ہوا، مختلف شہروں میں کئی نئے مکتبے قائم ہوئے، اسلافِ اہلِ سنت کی متعدد کتب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئیں اور رسائل کے لکھنے والوں کو بھی حوصلہ ملا اور کئی نئی کتابیں مارکیٹ میں آگئیں، اس سلسلہ میں شرف صاحب نے بھی کئی اہم خدمات انجام دیں، جن کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

شرف صاحب ۱۳ر اگست ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء کو مرزا پور ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے ان کے والد ماجد مولوی اللہ دتہ صاحب بن نور بخش ایک صوفی منش بزرگ ہیں۔ پہلے لاہور میں پرائمری تک پڑھا، اس کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مولانا بچپن میں اکثر اپنے والد ماجد کے ساتھ مولانا غلام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور وہ انہیں پیار سے "علامہ" اور "فاضل لاہوری" کہا کرتے تھے اور ان کی زبان ہی کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واقعی علامہ بنا دیا ہے۔

پرائمری کے بعد شرف صاحب کو ان کے والد ماجد نے جامعہ رضویہ لائلپور میں داخل کرا دیا جہاں وہ حضرت شیخ الحدیث قبلہ مولانا سردار احمد صاحب قدس سرہ کی زیرِ نگرانی پڑھتے رہے اور خود ان سے بھی منطق کے ابتدائی رسالہ صغریٰ کو پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ جن اساتذہ سے مولانا نے وہاں تعلیم حاصل کی ان میں مولانا حافظ احسان الحق، مولانا سید منظور شاہ، مولانا حاجی محمد حنیف، مولانا حاجی محمد امین اور مولانا محمد عبد اللہ جھنگوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اسی دوران مولانا جھنگوی کے ساتھ سیال شریف گئے اور وہاں مولانا صوفی حامد صاحب علیہ الرحمۃ مہتمم مدرسہ تعلیماتِ رضویہ لیہ (مظفر گڑھ) سے نحو میر پڑھی۔

ابتدائی کتب لائلپور میں پڑھنے کے بعد متوسط کتب کی تعلیم کے لئے شرف صاحب

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب حال شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائلپور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے علمی استفادہ کیا۔ اس مدرسہ میں اگرچہ مولانا نور محمد صاحب، مولانا شمس الزماں صاحب، مولانا محمد ایوب صاحب اور مولانا غلام مصطفیٰ صاحب سے بھی چند کتابیں پڑھیں لیکن اکثر و بیشتر کتب حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب ہزاروی حال مہتمم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان سے پڑھیں۔

بعد ازاں آخری کتب پڑھنے کے لئے مولانا اشرف صاحب بندیال میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حافظ عطا محمد صاحب دامت اللہ تعالیٰ بطول حیاتہم کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے تقریباً ہر فن میں حضرت سے استفادہ کیا ہے۔ نحو میں عبد الغفور و تکملہ، بلاغت میں مختصر معانی و مطول، منطق میں ملا جلال، رسالہ قطبیہ، قاضی اور حمد اللہ، فلسفہ میں میبذی، صدرا اور شمس بازغہ، علم ہیئت میں تصریح، ہندسہ میں اقلیدس، فقہ میں ہدایہ مکمل، اصول فقہ میں حسامی، مسلم الثبوت، حدیث میں مشکوٰۃ و ترمذی اور تفسیر میں بیضاوی پڑھی ان کے علاوہ بعض کتابوں کا سماع بھی کیا ہے جن میں بدیع المیزان، مرقاۃ، قال اقول، شرح تہذیب، قطبی مع میر، ملا حسن اور رشیدیہ شامل ہیں۔

حضرت علامہ بندیالوی دامت فضلہم درسی کتب پر بے پناہ عبور رکھتے ہیں، جب کتاب کے کسی مقام کی تقریر کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ مصنف کے مقاصد اُن کے بیان کے تابع ہیں، تقریر کے دوران ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی سطریں ان کے الفاظ میں ڈھلتی جا رہی ہیں۔ ان کی تدریس میں یہ خاصیت ہے کہ وہ جس فن کو پڑھاتے ہیں طالب علم میں اس فن کا صحیح شعور پیدا کر دیتے ہیں، وہ استاذ گر استاذ ہیں، جن خوش نصیبوں نے ان سے تعلیم حاصل کی ہے ان میں سے اکثر اس وقت ملک کے دینی مدارس میں چوٹی کی کتابیں پڑھا رہے ہیں۔ مولانا اشرف صاحب بھی حضرت کے ان تلامذہ میں ہیں جنہوں نے تعلیم و تدریس میں نہایت اونچا اور قابل فخر مقام حاصل کیا ہے۔

مولانا اشرف صاحب نے جنوری ۱۹۶۵ء میں جامعہ نعیمیہ لاہور سے اپنی تدریسی زندگی کا

آغاز کیا۔ ۱۹۶۶ء میں ان کے مربی اور مشفق استاذ مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب نے انہیں جامعہ نظامیہ رضویہ میں بلا لیا۔ پھر ۱۹۶۷ء تک وہیں پڑھاتے رہے۔ اسی دوران انہوں نے اپنی اشاعتی زندگی کا آغاز کیا اور حاشیہ احمد حسن جو حمد اللہ کا ایک معروف حاشیہ ہے اور عرصہ سے نایاب تھا، طبع کرایا۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ رضانیہ ہری پور کے ناظم علی جناب صاحبزادہ طیب الرحمٰن صاحب بصد اصرار مولانا کو مفتی صاحب سے اجازت لے کر ہری پور لے گئے، اشرف صاحب چار سال تک ہری پور پڑھاتے رہے۔ وہاں یہ مولانا صدر مدرس تھے، علاوہ ازیں افتاء کا کام بھی مولانا کے سپرد تھا۔ ہری پور کے دوران قیام مولانا نے متعدد تعمیری کام انجام دئے۔ وہاں کے بکھرے ہوئے سُنّی علماء کو جمع کیا اور جمعیت علماء پاکستان (مرحوم) قائم کی، مولانا ہی کو جمعیت کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ افتاء، تدریس اور تنظیمی کاموں کے علاوہ مولانا تصنیف و تالیف میں بھی لگے رہتے تھے نیز اشاعت کی ذمہ داریاں بھی سنبھال لی تھیں۔ مولانا نے جمعیت کی طرف سے اس قلیل مدت میں فضائل اذکار، التحیۃ الفاخرہ، بذل الجوائز، نور الانوار، یاد اعلیٰ حضرت، شرح الحقوق، مسائل اہلسنت، عقد الجید اور ذکر بالجہر کتب شائع کیں، مولانا نے اپنے طرز تبلیغ سے لوگوں کے دلوں میں مسلک رضوی سے محبت پیدا کی، اعلیٰ حضرت کی علمی اور تحقیقی خدمات سے انہیں متعارف کرایا اور پہلی مرتبہ ہری پور میں مولانا کی قیادت میں یوم رضا منایا گیا۔

چار سال بعد دسمبر ۱۹۷۱ء میں مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم چکوال کے منتظمین کی درخواست اور ان کے شدید اصرار پر مولانا چکوال چلے گئے اور وہاں تدریس اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہاں کا ماحول بہت حوصلہ شکن اور مایوس کن تھا، طلبہ کی تعداد کم تھی، مخالفوں کی یورش تھی، تبلیغ و اشاعت کے ذرائع اور وسائل نہ تھے لیکن مولانا حوصلہ ہارنے والوں میں سے نہیں تھے: ان کی دُور رس نگاہی نے وہاں بھی جذبہ اور لگن رکھنے والے نوجوانوں اور فعال کارکنوں کو ڈھونڈ نکالا۔ وہاں بھی جماعت اہل سنت کی تنظیم قائم کر دی اور اشاعت دین کا کام شروع کر دیا۔

مولانا نے اگرچہ چکوال میں تھوڑا عرصہ قیام کیا اور دو ہی سال بعد وہاں سے واپس آگئے لیکن اس عرصہ میں انہوں نے وہاں کے لوگوں میں سنیت اور رضویت کی روح پھونک دی؛

مولانا نے وہاں بھی بڑی دھوم دھام اور جوش وخروش سے یوم رضا منایا ، جماعت کی طرف سے دو رسالے رادالقحط والوباء اور غایۃ التحقیق بھی شائع کئے۔

مولانا نے تبلیغ واشاعت کی خاطر ۱۹۶۷ء میں مکتبہ رضویہ بھی قائم کیا۔ اس مکتبہ سے حاشیہ احمد حسن برحمد اللہ ، اقامۃ القیامۃ ، ایذان الاجر ، قوالی کی شرعی حیثیت ، الکافی حاشیہ الیساغوجی ، نام حق مع حاشیہ فضل حق ، شرح کریما اور سیف الجبار جیسے مفید رسائل شروح اور حواشی شائع کئے۔

شرف صاحب بڑی مصروف زندگی گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کے وقت میں برکت رکھی ہے۔ اتنی ساری مصروفیات کے باوجود وہ تصنیف وتالیف کا اہم کام بھی کرتے ہیں انھوں نے منطق کی مشہور ومعروف کتاب قاضی مبارک پر عربی میں حواشی لکھے ہیں۔ یہ حاشیہ ابھی طبع نہیں ہو سکا۔ مرقاۃ پر بھی عربی میں ایک مبسوط حاشیہ لکھا ہے جو چھپ چکا ہے۔

مولانا فضل حق خیرآبادی کی سوانح پر بھی مولانا نے بہت تحقیق کی ہے اور کافی مواد جمع کر لیا ہے لیکن اس کی تبییض کی فی الحال فرصت نہیں ملی۔ نام حق پر فضل حق کے نام سے مفید اردو حاشیہ لکھا ہے۔ فاضل بریلوی قدس سرہ کی سوانح میں یاد اعلیٰ حضرت لکھی۔ بعض سوالات کے جواب میں احسن الکلام فی مسئلۃ القیام اور مسائل اہلسنت وغیرہ رسائل لکھے۔ حیلہ اسقاط کے بارے میں غایۃ الاحتیاط فی جواز حیلۃ الاسقاط کے نام سے ایک رسالہ لکھا ، مولانا سراج احمد خانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح تحریر کی۔ یہ تمام کتابیں مختلف مکتبوں کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔

علاوہ ازیں شرف صاحب نے سیف الجبار اور باغی ہندوستان پر تحقیقی ومبسوط مقدمے لکھے ہیں۔ ملک کے مشہور اور متداول رسائل کی فرمائش پر وقت نکال کر مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں چنانچہ ضیائے حرم ، ترجمان اہلسنت ، نور اسلام ، عرفات اور دیگر رسائل میں الفرقان کی علمی تحقیقی اور سوانحی نگارشات شائع ہوتی رہتی ہیں۔

تبلیغ واشاعت کو وسعت دینے کے ارادے سے مولانا دسمبر ۱۹۷۲ء میں لاہور آ گئے یہاں آنے کے بعد مولانا نے مفتی محمد عبدالقیوم صاحب ، مولانا محمد منشا تابش قصوری صاحب کے تعاون سے مکتبہ قادریہ قائم کر دیا۔ یہ مکتبہ جامعہ نظامیہ میں واقع ہے

قلیل عرصہ میں مؤسسہ اس مکتبہ نے اعلیٰ حضرت کا رسالہ مہر کما فقیہ ابو حنیفہ ، مولانا مفتی محمد خلیل خاں صاحب کی تصنیف ہمارا اسلام (پانچ حصے) ، مولانا عبدالشاہد شروانی کی الفرقان تصنیف باغی ہندوستان ، سو سالہ پرانی تاریخ تاریخ تناولیاں ، اور مولانا محمد شریف سیالوی صاحب کی تصنیف کرامات شائع کر چکے ہیں۔

شرف صاحب نے تدریس کے میدان میں بھی یادگار قسم کی خدمات انجام دی ہیں ان کے تلامذہ میں سے اکثر مختلف مدارس میں کام کر رہے ہیں ، چند ایک یہ ہیں :-

۱۔ مولانا حافظ عطا محمد مہتمم مدرسہ خوشاب۔
۲۔ مولانا عزیز اللہ صاحب ، لاڑکانہ
۳۔ مولانا غلام نبی صاحب صدر مدرس مدرسہ حنفیہ سراج العلوم ، گوجرانوالہ
۴۔ مولانا احمد دین صاحب صدر مدرس ٹوگیرہ شریف
۵۔ قاری عبدالرشید صاحب ، شیرکوٹ
۶۔ قاری عبدالرسول صاحب ، کوٹ ادو
۷۔ مولانا محمد رفیق چشتی صاحب ، مؤلف شرح کریما
۸۔ مولانا عبدالرشید صاحب
۹۔ مولوی سید محمد صاحب
۱۰۔ مولوی عصمت اللہ صاحب آزاد کشمیر
۱۱۔ صاحبزادہ حمید الدین صاحب ، دواریاں

شرف صاحب کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ سے والہانہ عقیدت ہے ان کے علاوہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی ، مولانا صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد لائلپوری قدست اسرارہم سے بھی بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ موجودہ علماء کرام میں حضرت سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی اور حضرت سید ابوالبرکات رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ارادت رکھتے ہیں۔ حضرت سید ابوالبرکات رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر ۲۵ مارچ ۱۹۷۰ء کو بیعت سے مشرف ہوئے۔ (۲۰ شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء کو حضرت کا وصال ہو گیا)

مولانا بہت خلیق، ملنسار اور بذلہ سنج ہیں، طبعاً فیاض اور مہمان نواز ہیں، بادی النظر میں لگتا ہے کہ شاید کم گو اور دیریزہ قسم کے آدمی ہیں لیکن ان سے ملنے والا بہت جلد اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۱۹۶۳ء میں مولانا کی شادی ہو گئی تھی، اب ماشاء اللہ دو صاحبزادے مسمی ممتاز احمد قادری اور مشتاق احمد ہیں۔ اس کے علاوہ دو صاحبزادیاں بھی ہیں۔ مولانا اپنی مصروفیات کے باعث بچوں کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکتے اور اہل و عیال کے حقوق کا بیشتر حصہ بھی مسلک کی خدمت کی نذر ہو جاتا ہے۔

علامہ ارشد القادری مدظلہ مولانا محمد منشا تابش قصوری کے نام ایک مکتوب محررہ ۱۴ فروری سنہ ۱۹۷۹ء میں لکھتے ہیں:

"کل "الحدیقۃ الندیہ" کی زیارت سے نگاہیں شاداب ہوئیں، دل مسرور ہوا۔ مولانا شرف قادری کا کلمۂ تقدیم اپنے معاصرین کے لیے بھی کلمۂ تقدیم ہے —— خدا پردۂ غیب سے اس امام کا مقتدی پیدا کرے —— بڑا ہی پُر مغز، جاندار، فکر انگیز اور معلوماتی مقدمہ ہے —— زبان سے بھی محبت نہیں ٹپکتی —— خدائے قدیر آپ حضرات کو جزائے خیر عطا کرے اور آپ لوگوں پر غیبی وسائل کے دروازے کھول دے —— علم و دانش کے اعزاز و تکریم کی بڑی اچھی طرح ڈالی ہے آپ حضرات نے ——"

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شرف صاحب کے علم و عمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے، ان کی جملہ خدمات اور مساعی کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے اور قوم کے نوجوانوں کو مسلک کی خدمت کے لیے وہی درد عطا فرمائے جس سے مولانا کا دل آباد رہتا ہے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

تقدیم

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی (ایم اے، پی ایچ ڈی)

مسلمانوں کو سیرت نگاری سے کافی شغف رہا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو کچھ کیا اس کا احصار تقریباً ناممکن ہے —— پاک و ہند میں بھی اس فن پر بہت کچھ لکھا گیا، متقدمین کو چھوڑ کر متوسطین اور متاخرین کو لیں تو علماء و صلحاء کے حالات میں یہ معروف کتب سیر سامنے آتی ہیں:-

گلزارِ ابرار (مولانا محمد غوثی) - اخبار الاخیار (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) مجمع الاصفیاء (علی اکبر اردستانی) - سفینۃ الاولیاء (شہزادہ دارا شکوہ)، سبحۃ المرجان (مولانا غلام علی آزاد بلگرامی) - مآثر الکرام (آزاد بلگرامی) خزینۃ الاصفیاء (مفتی غلام سرور لاہوری) - ابجد العلوم (نواب صدیق حسن خاں) - تذکرہ علمائے ہند (مولانا رحمٰن علی) - قاموس المشاہیر (نظامی بدایونی) حدائق الحنفیہ (فقیر محمد جہلمی) - نزہۃ الخواطر (حکیم عبدالحی لکھنوی) وغیرہ وغیرہ

وہ کتب سیر علیحدہ رہیں جو ایک خاص مسلک فکر کے علماء یا ایک خاص سلسلۂ طریقت کے مشائخ کے حالات یا خاص خاص شخصیتوں پر لکھی گئی ہیں —— الغرض اخیار و ابرار کی سوانح کا ایک طویل سلسلہ ہے جو دوسرے مذاہب کے علمی سرمایہ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

ایک طرف محدثین کرام نے اقوالِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی حفاظت کا اہتمام فرمایا تو دوسری طرف علماء و مشائخ نے اعمالِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی حفاظت کا اہتمام کیا —— اعمال کی حفاظت اقوال سے کہیں زیادہ مشکل ہے، اس

سلسلے میں مسلسل جد و جہد اور مستقل حرارت کی ضرورت ہے، بالخصوص علماء و مشائخ کی پاک سیرتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک زندہ معجزہ ہیں اور آیۂ کریمہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی جیتی جاگتی تصویر ۔

علماء و صلحاء ملت کی آن اور مذہب کی آبرو ہیں ، ان کے دم سے دین و دنیا کی رونق ہے —— وہ رونق جو فریبِ نظر نہیں بلکہ حیاتِ قلب و جگر ہے ، جو انسانیت کی بہار ہے اور حیوانیت سے کوسوں دور —— ہاں وہ مبارک ہستیاں جنہوں نے قلب و نظر کی پرورش کی ہو ، جنہوں نے رفعتِ شانِ مصطفوی (علیٰ صاحبہا السلام) میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہو ، آنکھوں پر بٹھانے اور دل سے لگانے کے قابل ہیں ، بیشک ان کی مبارک سیرتوں کو اجاگر کیا جائے ، ان کی تعلیمات کی اشاعت کی جائے اور ان کے ذکر و اذکار کئے جائیں کہ ذکرِ محب ذکرِ محبوب ہی ہے —— ان کی پاک زندگیاں جوانوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں ، اے کاش وہ اس طرف متوجہ ہوں اور متاعِ خانہ کو درونِ خانہ گم کر کے وہ کام نہ کریں جو ایک نابینا سے بھی متوقع نہیں ۔

حیف صد حیف فرنگی تہذیب و تمدن اور فرنگی سیاست نے ان جوانوں کو کہیں کا نہ رکھا ، اس نے یہ راز پا لیا کہ علماء و مشائخ امت ہی ملتِ اسلامیہ کی جان ہیں ، انھیں کے دم سے ایمان کی حرارت باقی ہے ، اس لئے سب سے پہلے اس نے جوانوں کو علماءِ حق سے برگشتہ کیا کہ ان سے برگشتگی خود دین و مذہب سے برگشتہ کرنے میں معین و مددگار ہوگی ، چنانچہ ایسا ہی ہوا —— اس نے بڑی بے حیائی کے ساتھ حقیقتوں پر پردہ ڈال دیا ، پھر جو معصوم تھا ، مجرم نظر آنے لگا ، جو مجاہد تھا ، غدار معلوم ہونے لگا ، جو مصلح تھا مفسد لگنے لگا ، جو عالم تھا جاہل نظر آنے لگا ، جو شہید تھا مقتول و مردود معلوم ہونے لگا —— اللہ اللہ اس فرنگی نے جو نہ کرنا تھا سب کچھ کیا اور ملتِ اسلامیہ کی بدنصیبی تو دیکھئے کہ وہ اس کے دامِ تزویر میں ایسی گرفتار ہوئی کہ نکلنا مشکل ہوگیا ، ان کی دولت خود ان کے ہاتھوں لٹوائی گئی اور ان کو احساس تک نہ ہوا ۔

زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے —— پہلے میدان ان کے ہاتھوں تھا جنہوں نے

وقت کی قدر کی اور زندگی کو زندگی جانا اور قدم قدم آخرت کو پیشِ نظر رکھا ، پھر میدان ان کے ہاتھ آیا جنہوں نے وقت کی قدر نہ پہچانی اور زندگی کو کھیل تماشا سمجھا اور آخرت سے بے خبر ہو گئے ۔

اللہ اللہ ایک وہ دور تھا جب جوانوں کو علماء و صلحاء کی تلاش تھی ، اور یہ عجیب دور آیا ہے کہ جوان تو جوان ، بوڑھے بھی علماء و مشائخ سے گریزاں نظر آتے ہیں ، انا للہ وانا الیہ راجعون —— یہ مدارس اور یہ خانقاہیں عظیم تربیت گاہیں تھیں جہاں سے انسان بن بن کر نکلتے تھے —— جب سے ان سے بے تعلق ہوئے ہیں انسانیت سے دور اور حیوانیت سے قریب تر ہو گئے ہیں ، ہاں اس دورِ قحط الرجال میں علماء و صلحاء کے حالات زیادہ سے زیادہ پیش کئے جائیں کہ بھٹکے ہوئے آہوؤں کو حالِ حرم معلوم ہو سکے اور شاید پھر وہ منزل کی طرف جادہ پیما ہو سکیں ،

فاضل مؤلف حضرت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری زیدت عنایتہم نے پاکستان کے مرحومین علماء و مشائخ کے حالات مرتب فرما کر ہم سب پر احسانِ عظیم فرمایا ہے ۔ فاضل موصوف نے بہت سی تابناک سیرتوں کو گوشۂ گمنامی سے نکالا اور ہم کو ہمارے شاندار ماضی سے باخبر فرمایا ، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء —— اس دور میں جبکہ ہمارے مؤرخ اور سیرت نگار ہوسِ زر کا شکار ہیں ، خلوص و للہیت کے ساتھ اتنا کچھ کرنا اور وقتِ عزیز کا ایثار کرنا معمولی بات نہیں بڑی بات ہے ۔

فاضل موصوف نے پاکستان کے مرحوم علمائے اہلسنت کو اپنا موضوع بنایا ، یہ موضوع بظاہر مختصر ہے لیکن اس میں بڑا پھیلاؤ ہے ۔ کیا اچھا ہو کہ مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں میں اہلِ قلم کمرِ ہمت باندھیں اور اپنے اپنے صوبوں کے علماء و صلحاء کے حالات پر سیر حاصل لکھیں ، حضرت مولانا محمد امیر شاہ قادری گیلانی مدظلہ نے "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" جلد اول (مطبوعہ مارچ ۱۹۶۲ء) اور جلد دوم (مطبوعہ ۱۹۷۲ء) لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے ، ان کے علاوہ اور بھی کوششیں ہوئی ہیں —— اور اگر علماء اہلسنت کو خدا توفیق دے تو پھر پاکستان کے علماء و

مشائخ اہلِ سنت بلکہ پاکستان و ہند کے علماء و مشائخ اہلِ سنت ۔ ——— نہیں نہیں، عالم اسلام کے علماء و مشائخ اہلسنت پر لکھا جائے، لیکن اس مہم کو سر کرنا ایک شخص کے بس کی بات نہیں یہ ایک ادارے کا کام ہے، خدا توفیقِ خیر و فیض عطا فرمائے، آمین ——— لیکن سردست پاکستان کے مرحومین علماء و مشائخ اہلِ سنت کا ہی استقصاء مشکل ہے۔ نہ معلوم فاضل مؤلف نے کن کن مصیبتوں سے یہ حالات جمع کئے ہونگے، اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے سیرت نگاری کے سلسلے میں کچھ کیا ہے، بالخصوص اس دور میں۔

فاضل مؤلف نے اس تذکرے میں بہت سے نامعلوم اور غیر معروف علماء و صلحاء کا تعارف کرایا ہے ——— ان میں اہلِ دل بھی ہیں، اہلِ دانش بھی، عبقری بھی ہیں، فقیہ بھی، شاعر بھی ہیں، اہلِ قلم بھی، مجاہد بھی ہیں، سیاستدان بھی، و مبلغ بھی ——— اس تذکرے سے شعراء کے تذکرہ نگاروں کو بہت مدد مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ قاموس الکتب کی تدوین کرنے والے بھی مستفید ہو سکتے ہیں ——— ایسے بے شمار تراجم و تصانیف اردو دواوین ہیں جن کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اگر کوئی مرکزی ادارہ قائم ہو جائے جہاں علماء و مشائخ کی ان مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کو جمع کر دیا جائے جن کا اس تذکرے میں ذکر کیا گیا ہے تو یہ بڑا مفید کام ہوگا اور اس طرح علماء و مشائخ اہلسنت و جماعت کے بارے میں اہلِ علم کی اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکتا ہے کہ ان حضرات نے تقریروں کے سوا کچھ نہیں کیا۔

آخر میں فاضل مؤلف کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس طرف توجہ فرمائی اور وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا اور عقل و دانش و دلوں کے لئے متاعِ عزیز فراہم کی، امید ہے کہ ان کی یہ کوشش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

۱۸ر شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ
۱۹ر ستمبر ۱۹۷۳ء

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
(کراچی)

مفکرِ اسلام مولانا محمد ابراہیم علی چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ

عظیم دانشور مولانا محمد ابراہیم علی چشتی ابن مولانا محرم علی چشتی ابن مولانا احمد بخش یکدل غالباً ۲۷ر شوال، ۱۶ر اگست (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) کو لاہور میں پیدا ہوئے[1]۔ آپ کا خاندان علمی اور مذہبی روایات سے مالا مال تھا۔ آپ کے والدِ ماجد مولانا محرم علی چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ نامور وکیل، قانون دان، سیاست دان، صحافی اور صاحبِ دل بزرگ تھے آپ کے جدِّ امجد مولانا احمد بخش یکدل عربی اور فارسی کے مایہ ناز فاضل تھے، آپ کے تایا مولانا نور احمد چشتی مؤلف تحقیقاتِ چشتی شہرۂ آفاق مؤرخ تھے۔ آپ کے نانا حضرت خواجہ بستان شاہ کابلی اپنے دور کے قطب شمار ہوتے تھے۔ امیر عبد الرحمٰن والیٔ کابل ان کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ اس دینی اور علمی ماحول نے مولانا محمد ابراہیم علی چشتی کو افکار و کردار کی وہ پختگی بخشی جو کم ہی کسی کے حصے میں آیا کرتی ہے۔

مولانا محمد ابراہیم علی چشتی کی دنیاوی تعلیم سکول سے شروع ہوئی، ابھی گورنمنٹ کالج لاہور میں فرسٹ ائر ہی میں تھے کہ والدِ ماجد کا وصال ہو گیا اور گھر کی تمام تر ذمہ داری ان کے کندھوں پر آ پڑی، اس کے باوجود انہوں نے نہ صرف سلسلۂ تعلیم جاری رکھا بلکہ ملکی و ملی معاملات میں بھی گہری دلچسپی لیتے رہے۔

۱۹۳۸ء میں چشتی صاحب انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ کے سیکریٹری مقرر ہوئے، کالج میں مثنوی مولانا روم (قدس سرہ) کا درس بڑے ذوق و شوق سے دیتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں اسی جماعت نے خلافتِ پاکستان پر چشتی صاحب کا لکھا ہوا ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں خلافتِ پاکستان کا مجوزہ نقشہ بھی شامل تھا، یہ پمفلٹ اور نقشہ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے اخباروں میں خبروں اور تبصروں کا

---

[1] مکتوب جناب عبد العزیز عرفانؔ بنام محب گرامی جناب محمد صادق قصوری زید مجدہ، تحریر ۱۴ر اکتوبر ۱۹۷۲ء

موضوع بنے رہے [1]

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں :

"مولوی ابراہیم علی چشتی نے ۱۹۳۹ء میں خلافتِ پاکستان کی اسکیم پیش کی ، اس کا مدعا یہ تھا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک اچھا خاصا چوڑا کاریڈور بھی رکھا جائے ، انھوں نے اس سارے علاقے کو خلافتِ پاکستان قرار دیا اور باقی ہندوستان کے نقشے پر لکھ دیا "الارض للہ" اس سے ہندو خاصے پریشان ہوئے اور انھوں نے اسی بنا پر پاکستان کی اولین شدید مخالفت شروع کر دی" [2]

یہ اس دور کی بات ہے جب چشتی صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے ، نامساعد حالات کے باوجود آپ نے نہ صرف بی۔ اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں بلکہ صحافت کا ڈپلوما بھی حاصل کیا۔

۱۹۴۴ء میں جب صحافت کی کلاس کا آغاز ہوا تو مشہور عالمی وقائع نگار ڈاکٹر عبدالسلام خورشید آپ کے ہم جماعت تھے ، چشتی صاحب فرسٹ آئے اور ڈاکٹر صاحب سیکنڈ۔ چشتی صاحب کو اردو اور انگریزی میں یکساں دسترس حاصل تھی اور دونوں زبانوں میں لکھتے تھے ، کچھ عرصہ غیر ملکی اخبارات کے نامہ نگار بھی رہے ، ملکی اخبارات میں منکر اور مبصر کے نام سے مقالات لکھ کر قارئین سے دادِ تحسین حاصل کرتے رہے [3]

۱۹۴۱ء کے اواخر میں چشتی صاحب ایک نئے میدان میں داخل ہوتے ، راجہ نریندر ناتھ جو سیاسی طور پر ایک کٹر فرقہ پرست ہندو اور تہذیب و تمدن میں مسلمانوں سے ملتا جلتا ذوق رکھتے تھے ، مولانا محرم علی چشتی کے گہرے دوست تھے ، اسی نسبت سے چشتی صاحب پر بڑی

---

[1] میاں محمد شفیع (م ش) ، مولوی ابراہیم علی چشتی ، روزنامہ نوائے وقت لاہور ، ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء۔

[2] عبدالسلام خورشید ، ڈاکٹر ، روزنامہ مشرق لاہور ، ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء

[3] ایضاً

شفقت کرتے تھے ، انھوں نے متحدہ پنجاب کے وزیرِ اعظم سر سکندر حیات کو کہا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی اعتبار سے اتحاد کی کوئی صورت نہیں ہے البتہ اگر ایک غیر سیاسی ادارہ قائم کر دیا جائے جس سے دونوں قومیں وابستہ ہوں تو فرقہ وارانہ کشیدگی کم ہو سکتی ہے اور اس ادارے کی تشکیل کے لئے مولانا ابراہیم علی چشتی کا نام پیش کیا چنانچہ چشتی صاحب نے تحریکِ رفاقت کے نام سے ادارہ قائم کر کے کام شروع کر دیا [1] تاہم مسلم لیگ کی ہمدردی اور اعانت کا سلسلہ بدستور جاری رہا ، جناب میاں محمد شفیع رقمطراز ہیں :۔

"انھوں نے ۱۹۴۱ء کے اواخر میں تحریکِ رفاقت کی تشکیل کا فیصلہ کن وجوہات کی بنا پر کیا اور وہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک اپنے احباب کے ذریعہ کس طرح مسلم لیگ کی حمایت کرتے رہے ، یہ علیحدہ داستان ہے" [2]

کتنا اچھا ہوتا اگر میاں صاحب یہ داستان کسی وقت سپردِ قلم فرما دیتے !

۱۹۴۶ء میں جب حکومت نے محسوس کیا کہ یہ تحریک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں رہی تو اسے ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ، چشتی صاحب ڈٹ گئے کہ یہ تحریک میں نے شروع کی تھی ، تمہیں اسے ختم کرنے کا کیا حق ہے ؟ جب وہ کسی طرح چارج دینے پر رضامند نہ ہوئے تو حکومتِ پنجاب کے ڈائریکٹر جنرل سٹر ہا در پولیس لے کر تحریک کے دفتر میں پہنچ گئے اور انہیں جبراً الگ کر دیا [3]

قیامِ پاکستان سے قبل ہر جگہ مسلم لیگ کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا تھا البتہ صوبہ سرحد میں خان عبدالغفار خان اور اس کے خدائی خدمتگاروں کا گہرا اثر تھا ، اس کے علاوہ مشہور انگریز دشمن فقیر آف ایپی کا قبائلی علاقہ میں بڑا چرچا تھا اور کہا جاتا تھا کہ خفیہ طور پر خان عبدالغفار

---

[1] عبدالسلام خورشید ، ڈاکٹر : روزنامہ مشرق لاہور ، ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء

[2] میاں محمد شفیع (م ش) : روزنامہ نوائے وقت لاہور ، ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء ، ص ۲

[3] عبدالسلام خورشید ، ڈاکٹر ، روزنامہ مشرق لاہور اسپیشل ایڈیشن ، ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء ، ص ۴

حاں کو اس کی حمایت حاصل تھی، مسلم لیگیوں کے لئے یہ بات وجہ تشویش تھی۔ میاں محمد شفیع (م ش) نے اُن دِنوں علاقے میں فقیر آف اِپی کو حریف تلاش کر لیا اور سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بابا بلند کوہی زابلستانی کے انٹرویو تحریک پاکستان کی حمایت میں بڑی گھن گرج کے ساتھ شائع کرنے شروع کر دئے۔ نوائے وقت ان دنوں نیا پرچہ تھا، حمید نظامی نے میاں محمد شفیع سے فرمائش کی کہ بیانات زیادہ تفصیلی حاصل کئے جائیں، چنانچہ میاں صاحب کے نام سے مقالات کا سلسلہ شائع کیا گیا، ان بیانات اور مقالات کے دُور رس نتائج مرتب ہوئے اور تحریک پاکستان کو زبردست تقویت ملی۔ یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے شاید یہ راز پردہ خفا میں ہی رہتا مگر ۱۹۶۸ء میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید انکشاف نہ کرتے :-

"حضرت بابا بلند کوہی اصل میں مولوی ابراہیم علی تھے اور انہی کے تاثرات اور نظریات کو آزاد قبائلی علاقے کے مفروضہ حضرت بابا بلند کوہی سے منسوب کیا گیا تھا اور یہ کہ میاں محمد شفیع آزاد قبائلی علاقے میں نہیں بلکہ اخبار کے دفتر میں بیٹھ جاتے رہے تھے۔ الا جب اس سے بڑا سکوپ دنیا کے کسی اخبار نویس نے نہیں جیتا ہے

ہوا جن کے مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا" [1]

مولانا محمد ابراہیم علی چشتی ۱۹۴۶ء میں تحریک رفاقت سے الگ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جب صوبائی مسلم لیگ کی ہائی کمانڈ کے تمام اراکین گرفتار کر لئے گئے تو چشتی صاحب تحریک سول نافرمانی کی رہنمائی کرتے ہوئے جیل چلے گئے، اسی سال جب بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو چشتی صاحب نے اس میں بھی نمایاں طور پر حصہ لیا اور خصوصی میٹنگوں میں شریک رہے، میاں محمد شفیع (م ش) لکھتے ہیں :-

"انہوں نے پنجاب کی اہم گدیوں تونسہ شریف، سیال شریف اور گولڑہ شریف کے قابل احترام سجادہ نشینوں کے بے پناہ اثر و رسوخ کے

---

[1] عبدالسلام خورشید ڈاکٹر : روزنامہ مشرق لاہور، ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء

دھاروں کا رُخ مسلم لیگ کی طرف موڑنے میں خاموش لیکن مؤثر کردار ادا کیا، قیام پاکستان کے بعد مولوی چشتی صاحب نے پاکستان کی آئیڈیالوجی کے متعلق بے شمار کالم سپرد قلم فرمائے [1]

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں پرجوش حصہ لیا، منیر انکوائری رپورٹ میں آپ کے مقدمہ کی رپورٹ سے آپ کے عزم و استقلال کا پتہ چلتا ہے، مجموعی طور پر دس سال تک قید و بند میں رہے [2]

مولانا محمد ابراہیم علی چشتی نے ملکی اور غیر ملکی اخبارات میں بے شمار کالم لکھنے کے علاوہ اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے بعض دوسروں کے نام سے شائع ہوئیں، چند مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں :-

۱۔ میری جدوجہد : ہٹلر کی خود نوشت سوانح عمری کا اردو ترجمہ
۲۔ ٹریبیر آف جنرل نالج (انگریزی)
۳۔ پاکستان کے لئے جدید اسلامی دستور (انگریزی)
۴۔ مختصر معارف علوم اسلامیہ (")
۵۔ ملفوظات بابا بلند کوہی (اردو)
۶۔ خلافت پاکستان (")
۷۔ انگریزی راج کیوں ختم ہوا ؟ (ترجمہ از انگریزی) [3]

مولانا محمد ابراہیم علی چشتی کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا، مولانا عبدالستار خاں نیازی مرکزی جنرل سیکرٹری جمعیت علمائے پاکستان، مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری، جناب حمید نظامی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اور میاں محمد شفیع (م ش) وغیرہم آپ کے مخلص احباب میں سے تھے،

---

[1] میاں محمد شفیع (م ش) : روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۷ر اگست ۱۹۶۸ء
[2] روزنامہ کوہستان لاہور، ۷ر اگست ۱۹۶۸ء
[3] مکتوب جناب محمد صادق قصوری بنام راقم الحروف۔

چشتی صاحب، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہما کے مسلک پر سختی سے کاربند تھے۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات دامت برکاتہم العالیہ کے فتاویٰ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی وصیت کے مطابق

۱۳ ربیع الثانی، ۱۱ جولائی (۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء) کو مولانا محمد ابراہیم علی چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوا اور شاہی مسجد کے قریب مولانا محمد مرتضیٰ چشتی کی بنوائی ہوئی مسجد حضرت عماد شاہ ولی شہید میں دفن کئے گئے۔ مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ نے قطعۂ تاریخ کہا ہے

جناب براہیم چشتی کمال	ز دنیائے دوں شد سوئے ذوالجلال
ذکی و سخن پرور و خوش بیاں	نبودہ کسے مثل او در زماں
بعربی و انگریزی و فارسی	باردو و عبرانی و جرمنی
مہارت بسے داشت در ہر زباں	بتالیف پرداخت در ہر رسال
بتحریر و تفسیر بودہ وحید	بفقر و غنا مثلِ وے کس ندید
پسر پاک حضرت محترم علی	کہ بودہ باقران مرد جلی
ز اولادِ آں فرد مسعود دیں	شکر گنج قطب زمان و زمیں
بُد از عاشقانِ بزرگانِ چشت	خداوند جایش کند در بہشت
بفردوسِ اعلیٰ شود مستقیم	برضوانِ جناتِ دار النعیم
چو بربست رختِ حیات از جہاں	ربیع دوم سیزدہ بود آں
سنِ رحلتش گویم از لطفِ شاہ	سراجِ ہدایت مروت پناہ

ز سالِ مسیحی چو خواہی نشاں
بداں خسروے منتخب ہم از آں

رہبرِ شریعت و طریقت حضرت خواجہ احمد میروی قدس سرہ العزیز

عارفِ کامل، مرشدِ اکمل حضرت خواجہ احمد بن برخوردار کے جدِ امجد علاقہ دریائے چناب کے رہنے والے تھے، سکھوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر کوہستانی علاقہ میں چلے گئے، وہیں آپ نے بلوچ خاندان کی ایک عفیفہ سے نکاح کیا جن سے آپ کے والد ماجد پیدا ہوئے، انھوں نے بھی اسی قبیلہ میں نکاح کیا جس سے دو فرزند حضرت خواجہ احمد، خواجہ یعقوب اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسوی کے مرید و خلیفہ [illegible] کر جنگل میں چلے جاتے اور یادِ خدا میں مصروف رہتے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحب کی موجودگی میں ان پر وجد طاری ہو گیا، حضرت خواجہ صاحب ابھی بچے ہی تھے، والد گرامی کی اس کیفیت کو دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں، اس کے بعد انھوں نے معمول بنا لیا کہ آنکھ بچا کر تنہا ہی تشریف لے جاتے، آخری دفعہ شاہِ شاہاں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہو کر واپس آ رہے تھے کہ موضع منگروٹھ (تونسہ شریف سے مغربی جانب دو کوس پر واقع ہے) پہنچے تھے کہ ان کا وصال ہو گیا، مسجد بلوچ خاں میں مزار بنا، والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کی کفالت آپ کے ماموں علی خاں نے کی۔

چار یا پانچ سال کی عمر میں گھر سے چار کوس کے فاصلے پر ایک مولوی صاحب کے پاس قرآن شریف پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے، اس دوران آپ نے سخت ریاضت برداشت کی، صبح سبق پڑھ کر استاد گرامی کے مویشی چرانے جاتے، سردیوں کے موسم میں استاد صاحب نے اونٹ کی اون کا ایک کمبل دیا ہوا تھا جسے اوڑھ کر پہاڑ کی غار میں سو رہتے۔ اس حالت میں والد ماجد نے ایک سال تک خبر نہ لی لیکن حضرت خواجہ صاحب تعلیم قرآن کے لئے تکالیف برداشت کرتے رہے اور اس وقت واپس لوٹے جب قرآن پاک ختم کر چکے تھے۔ مزید دینی تعلیم کیلئے منبعِ علوم و معارف تونسہ شریف پہنچے، ایک عرصہ تک وہاں ظاہری علوم اور باطنی فیوض سے مستفیض ہوتے رہے، پھر کچھ عرصہ ملتان میں اکتسابِ علوم کیا لیکن جلد ہی تونسہ شریف

واپس آگئے اور کسبِ کمال کیا۔

بچپن ہی سے توکل اور استغنا آپ کے مزاج میں بدرجۂ اتم موجود تھا چنانچہ جن دنوں آپ تونسہ شریف میں تحصیل علم میں مصروف تھے نوابِ بہاولپور کے وزیر احمد خان نے طلباء کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تو طلباء کی فہرست میں آپ کا نامِ نامی بھی شامل تھا لیکن آپ نے وظیفہ لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا "میں یہاں محبتِ الٰہی کا درس لینے آیا ہوں، احمد خاں کا دستِ نگر نہیں بننا چاہتا، میں اللہ تعالیٰ اور خواجگانِ چشت کی رضا پر راضی ہوں۔"

ذرا اندازہ کیجئے جس کا بچپن میں یہ عالم تھا وہ بعد میں کس مقام تک پہنچا ہوگا؟ اس کے علاوہ عیسیٰ خیل میں مولانا ملوک علی سے بھی استفادہ کیا۔

والد ماجد کی طرح آپ کے ماموں بھی حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ ایک دفعہ جب ماموں صاحب حضرت پیر پٹھان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ صاحب ان کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ تمام حاضرین ادب و احترام سے بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت شاہ محمد سلیمان آرام فرما تھے۔ یہ حضرات عرضِ سلام کے بعد بیٹھ گئے۔ حضرت خواجہ صاحب فرطِ ادب سے نگاہیں جھکائے بیٹھے تھے کہ کسی شخص نے کہا کہ حضرت تمہاری جانب ملاقات کے لئے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور تم یونہی بیٹھے ہو! حضرت خواجہ صاحب کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اٹھے اور دوبارہ دست بوسی کی۔ اتنے میں ایک خراسانی پٹھان نے چار سیب لا کر نذر کئے۔ قبلۂ عالم نے کاٹ کر آدھا حضرت خواجہ احمد میروی کو دیا اور باقی حاضرین میں تقسیم کر دئے۔ یہ پہلی زیارت تھی جس سے حضرت خواجہ تونسوی قدس سرہٗ کی محبت دل میں اس طرح جاگزیں ہوئی کہ پھر اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ بیعت ہونے کے بعد چار دفعہ پھر سراپا اشتیاق بن کر حاضر ہوئے اور دولتِ دیدار سے مشرف ہوئے، پانچویں دفعہ جب حاضری کے لئے تونسہ شریف جا رہے تھے تو راستہ میں حضرت خواجہ تونسوی کے وصال کی خبر ملی۔ اس خبرِ وحشت اثر نے دل و دماغ پر اس قدر اثر ڈالا کہ آپ بیہوش ہو گئے۔

تکمیلِ علوم کے بعد میرا شریف (تحصیل پنڈی گھیب ضلع کیمبلپور) میں قیام کیا، یہ جگہ ایک پسماندہ ضلع کا دور افتادہ مقام ہے لیکن حضرت خواجہ صاحب نے جب یہاں علم و عرفان کی شمع روشن کی تو خلقِ خدا پروانہ وار حاضر ہونے لگی۔ آپ نے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں دیگر

مدرسین کے علاوہ آپ خود بھی درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے کئی ایک علماء کو تبلیغ کے لئے مقرر کیا تھا جو مختلف مقامات پر مسلکِ اہلِ سنت کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ آپ بزرگانِ دین کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہوتے اور کسبِ فیض کرتے۔

ایک دفعہ آپ حضرت مولانا محمد علی قدس سرہ (خلیفہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ) کے عرس پر مکھڈ شریف گئے، وہاں حضرت فاضل شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ساکن گڑھی شریف (خلیفہ حضرت پیر پٹھان قدس سرہ) نے خلوت میں آپ سے فرمایا "وقت اخیر ہے، مناسب ہے تم بیعت کیا کرو، نہ صرف میری طرف سے بلکہ تمام مشائخ عظام کی طرف سے اجازت ہے۔" آپ نے بیعت کرنا شروع کر دیا لیکن تونسہ شریف میں بپاسِ ادب کسی کو بیعت نہ کرتے حتیٰ کہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ نے آپ کو تاکیدی حکم دیا کہ ضرور بیعت کیا کرو۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے آپ کے گہرے مراسم تھے، باہم خط و کتابت اور آمد و رفت بھی تھی۔ آپ انہیں محبت سے لالو (لالہ جی) کہہ کر پکارتے تھے۔[۱]

حضرت خواجہ احمد میروی کی شخصیت مرجعِ انام تھی۔ ان گنت افراد شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے اور کثیر التعداد حضرات صاحبِ کمال بنے اور خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے۔ چند خلفاء کے نام یہ ہیں :-

۱۔ حضرت حاجی فضل کریم مہتمم مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم چکوال۔

۲۔ مولانا نور محمد	چکڑالہ	۶۔ شاہ محمد حسین	(جھنگ)
۳۔ حضرت العلامہ مولانا محمد اکبر علی	(میانوالی)	۷۔ مولانا محبوب الرحمٰن	(ملتان)
۴۔ الحاج میاں مہر	(پشاور)	۸۔ مولانا غلام جیلانی	(میانوالی)
۵۔ جناب احمد دین	(بمبئی)	۹۔ سید محمود شاہ	(کراچی)

نیز فاضلِ اجل مولانا میاں عبدالحق غور غشتوی و دیگر علماء بھی آپ کے مریدین میں سے ہیں۔

---

[۱] فیض محمد ملانا : مہر منیر ، صفحہ ۴۴۴

حضرت خواجہ احمد میروی قدس سرہ عبادت و ریاضت میں یگانۂ روزگار تھے ہمیشہ نماز با جماعت ادا کرتے حتیٰ کہ شدید علالت کے ایام میں مریدین چارپائی مسجد میں لے جاتے اور آپ نماز با جماعت ادا کرتے۔

آپ نے کئی مساجد تعمیر کرائیں۔ حلم کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک چور نے آپ کا جوتا اٹھا لیا، مریدین نے اسے پکڑ لیا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا! اچھا تو تمہیں نئی سخت ضرورت تھی کہ اتنی سردی میں پاپوش اٹھا کر چل دیے تم نے جب تمہیں دیکھا تھا تو پاپوش کس لئے گرا دیے ہیں کیوں نہ پھینک دیے، اب تم یقیناً چور بن چکے ہو، میں تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ یاد رکھو گے۔ خادم کو فرمایا کہ اسے جوتے کیلئے حافظ بدر الدین سے ایک روپیہ لا دو ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا — اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاء

۱۵ محرم الحرام، ۲۷ دسمبر (۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) بروز بدھ آپ کا وصال ہوا۔ مزار شریف میرا شریف میں مرجعِ انام ہے۔ آپ کے بعد آپ کے مرید اور خلیفۂ خاص حضرت مولانا نور احمد خان قدس سرہ سجادہ نشین ہوئے اور ان کے بعد ان کے بھتیجے حضرت فقیر عبد الخیر رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ سجادہ ہوئے۔[1] حضرت خواجہ احمد میروی قدس سرہ کا قطعۂ تاریخِ وصال درج ذیل ہے ؎

دریغا! شیخِ عالم، چشمۂ جود — شہِ ملکِ سلیماں، فیض آمود
فریدِ دہر، فخرِ اہلِ عرفاں — وجودِ او مجسم نورِ معبود
دریغا! قطبِ او از فرقِ عالم — ز چشمانِ عیاں ہی گشت مفقود
بہ پنجم از محرم، چار شنبہ — بہ ملکِ جاوداں گردید موجود
ندا از حق آمد چو در گوشش — ز دارِ بے بقا رحلت بہ فرمود
بگفتا ہاتفم از بہرِ تاریخ
بگو عبدی "ازیں خاصِ خدا بود"[2]
۱۳ ۵ ۳۰

---

[1] حضرت فقیر عبد الخیر رحمہ اللہ تعالیٰ ۲ صفر، ۱۴ فروری (۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) بروز جمعہ وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

[2] کرامتین شاہ، مسجد بیجبھر، ذکرِ علی (دوسرا ایڈیشن) تمام حالات اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

خطیبِ اہلِ سنت مولانا قاری احمد حسین فیروزپوری قدس سرہ العزیز

خطیبِ اہلِ سنت، عالمِ باعمل، پیکرِ خلوص و ایثار، مجسمۂ علم و رحمت حضرت مولانا قاری احمد حسین فیروزپوری ثم گجراتی ابن جناب عبد الصمد موضع گوچی تحصیل جھجھر ضلع رہتک میں ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والدین کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا، مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد درسِ نظامی کی ابتدائی کتب مختلف اساتذہ سے پڑھیں، پھر تحصیلِ علم کی غرض سے دہلی چلے گئے اور مشہور نعت گو شاعر مولانا صابر حسین صابر سے نحو، منطق اور فقہ کی کتب میں استفادہ کیا، دہلی ہی میں مولانا قاری شبیر حسین سے تجوید و قرأت کا درس لیا اور مشق کی۔

اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے قاری صاحب کو پُرسوز آواز اور لحنِ داؤدی عطا کیا تھا اس لئے وعظ و تقریر کی طرف میلان ہوا اور میدانِ خطابت میں وہ جوہر دکھلائے کہ باید و شاید۔ آپ نسباً صدیقی اور مشرباً نقشبندی تھے اور حضرت خواجہ عبد الخالق جہانگیاں کوٹ عبد الخالق (ضلع ہوشیار پور) سے نسبتِ ارادت کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ "خالقی" لکھا کرتے تھے۔

ابتدا میں آپ مسجد قصاباں فیروزپور میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ کے پُراثر وعظ کا شہرہ دور دراز تک پہنچا، بمبئی، امرتسر اور جالندھر وغیرہ مقامات پر آپ کی بکثرت تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ فیروزپور میں آپ کی شہرت و مقبولیت اس حد کو پہنچی کہ گجرات (پاکستان) تشریف لانے کے بعد بھی آپ کو فیروزپوری کہا جاتا تھا۔ اسی دوران آپ نے مولانا محمد سعید شبلی عربی ٹیچر کالج فیروزپور (سابق خطیب دربار حضرت فرید الملۃ والدین گنج شکر قدس سرہ) سے مزید علمی استفادہ کیا۔

غالباً ۱۹۵۴ء میں جب آپ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے تو دورانِ سفر جہاز میں آپ کی تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی جہاز میں میاں فضل دین بگانوی مرحوم بھی شریکِ سفر تھے، وہ قاری صاحب کے وعظ سے بے حد متاثر ہوئے اور گجرات تشریف لانے کی دعوت

دی چنانچہ قاری صاحب نے مسجد میاں جلال دین مرحوم میں درس دیا اور رات کو اونچی مسجد منڈی میں تقریر کی۔ آپ کے بیان کا اہلِ گجرات پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ لوگ دل و جان سے آپ پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اصرار کیا کہ آپ ہمارے پاس ہی تشریف لے آئیں اور ہمارے دلوں کو آقائے مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے نور سے منور فرمائیں۔ ان حضرات کی طلبِ صادق رنگ لائی اور قاری صاحب گجرات تشریف لے آئے اور مرکزی جامع مسجد عیدگاہ میں خطبہ دینا شروع کیا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس زمانے میں نمازِ عید تمام لوگ بلا امتیاز قاری صاحب کی اقتدا میں ادا کیا کرتے تھے۔

ویسے تو بہت سے پاکستانی کارکنوں سے قاری صاحب کے گہرے مراسم تھے لیکن خصوصیت سے یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں:-

۱۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی	۸۔ حاجی سلطان علی
۲۔ پیرِ طریقت حضرت پیر ولایت شاہ	۹۔ مولانا مبارک محی الدین
۳۔ حضرت پیر حبیب احمد شاہ	۱۰۔ مولانا حافظ سید علی
۴۔ مولانا فیروز دین	۱۱۔ مولانا حکیم مختار احمد اشرفی
۵۔ حاجی لالہ برکت علی	۱۲۔ مولانا محمد عارف
۶۔ لالہ فضل دین	۱۳۔ مولانا سید محمود شاہ
۷۔ الحاج مرزا اللہ دتا بٹ	

فی الحقیقت اس وقت گجرات شہر منبعِ برکات بنا رہا۔

حضرت قاری صاحب نے تحریکِ پاکستان اور جہادِ کشمیر میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور اہلِ اسلام کو اپنے مسحور کن بیانات سے تائیدِ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ کیا۔ تحریکِ ختمِ نبوت میں بھی پُر جوش حصہ لیا۔ آپ کی تقریر کا خاص وصف یہ تھا کہ اکثر بکھرا ہوا مجمع پھر سے جم جاتا تھا۔ لطف یہ تھا کہ قاری صاحب کے ہوتے ہوئے تلاوت، نعت، تقریر اور سلام و دعا کے لئے کسی دوسرے شخص کی ضرورت نہیں رہتی تھی، گویا وہ خود ایک انجمن اور جامع اجلاس تھے۔ خلوص کا یہ عالم تھا کہ جہاں تشریف لے جاتے وہاں اجلاس کی تمام نشستوں میں قیام فرماتے

مبادا کسی نشست کا مقرر نہ آئے اور منتظمینِ جلسہ کو پریشانی ہو۔ آپ وعدے کو ہر صورت نبھاتے سردی ہو یا گرمی، طوفانِ باد و باراں ہو یا شدید بخار، کوئی چیز آپ کو ایفائے وعدہ سے روک نہ سکتی تھی۔ تقریر کے بعد فوراً اپنا سفر شروع کر دیتے اور جلسہ کے منتظمین سے اجازت لینا بھی پسند نہ کرتے۔ مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ محرم، صفر، ربیع الاول مسلسل تین ماہ ہر رات کراچی میں آپ کی تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ سامعین کی تعداد عموماً چالیس پچاس ہزار سے زائد ہوا کرتی تھی۔ حیدرآباد، ٹھٹھہ اور نواب شاہ وغیرہ مقامات کے لوگ محض آپ کی تقریر سننے کے لئے کراچی کا رختِ سفر باندھا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب کو غضب کی آواز اور بلا کا سوز عطا کیا تھا۔ جب آپ مولانا روم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور علامہ اقبال کا کلام پڑھتے تو مجلس پر ایک کیف طاری ہو جاتا اور جب اس کی تشریح بیان کرتے تو اچھے اچھے اہلِ علم دنگ رہ جاتے، خاص طور پر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا کلام جس حسن و خوبی سے پڑھتے تھے اس کی نظیر کہیں دیکھنے سننے میں نہیں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے روح پرور نعتیہ کلام کو پنجاب اور سندھ میں سب سے پہلے آپ ہی نے متعارف کرایا تھا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور یاد میں شب و روز محو رہتے۔ آپ کی تقریروں میں یہ عنصر ہمیشہ نمایاں رہتا اور سننے والے کیف و سرور اور لذتِ محبت میں گم ہو جاتے۔ آپ کو بارہا خواب میں اور بعض اوقات عالمِ بیداری میں جمالِ جہاں آرا کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ نو عمری کا زمانہ تھا، کیا دیکھتے ہیں کہ خواب میں سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں اور ایسی پیاری نعت عرض کر رہے ہیں جو پہلے انہیں یاد نہ تھی؛ بیدار ہونے پر تجسس پیدا ہوا کہ یہ نعت کس کی لکھی ہوئی ہے۔ اتفاقاً حدائقِ بخشش (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا نعتیہ دیوان) دیکھ رہے تھے کہ اس میں وہی نعت مل گئی جو آپ نے خواب میں دربارِ رسالت میں پیش کی تھی۔ اب تو قاری صاحب کو فاضلِ بریلوی قدس سرہ سے بے انتہا محبت ہو گئی، اسی عقیدت کی بنا پر ایک دفعہ بریلی شریف

حاضر ہوئے، فاضل بریلوی قدس سرہ کے مزار پُرانوار پر حاضری دی اور چند دن وہاں قیام کیا۔

قاری صاحب نہایت رقیق القلب اور رحم دل واقع ہوئے تھے، انسان تو انسان حیوان بھی آپ کی شفقت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ باقاعدگی سے تہجد ادا کرنا آپ کا معمول تھا، وعظ و تبلیغ کے علاوہ تدریس اور خاص طور پر قراءت پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا اور بے شمار لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے۔ مولانا قاری محمد علی (لاہور) اور مولانا قاری محمد دین راجوروی (گجرات) آپ کے منظورِ نظر تلامذہ ہیں (انہیں حضرات سے حضرت قاری صاحب کے یہ حالات دستیاب ہوئے ہیں)

۲۰ ذی قعدہ، ۳۰ اپریل (۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء) بروز جمعہ ساڑھے بارہ بجے دن قاری صاحب کا وصال ہوا، آخری کلمہ اُدْرِکْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ زبان پر جاری ہوا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کا جنازہ جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ لاؤڈ سپیکر پر قاری صاحب کی تلاوت کا ریکارڈ لگایا گیا تھا جسے سن کر حاضرین کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ افراد نے باچشمِ پُرنم جنازہ میں شرکت کی، جنازگاہ خواجگان علی پور روڈ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔[1]

آپ نے ایک صاحبزادی خورشیدہ بیگم اور ایک صاحبزادہ محمد حسین یادگار چھوڑے۔

مولانا الحاج حکیم محمد مظفر علی خاں مظفر چشتی نظامی ساکن چک عمر نے درج ذیل تاریخ وفات کہی ؎

آں حبیبِ محترم احمد حسین	شد روانہ جانبِ خلدِ بریں
زینتِ گجرات، فخرِ عیدگاہ	نام او مشہور تا دیوارِ چیں
بود باشش ذکرِ خالق دائمی	حق پرست و نعت گوئے شاہِ دیں
خوبصورت نیک سیرت بے ریا	عابد و زاہد امام الصالحین

[1] محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا قاری محمد حسین فیروز پوری (ماہنامہ رضائے حرم، دسمبر ۱۹۷۲ء) ص ۴۴ تا ۵۵

گفت تاریخش غلام قادرا	مہرِ تاباں رفت از چشمِ بریں
	۱۳ ۵ ۷۹

گفت ہاتف بلبلِ باغِ رسول
بارِ دیگر با مظفر دل حزیں

ایضاً منہ

ز دنیا رفت قاری پاک باطن	خدا رحمت کند بر جان و مالش
مظفر گفت در تاریخ ہجری	بفردوسِ بریں شاد است سالش
	۱۳ ۵ ۷۹

استاذ العلماء مولانا احمد الدین چکوالی قدس سرہٗ

استاذ الاساتذہ مولانا احمد الدین بن مولانا غلام حسین بن قاضی محمد احسن ۲۰ رمضان المبارک ۵ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے تاریخی نام چراغ دین (۱۲۶۹ھ) تجویز ہوا۔ آپ کا آبائی وطن موضع بوڑہ تحصیل پنڈدادن خان ضلع جہلم ہے لیکن وہاں سے منتقل ہو کر چکوال شہر میں مقیم ہوگئے تھے۔ ۲۲ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو آپ کی باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔ والد ماجد سے تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی۔ ۱۸۷۲ء میں انگریزی حکومت نے علماء کا امتحان لیا جس میں اول آنے پر آپ کو ۵۰ روپے نقد اور ۵ روپے ماہانہ کا وظیفہ مقرر ہوا تاکہ اورینٹل کالج لاہور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں لیکن آپ کالج پہنچ کر واپس آگئے کیونکہ وہاں کا معیار تعلیم بہت پست تھا۔ ۱۲۹۰ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھا، وہاں مشہور فاتح عیسائیت فاضل جلیل مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ (جو کہ آپ کے والد ماجد کے بھی استاد تھے) کے پاس ایک سال رہ کر حدیث، قراءت، ہیئت، ربع مجیب، ربع مقنطرہ وغیرہ علوم وہاں کے جید اساتذہ سے حاصل کرکے تعلیم و تدریس کی عالی سندیں حاصل کیں۔ واپسی پر کراچی کے محلہ کھڈہ میں مولانا عبداللہ کے پاس کچھ عرصہ قیام کیا اور وہاں ایک دینی مدرسہ مظہر العلوم قائم کیا جو آج بھی جاری ہے۔ قیام کراچی کے دوران کئی علماء و طلباء آپ سے مستفید ہوئے۔ آپ نے علم طب بھی پڑھا اور اس میں کمال حاصل کیا۔ کئی لاعلاج مریض آپ کے علاج سے شفایاب ہوئے۔

۱۳۰۰ھ میں والد ماجد کے ہمراہ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ ۱۳۱۰ھ میں بلاد مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کیا اور بغداد شریف میں حضرت نقیب سلمان رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے جب جامع مسجد چکوال میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کی شہرت دور دراز تک پہنچی، خاص طور پر مثنوی شریف، ربع مجیب، ربع مقنطرہ وغیرہ علوم پڑھنے کے لئے دور دراز سے علماء حاضر ہوتے اور شرف تلمذ حاصل کرتے۔ قدوۃ المحققین

حضرت مولانا غلام محمود پپلانوی (محشی تکملہ و مصنف نجم الرحمٰن) آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ آپ پہلے حافظ قرآن نہ تھے بعد میں شوق پیدا ہوا تو قرآن کریم حفظ کرکے تراویح میں سنایا کرتے تھے۔ تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ عربی، فارسی اور اردو میں مشق سخن فرماتے تھے۔

آپ نے اپنے استاذ گرامی مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کی وفات پر قطعہ تاریخ کہا جس کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

آہ! زیں چرخِ مصائب اقتراں — مجمعِ اندوہ و رنجِ بیکراں
گشت صبر از خاطرِ غم دیدہ گم — ہست قولِ مثنوی شاہد بیاں
بشنو از نے چوں حکایت میکند — کایں نے خامہ است دل را ترجماں
در جدائیہا شکایت میکند — با زبانِ تیز و چشمِ خوں فشاں
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق — گر کنم رنجِ نہانی را عیاں
تا بگویم ذکرِ دردِ اشتیاق — ز انتقالِ قبلۂ اہلِ دلاں
حضرتِ مخدومنا علم الہدیٰ — فیض بخشِ ناکساں و ناقصاں
فخرِ اہلِ الہند فی ملک العرب — بلکہ در اسلامبول از رہِ نشاں
در عراق و ہند و مصر و شام و روم — در فضائل گشتہ ممتازِ زماں
فوتِ عالِم موتِ عالَم گفتہ اند — سیما آنکہ نیاید مثلِ شاں
بود در دنیا چراغِ دین و دل — تا کہ شیخِ ملکِ حرمین گشت آں
دو شنبہ بیست و دوم از ماہِ صوم — رفت سوئے باغِ شہرِ عینی جناں
لاجرم چوں نیست درماں غیرِ صبر — می نمایم بر دعا ختمِ بیاں

گو غریب الوطن تاریخِ وصال
رحمت اللہ لدیٰ خیر الجناں ۲؎
۱۳

۱؎ دار الخلافت قسطنطنیہ۔

۲؎ محمد سلیم: ایک مجاہد معمار، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۷۱-۷۲۔

آپ کے دو صاحبزادے آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے، مولانا حافظ علاء الدین ۲۱ سال کی عمر میں فوت ہو گئے، دوسرے صاحبزادے مولانا حافظ قاضی ضیاء الدین ایم اے، بی ٹی ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکولز صحیح العقیدہ سنی تھے، ملازمت کے دوران ایک حادثہ کا شکار ہو گئے، تاریخی مادہ قاضی صاحب مرحوم شہید اور مولوی ضیاء الدین علامۂ زمان (۱۳۴۴ھ) ہے۔ ان کی وفات پر مولانا احمد الدین نے جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس نے دیکھنے والوں کو محو حیرت بنا دیا۔

مولانا احمد الدین ۸ مئی ۲۸۱ ذیقعدہ (۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء) کو صبح صادق سے کچھ پہلے صرف ایک دن کی علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت فرما ہوئے، ورچکوال میں اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے کتنا افسوس کی بات ہے کہ اس علامۂ جلیل کی قبر کس مپرسی کے عالم میں ہے، آج ان کی قبر کی تعیین کرنے والا شاید ہی کوئی موجود ہو، حضرت مولانا کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا تھا جس کا اکثر حصہ اب بھی محفوظ ہے[1]

---

[1] مکتوب قاضی نور حق نسیم، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول راولپنڈی صدر، بنام راقم الحروف، محررہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۲ء

فاضلِ متبحر حضرت علامہ مولانا سید احمد دین گانگوی قدس سرہٗ (میانوالی)

فاضلِ یگانہ حضرت مولانا سید احمد دین گانگوی رحمہ اللہ تعالیٰ ابن مولانا میاں غلام علی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں موضع گانگی شریف (ضلع میانوالی) میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلۂ نسب اکتیس واسطوں سے غوثِ صمدانی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا خاندان پورے علاقے میں دینی اور علمی اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ آپ نے قرآن پاک اپنے والد گرامی سے پڑھا جو اپنے دور کے جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم قریبی موضع سیلوان میں حاصل کی، صرف و نحو کی کتابیں ضلع مظفر گڑھ میں مولانا غلام رسول سے پڑھیں، پھر ملتان جا کر مولانا عبید الرحمٰن سے فقہ، اصول اور منطق کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں علی پور (ضلع مظفر گڑھ) میں حضرت مولانا الٰہی بخش سے علمی استفادہ کیا اور معقول، فلسفہ، ریاضی اور حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی، اس کے علاوہ فرنگی محل لکھنؤ کے افاضل سے اکتسابِ فیض کیا اور ۱۸۶۵ء میں دہلی سے سندِ تکمیل حاصل کی، آپ کی آمد سے ایک ہفتہ بعد والد گرامی کا وصال ہو گیا۔

والد ماجد کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق آپ نے تدریس، افتاء اور تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور ۱۹۲۸ء تک پورے تریسٹھ برس اس فریضے کو حسن و خوبی انجام دیتے رہے، اس عرصے میں کابل، قندھار اور دیگر دور دراز مقامات کے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد اکبر علی (میانوالی)
۲۔ مولانا نور احمد لائل پوری
۳۔ مولانا محمد زاہد (دریا خان)
۴۔ مولانا فقیر محمد کابلی
۵۔ مولانا دولت خان کابلی
۶۔ مولانا محمد رمضان (وغیرہم)[1]

آپ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے لیکن حضرت ثانی خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کے اور بیعت

---

[1] [illegible]

جلد صاحب کمال بن گئے، حضرت ثالث خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالٰی نے آپ کے فضل و کمال کے پیش نظر آپ کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا مفتی اعظم مقرر فرمایا تھا، اس عہدے کے فرائض کو آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے انجام دیا۔ آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور حق تحقیق ادا کیا، مثلاً عشر و زکوٰۃ کے موضوع پر اسلامی بیت المال، در مسئلہ سماع (قوالی) پر ضیائے شمس الانوار تالیف کیں، جو چھپ ہو گئی ہیں۔ ان کے علاوہ مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، استمداد بحضور سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، نہیں طلاقیں بیک لفظ دینے اور دیگر موضوعات پر آپ کی تصانیف تا ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

حضرت مولانا احمد دین رحمہ اللہ تعالٰی صحیح معنوں میں علمائے سلف کی یادگار تھے، کبھی خوف یا لالچ آپ کو اظہار حق سے باز نہ رکھ سکا۔ ایک سو پچیس سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے خود چل کر مسجد میں تشریف لاتے، عالم جوانی سے آخر عمر تک نماز تہجد، اشراق اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے معمولات اہتمام سے ادا کرتے رہے آپ فی الواقع صاحب کرامت بزرگ اور علمی اعتبار سے مرجع خلائق تھے۔

۴ رجب المرجب، ۲۰ اکتوبر (۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء) بروز جمعہ ایک بجے دن ادا کرتے ہوئے آپ کی روح انور اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ آپ کے وصال سے اہل سنت و جماعت ایک فاضل کامل اور صاحب دل ولی اللہ سے بظاہر محروم ہو گئے۔ آپ کے جنازہ میں اطراف و اکناف کے بکثرت مسلمانوں نے شرکت کی اور باچشم پرنم مدرسہ شمس العلوم جامع مسجد گانگی (میانوالی) میں آپ کو دفن کیا گیا۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا سید غلام فخر الدین مدظلہ العالی تلمیذ رشید صدر الافاضل مولانا علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہیں، مولائے کریم ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین [1]

---

[1] سلطان الٰہ فاروقی، مولانا تذکرہ اولیائے چشت، ص ۲۸۹ تا ۲۹۴

مولانا سید احمد علی شاہ بٹالوی قدس سرہ

(پروفیسر اسلامیہ کالج و خطیب شاہی مسجد لاہور)

مناظر اسلام، محقق اہل سنت مولانا سید حافظ احمد علی شاہ بٹالوی حنفی نقشبندی چشتی نظامی کالرا افغاناں، بٹالہ ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے ممتاز فضلاء و مشائخ سے اکتساب فیض کیا اور تبحر علمی میں معاصرین سے ممتاز ہوئے۔

بٹالہ میں قیام کے دوران مولوی محی الدین (غیر مقلد) کی کتاب "الظفر المبین" کے رد میں مشہور کتاب نصر المقلدین (جس میں منکرین تقلید کے اعتراضات کے مسکت جواب دیئے تھے) تحریر فرمائی۔ اس کتاب کو علمی دنیا میں قبولیت عامہ کی سند حاصل ہوئی۔

۱۸۸۲ء/۱۲۹۹ھ میں آپ لاہور تشریف لائے، ان دنوں پادری پوران چند مدرس مشن سکول لاہور نے مخالف اسلام سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں، سادہ لوح مسلمان اس پادری کے ہاتھوں تنگ آ چکے تھے، مولانا کو پتہ چلا تو میدان میں آ گئے اور مناظرہ میں پادری پوران چند کو شکست فاش دی۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے عیسائی مبلغین کے خلاف تقاریر کا سلسلہ شروع کیا، آپ اکثر لوہاری دروازہ کے باہر تقریر کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ آپ نے "دعوۃ الحق" کے نام سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا جس سے عوام و خواص خوب مستفیض ہوئے۔ لاہور کے علاوہ ملتان، راولپنڈی، گوجرانوالہ، انبالہ، بٹالہ اور امرتسر وغیرہ شہروں میں تبلیغ کے سلسلے میں تشریف لے جاتے اور عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع فرما دیتے۔

۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں عربی، فارسی اور دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے [1] قیام لاہور کے زمانہ میں مولانا حافظ اشتاق احمد انبیٹھوی کی کتاب ضابطہ در تحصیل رابطہ کا تکملہ لکھ کر تصور شیخ کے مسئلہ کو بڑی وضاحت سے پیش کیا۔ اس

علمی بحث کو معاصرین صوفیا، اور علمائے تصوف نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔

قیام لاہور کے دوران آپ کو بادشاہی مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا، خطابت کے فرائض کو بارہ سال تک نہایت خوبی سے نبھایا، یہ وہ دور تھا جب بگوی علماء کے آخری خطیب مولانا محمد شفیع بگوی اپنے وطن مالوف جا چکے تھے۔

حضرت مولانا پیر عبد الغفار شاہ قدس سرہ سے آپ کے بڑے گہرے روابط تھے اکثر اوقات انہی کے پاس گزارتے۔ ایک عرصہ تک نماز مغرب کے بعد مسلم شریف کا درس دیتے رہے جس سے لاہور کے بہت سے علماء مستفید ہوئے حضرت پیر صاحب مرحوم و مغفور ہر ماہ کی گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو ختم شریف کرایا کرتے تھے، اس میں آپ کی تقریر ضرور ہوا کرتی تھی، ہر سال میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقع پر سیرت طیبہ پر خطاب فرمایا کرتے تھے اور پیر صاحب آپ کی عزت افزائی کے طور پر آپ کی دستار بندی فرمایا کرتے تھے، علم و عرفان کی ان مجالس میں آپ کے علاوہ مولانا علامہ جعفر علی روحی اور مولانا نور بخش توکلی، پروفیسر گورنمنٹ کالج ایسے صوفی منش اور صاحب دل حضرات بھی شرکت کیا کرتے تھے، درس حدیث کی شہرت کی بنا پر آپ مدرسہ غوثیہ لاہور کے شیخ الحدیث کہلاتے تھے۔

۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں جمعیۃ الاحناف، مرکز قائم کی گئی تو اس کی مجلس منتظمہ میں مولانا سید احمد علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بحیثیت رکن شامل تھے، آپ نے عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور غیر مقلد علماء کے کھوکھلے دلائل کی تردید میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ معاصر علماء آپ کے کمال علم کے معترف تھے، ذیل میں آپ کی تصنیف نصر المقلدین پر مولانا عبد العلی آسی مدراسی کی منظوم تقریظ کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن سے معاصرین کی نگاہ میں آپ کی فضیلت علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ؎

احمد علی چو سیف قلم را علم نمود داده شکست فاش ظفر یابه نصر دین
گرد عوائے مناظره وار دیاو کسے ناوک ہمیں نشانہ ہمیں، معرکہ ہمیں
[illegible]

علامۂ علوم کتاب و حدیث و فقہ فہامۂ فہوم اصول و فروع دین
دیا بیاں نمود چوں باد سے مناظرہ
عاجز شدہ گر بجنۃ از ہند تا بہ چیں

آپ شاعری میں علی تخلص فرمایا کرتے تھے، افسوس کہ آپ کا کلام نہیں مل سکا، آپ نے تراجم و تصانیف کا کافی ذخیرہ یادگار چھوڑا جسے اہل علم نے وقعت کی نگاہ سے دیکھا اور بڑا استفادہ کیا۔ تراجم و تصانیف کے نام یہ ہیں:-

تراجم :-

۱۔ نفحات الانس از مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
۲۔ تحفۃ القلوب و ہدایۃ الارواح از شیخ عثمان جالندھری
۳۔ مشکوۃ الانوار از امام غزالی قدس سرہ
۴۔ رسالہ حق نما از شہزادہ دارا شکوہ
۵۔ بہجۃ الاسرار و معدن الانوار از شیخ نور الدین ابی الحسن بن یوسف شافعی
۶۔ شفاء شریف، قاضی عیاض قدس سرہ

تصانیف :-

۱۔ سرور الخاطر الفاتر فی ذکر الشیخ سید عبد القادر - ۲۔ نصر المقلدین
۳۔ نور الشمع فی ظہر الجمعہ (حضرت پیر عبد الغفار شاہ خطیب تکیہ سادھواں کے ایما پر لکھی گئی اور انہی کے زیر اہتمام چھپی)

آپ نے ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں وفات پائی

آپ کے صاحبزادے حافظ مختیار علی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں فوت ہوگئے، ان کے علاوہ اولاد کا پتہ نہیں چل سکا، حضرت مولانا سید احمد علی شاہ قدس سرہ کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ نے پڑھائی، مزار مبارک میانی لاہور کے قبرستان میں ہے [1]

---

[1] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ : تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۲۵۸، ۲۶۲۔

حضرت خواجہ احمد نبی قدس سرہ (چورہ شریف)

مرشد طریقت حضرت خواجہ احمد نبی المعروف زلفاں والی سرکار، ابن مرشد اعظم حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی ابن حضرت شیخ المشائخ خواجہ نور محمد تیراہی (قدست اسرارہم) چورہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ حسنی حسینی سید تھے، آپ نے تمام تر روحانی تربیت والد ماجد قدس سرہ سے حاصل کی اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہو کر والد ماجد کے جانشین بنے۔

حضرت خواجہ احمد نبی قدس سرہ کے اقوال، افعال اور لباس سنت مبارکہ کا عکس جمیل تھے، شانوں تک حسین اور دراز زلفیں رکھے ہوئے تھے اس لئے "زلفاں والی سرکار" کے نام سے مشہور تھے۔

تمام زندگی قریہ قریہ تشریف لے جا کر شریعت مقدسہ کی تلقین و تبلیغ فرمائی۔ آپ کے مریدین کا حلقہ کابل، جموں، بلوچستان، سندھ، امرتسر، بمبئی، دہلی اور اجمیر شریف تک پھیلا ہوا تھا۔ صبح و شام مہمانوں کے لئے دستر خوان کھلا رہتا، اگر اتفاقاً کوئی دوست کسی مہمان کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا تو آپ سختی سے منع کرتے اور فرمایا کرتے تھے:

"اللہ تعالےٰ کے حضور میں ملکی، علاقائی اور لسانی کوئی فرق نہیں ہے، وہاں تو اعمال کا فرق ہے، سب مسلمان ایک تسبیح کے دانے ہیں۔"

احباب کو ہمیشہ تلقین فرماتے کہ بچوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی تعلیم بھی دلوائیں، آپ خود صبح اٹھیں تاکہ بچے بھی صبح اٹھنے کے عادی بنیں، بعض عقیدتمندوں کے اصرار پر چورہ شریف سے منتقل ہو کر لاہور میں ایک نیازمند بابا دین

کے کنوئیں پر تشریف لے آئے، وہاں ایک حجرہ میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے، بعد میں یہ جگہ وسن پورہ کے نام سے مشہور ہوئی اور اس چوک کا نام پیراں والا چوک مشہور ہو گیا۔

اٹھارہ سال تک آپ یہیں رہے اور اسی جگہ آپ کا وصال ہوا، نماز جنازہ حضرت استاذ المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ بانی دار العلوم حزب الاحناف لاہور نے پڑھائی۔ حضرت خواجہ احمد نبی قدس سرہ کا مزار شریف چورہ شریف میں ہے جہاں آپ کا سالانہ عرس بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔[۱]

---

[۱] فیچر سروس: روزنامہ مشرق، لاہور، ۱۴ اپریل ۱۹۷۴ء۔

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہٗ

شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی احمد یار خان ابن مولانا محمد یار خان بدایونی (قدس سرہما) شوال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں محلہ قلعہ کھیڑہ اوجھیانی (ضلع بدایوں) کے دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد فارسی و دینیات پر عبور رکھتے تھے، انہوں نے جامع مسجد میں ایک مکتب جاری کیا تھا جس میں طلباء کو تعلیم دیتے تھے غالباً حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔[1]

مولانا مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، پھر مدرسہ شمس العلوم، بدایوں میں داخل ہو کر تین سال تک (۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء) مولانا قدیر بخش بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔[2] اسی زمانے میں بریلی شریف جا کر حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ابتدائی کتب محنت و جانفشانی سے پڑھیں، امتحان میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے، مولانا حافظ بخش بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ (ممتحن) نے خاص طور پر ان کی تعریف کی اور انہیں انعام کا مستحق قرار دیا، ماہنامہ شمس العلوم، بدایوں میں یہ کیفیت شائع ہوئی۔[3]

مدرسہ شمس العلوم، بدایوں کے بعد مدرسہ اسلامیہ، مینڈھو (ضلع علی گڑھ) میں داخل ہوئے اور کچھ عرصہ پڑھا، چونکہ اس مدرسہ کا تعلق دار العلوم دیوبند سے تھا اس لئے وہاں سے تعلیم ترک کر کے مراد آباد چلے گئے، اس واقعہ کا ذکر مفتی صاحب نے اپنے مجموعۂ

---

[1] عبد النبی کوکب، قاضی: سیرت سالک طبع اول دسمبر ۱۹۷۱ء، ص ۱۲ - غلام مہر علی مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۳۹

[2] محمد ایوب قادری، پروفیسر: قلمی یادداشت۔

[3] عبد النبی کوکب، قاضی: سیرت سالک، ص ۲۳ تا ۲۷۔

[4] محمد ایوب قادری، پروفیسر: قلمی یادداشت

کلام دیوان سالک کے ایک حاشیہ میں بھی کیا ہے۔[1]

جامعہ نعیمیہ، مراد آباد میں داخل ہوئے، حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کی مردم شناس نگاہوں نے جوہر قابل کو پہچان لیا اور خود پڑھانا شروع کیا، پھر بے پناہ مصروفیات کی بنا پر حضرت مولانا علامہ مشتاق احمد کانپوری ابن استاذِ زمن مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہ کو مراد آباد بلا کر مفتی صاحب کی تعلیم ان کے سپرد کر دی۔ ایک سال بعد مولانا احمد حسن کانپوری میرٹھ تشریف لے گئے، مفتی صاحب بھی استاذِ گرامی کے ساتھ رہے اور ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کر لی، اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔[2]

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے تکمیل کے بعد عملی زندگی کا آغاز جامعہ نعیمیہ، مراد آباد سے کیا جہاں تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی کا کام بھی کرتے رہے۔ بعد ازاں مدرسہ مسکینیہ دھوراجی، کاٹھیاواڑ میں نو سال تک تدریس و خطابات کے فرائض انجام دیتے رہے، اس کے بعد ایک سال جامعہ نعیمیہ، مراد آباد اور تقریباً تین سال کچھوچھہ شریف رہے، پھر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابو البرکات دامت برکاتہم العالیہ کے بلانے پر پاکستان تشریف لائے اور بارہ تیرہ برس دار العلوم خدام الصوفیہ، گجرات اور دس برس انجمن خدام الرسول میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے، وصال سے چھ برس قبل جامعہ غوثیہ نعیمیہ میں تصنیف کا آغاز اور تدریس کا کام جاری رکھا۔[3]

۱۹۴۶ء میں جب مرکزی انتخابات ہوئے تو ہر طرف مسلم لیگ اور پاکستان کا نعرہ تھا، علاقہ روہیل کھنڈ خاص طور پر بریلی اور بدایوں میں ہر طرف مسلم لیگ کا شہرہ تھا، بدایوں کے علماء و عمائد مولانا عبد الحامد بدایونی، خواجہ غلام نظام الدین، ملا عبد الصمد مقتدری وغیرہ نے بڑا کام کیا،

---

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر: قلمی یادداشت۔

[2] عبد النبی کوکب، قاضی: سیرت سالک، ص ۲۸ تا ۳۲۔

[3] ایضاً، ص ۳۸ تا ۴۲۔

قصبہ دوجھیانی میں چودھری حاجی شمس الدین، مولوی ابو محسن، منشی شمس الدین، سید رشید اعلیٰ،
شیخ شوکت حسین، ریاض الدین اور شیخ عبدالرحیم وغیرہ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ قصبہ
دوجھیانی میں مسلمانوں کے غالباً سترہ ووٹ تھے جن میں سے پندرہ ووٹ مسلم لیگ کو ملے،
ڈاکٹر محمد اسحٰق نے ووٹ نہیں ڈالا، آخری ووٹ حضرت مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کا
تھا، پولنگ کا آخری وقت ۵ بجے تھا، مفتی صاحب ساڑھے چار بجے گاڑی سے دوجھیانی پہنچے
اور اسٹیشن سے سیدھے پولنگ سٹیشن (میونسپل بورڈ آفس) جا کر مسلم لیگ کو ووٹ دیا،
مسلمان اس بنا پر بہت خوش ہوئے کہ مفتی صاحب محض ووٹ ڈالنے کے لئے گجرات (پنجاب)
سے سفر کر کے دوجھیانی پہنچے تھے چنانچہ بصورت جلوس آپ کو گھر لایا گیا [1]

حضرت مفتی صاحب اگرچہ درس و تدریس اور تبلیغ کے میدان کے آدمی تھے تاہم مختلف
مواقع پر ملی اور سیاسی تحریکوں میں خدمات انجام دیتے رہے، تحریک پاکستان کے سلسلے میں
صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے قرارداد پاکستان کی تائید کے لئے جو
کوششیں کیں، مفتی صاحب ان میں شریک رہے۔ ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں نظریۂ پاکستان
کی تائید کے لئے بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو مفتی صاحب پنجاب کے
علماء و مشائخ کے عظیم وفد میں شامل تھے [2]

غالباً آل انڈیا سنی کانفرنس کے انعقاد کے بعد بعض بااثر حضرات نے سنی کانفرنس
کے فیصلوں کی مخالفت کی اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کا تذکرہ بھی کیا، مسلم لیگ کے بہی خواہ
اس بنا پر متفکر تھے کہ صوبائی الیکشن قریب ہے، اگر صورت حال یہی رہی تو نہ معلوم نتیجہ کیا ہو؟
تجویز کیا جا رہا تھا کہ بدایوں کے علماء کو بلا کر جلسہ کرنا چاہئے، اتنے میں مفتی صاحب دوجھیانی پہنچ
گئے، ان کی دو تین تقریروں نے فضا کو سازگار بنا دیا اور صوبائی الیکشن میں مسلم لیگ کامیاب ہو گئی [3]

---

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر : قلمی یادداشت۔
[2] عبدالنبی کوکب، قاضی : سیرت سالک، ص ۱۳۔
[3] محمد ایوب قادری، پروفیسر : قلمی یادداشت۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نہایت خوش اخلاق اور خندہ رو شخصیت تھے، سلام
کہنے میں پہل کرتے، معمولات اور وقت کے اتنے پابند تھے کہ جب آپ جمعہ کے روز منبر پر
بیٹھتے تو لوگ اپنی گھڑیوں کا ٹائم ٹھیک کر لیتے تھے، پانچ دفعہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے، ہر
وقت درود شریف پڑھتے رہتے تھے، حضرت مفتی صاحب نے تقریباً ۴۶ سال کا عرصہ خدمت
دین میں صرف کیا، سینکڑوں علماء کو فیض یاب فرمانے کے ساتھ ساتھ تصانیف کا معتدبہ ذخیرہ
یادگار چھوڑا جس سے مسلک اہل سنت و جماعت کو نہایت تقویت ملی۔

تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:-

۱۔ تفسیر نعیمی : گیارہویں پارے کے ربع آخر تک لکھی گئی۔
۲۔ نعیم الباری فی انشراح البخاری : بخاری شریف کا عربی حاشیہ
۳۔ مرآۃ شرح مشکوٰۃ اردو : آٹھ جلدوں میں۔
۴۔ نور العرفان فی حاشیۃ القرآن : اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے ترجمہ پر تفسیری حواشی۔
۵۔ جاء الحق : دو جلد
۶۔ علم المیراث
۷۔ شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن۔
۸۔ اسلامی زندگی
۹۔ سلطنت مصطفیٰ
۱۰۔ دیوان سالک
۱۱۔ علم القرآن
۱۲۔ رسالۂ نور
۱۳۔ رحمت خدا بوسیلۂ اولیاء
۱۴۔ مواعظ نعیمیہ
۱۵۔ نئی تقریریں

وغیرہ وغیرہ

نعیم الباری اور تفسیر نعیمی کے دو تین پاروں کے علاوہ باقی تمام کتابیں چھپ چکی ہیں۔

حضرت مفتی احمد یار خاں قدس سرہ کے دو صاحبزادے یادگار ہیں:-

۱۔ مشہور خطیب مولانا مفتی مختار احمد
۲۔ مولانا مفتی اقتدار احمد

خدا کرے کہ دونوں حضرات مفتی صاحب کی امانت عظیمہ کو ملت اسلامیہ تک پہنچانے

تو میں زیادہ سے زیادہ کامیاب ہوں۔

جن دنوں حضرت مفتی صاحب میو ہسپتال میں تھے، راقم الحروف اور مولانا غلام رسول سعیدی مدظلہ مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے، حضرت مفتی صاحب نے دوران گفتگو فرمایا

"میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مدرس تھا، میں اور مولانا مفتی امین الدین بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے شوق سے قوالی سنا کرتے تھے، ایک دن قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

کچھ پاس نہیں ہے جز کیا نذر کروں میں تیرے
اک ٹوٹا ہوا دل ہے اور گوشۂ تنہائی

یہ شعر سننا تھا کہ مفتی امین الدین صاحب نے جو کچھ پاس تھا، قوال کو پیش کر دیا، حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ نے بلا کر باز پرس کی اور فرمایا: یا تدریس ہوگی یا قوالی، حضرت کے اس ارشاد پر میں نے عرض کی: میں تدریس چھوڑ سکتا ہوں قوالی نہیں چھوڑ سکتا، یہ سنتے ہی حضرت صدر الافاضل جلال میں آگئے اور فرمایا:-

"احمد یار خان! میں تمہیں حکماً کہتا ہوں کہ قوالی سننا چھوڑ دو۔"

چنانچہ اس کے بعد آج تک میں نے کبھی قوالی نہیں سنی۔

اللہ اللہ! احترام استاذ کی ایسی مثالیں آج کہاں ملیں گی۔

حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ کا وصال ۳ رمضان المبارک ۲۴ اکتوبر (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کو ہوا، نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی، مفتی صاحب کی آخری آرام گاہ گجرات (پنجاب) میں ہے، جنازہ میں شرکت کے لئے راقم الحروف گجرات گیا، حضرت مفتی صاحب کی زیارت کی، چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا، اس وقت یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ ان پر موت کی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔

سید ابو الکمال برق نوشاہی نے قطعۂ تاریخ کہا ؎

فدائے ملتِ مختار عالم — حکیم امت سر کردۂ عالم
وحید العصر در تحریر و تقریر — خطیب اہل سنت شیخ تفسیر

حیاتش بود در عالم کرامت — وفاتش از علامات قیامت
چوں یکتا بود او اندر شرافت،
وفاتش برق گو "شیخ شرافت"

مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے سن عیسوی کا استخراج کیا ؎

ذہب شرع، احمد یار خان — ذاکر اسم خدا شام و پگاہ
در حدیث و فقہ کس مثلش نبود — صوفیانِ اہل حق را بود شاہ
از شرافت سال ترحیلش شنو!
مخزنِ انوار، شد مستور آہ [1]
۱۹ ۷ ۱

---

[1] عبد النبی کوکب قاضی: سیرت سالک، ص ۱۹۹-۲۰۰

سحبانِ عصر مولانا علامہ اصغر علی روحی رحمہ اللہ تعالےٰ

حضرت مولانا اصغر علی روحی ابن مولانا قاضی شمس الدین ابن میاں پیر بخش بن رکن الدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں دریائے چناب کے کنارے واقع قصبہ کٹالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا، ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آئے اور اپنے دور کے ممتاز فضلاء مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مفتی عبداللہ ٹونکی، مولوی عبدالحکیم کلانوری اور مولوی قاضی ظفر الدین سے استفادہ کر کے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے اور ایم او ایل کی ڈگری حاصل کی۔

علامہ اصغر علی روحی اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر رہے۔ دسمبر ۱۸۹۲ء سے ۱۹۴۱ء تک اسلامیہ کالج لاہور کے شعبہ عربی کے پروفیسر رہے، اس کے بعد اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے لیکن انجمن حمایت اسلام (جس کے زیر انتظام اسلامیہ کالج جاری تھا) نے ازراہِ قدردانی چار صد روپیہ مشاہرہ تاحیات مقرر کر دیا۔ حضرت علامہ روحی تمام زندگی شریعت مبارکہ کے پابند اور ظاہری تکلفات سے بے نیاز رہے۔ انہیں عربی اور فارسی زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا اور دونوں زبانوں میں بلا تکلف شعر کہتے تھے[1]

نعتِ پاک کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

روحی لبِ تشنہ را دریاب اے ابرِ کرم ... اے کہ از فیضِ بہت تسنیم و کوثر ساختند
سوز او از سوختن دیگر نہ بیند چارہ ای ... زانکہ داغِ عشقت آتش دل سمندر ساختند
نعتِ احمد وصفِ قرآں ہر دو در معنیٰ یکے ست
از پئے اجمال یک، تفصیل دیگر ساختند [2]

---

[1] سید عارف نوشاہی ڈاکٹر، فارسی گویان پاکستان ج ۱ (مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۹۷۴ء) ص ۲۶۱-۲۶۲۔
[2] ایضاً، ص ۲۶۳

بڑے بڑے اہلِ علم کے آپ سے نیازمندانہ تعلقات تھے، مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"عربی اور فارسی ادب میں یکتائے روزگار تھے، ایسی قابلیت کے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوا کرتے ہیں، فضلائے عہد آپ کی فضیلتِ علمی کے مداح و معترف تھے، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال بھی بسا اوقات آپ سے استفادہ کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ جب مرزا قادیانی نے غلط سلط عربی میں نام نہاد قصیدہ اعجازیہ لکھ کر ڈینگیں مارنا شروع کیں تو علامہ روحی نے فی الفور اس کا جواب لکھ کر عید اخبار، لاہور میں شائع کرا دیا تھا"[1]

اردو دائرہ معارف انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ فیروز سنز میں ہے:-

"بڑے فاضل اور قابل تھے، کبھی بازار لاہور میں درس کلام مجید دیا کرتے تھے[2] ۱۹۰۳ء میں آپ نے لاہور سے ایک علمی و ادبی پرچہ الہدیٰ جاری کیا[3] جس میں تفسیر قرآن، تاریخ اسلام اور تصوف پر مضامین شائع ہوتے تھے، علامہ دو سال اس کے مدیر مسئول رہے"[4]

علامہ اصغر علی روحی نے تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا، چند مطبوعہ تصانیف (یہ کتابیں لاہور سے شائع ہوئیں) یہ ہیں:-

۱۔ دبیر عجم	فنِ بلاغت و تنقید	فارسی	صفحات ۳۸۰	(مطبوعہ ۱۹۳۶ء)	
۲۔ العروض والقوافی	علم عروض	اردو	" ۱۴۴	" ۱۹۳۶ء	
۳۔ ترجمہ نصیحۃ الملوک	از امام غزالی	"	" ۳۶	" ۱۳۲۷ھ	

---

[1] مکتوب مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ بنام راقم الحروف۔
[2] اردو دائرہ معارف انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ فیروز سنز (طبع ثانی ۱۹۶۸ء) ص ۱۱۰
[3] نقوش "لاہور نمبر" شمارہ فروری ۱۹۶۲ء، ص ۹۲۰
[4] سید عارف نوشاہی [illegible] فارسی گویان پاکستان [illegible] ص ۲۶۲

۴۔ ترجمہ قصیدہ بردہ	اردو، صفحات	۱۸۲	مطبوعہ	۱۳۲۶ھ۔
۵۔ امیر الکلام من کلام الامام	" "	۱۲۸	"	۱۳۲۲ھ
۶۔ شرح اسمائے حسنیٰ	" "	۲۴۸	"	۱۳۲۹ھ
۷۔ سیطرۃ الاسلام علی النصاریٰ الطغام ردِ عیسائیت اردو،		۱۲۴	"	۱۳۲۰ھ
۸۔ مانی الاسلام (اسلامی عقائد و احکام، دو جلد) " " "		۱۲۰۰	"	۱۳۵۰ھ

ان کے علاوہ بعض تصانیف فارسی دیوان چھ ہزار اشعار پر مشتمل اور دیوان عربی پانچسو اشعار پر مشتمل، تفسیر سورۃ یٰسین، آخری دو پاروں کی تفسیر اور خطبات عربی ابھی منتظر اشاعت ہیں ملہ

حضرت علامہ روحی کے فرزند ارجمند ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق، ادب عربی کے مسلم فاضل ہیں اور اپنے والد گرامی کے کلام کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں۔

حضرت علامہ اصغر علی روحی قدس سرہ کا وصال ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں ہوا۔ آپ کا مزار کھٹالہ میں مسجد سے ملحق ایرلب شاہراہ عظیم (جی۔ٹی۔روڈ) واقع ہے ملہ

ملہ سبط حسن رضوی، ڈاکٹر: فارسی گویان پاکستان، ج ۱، ص ۲۹۲ تا ۲۹۳۔
ملہ ایضاً : ص ۲۹۱۔

فقیہ العصر مولانا مفتی اعجاز ولی خاں رضوی قدس سرہ (لاہور)

استاذ العلماء فقیہ العصر مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں ابن مولانا سردار ولی خاں ملہ ابن مولانا ہادی علی خاں ابن مولانا رضا علی خاں (اجداد امجد مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی) ذوست امراہیم ۱۱ ربیع الثانی ۲۰ مارچ (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے قرآن مجید شروع کیا اور حافظ عبد الکریم قادری بریلوی سے پڑھا، پھر درسی کتابیں متوسطات تک برادر معظم مولانا تقدس علی خاں مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ، سندھ، مولانا مختار احمد سلطان پوری اور مولانا محمد حسنین رضا بریلوی سے پڑھیں۔ شرح جامی مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی مدظلہ العالی سے اور تفسیر جلالین مولانا سردار علی خاں سے پڑھی اور ۱۳۵۲ھ/۱۹۲۹ء میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی مدظلہ العالی سے سند حدیث حاصل کی، بعد ازاں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرہ سے بھی سند حدیث حاصل کی، پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ مصنف بہار شریعت کی خدمت میں مدرسہ سعیدیہ دادوں میں حاضر ہوئے اور تکمیل علوم کے بعد حضرت صدر الشریعہ سے سند حاصل کی، سلسلۂ عالیہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی سے بیعت ہوئے اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی مدظلہ سے سلسلۂ قادریہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

تکمیل علوم کے بعد این۔بی ہائی سکول بریلی میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا، پھر کچھ عرصہ دار العلوم منظر اسلام اور کچھ عرصہ دار العلوم مظہر اسلام بریلی میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ مدرسہ منہاج العلوم پانی پت متصل مزار مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی قدس سرہ تشریف لے گئے

ملہ ۶ رصفر، ۱۸ فروری (۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) کو برمنگھم میں آپ کا وصال ہوا۔

اور ایک سال فرائض تدریس انجام دینے کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی میں چلے آئے، تقسیم کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان آ کر جامعہ محمدی شریف جھنگ میں ۱۹۵۱ء تک شیخ الحدیث رہے بعد ازاں کچھ عرصہ دار العلوم اہل سنت و جماعت جہلم میں رہے، جون ۱۹۵۴ء میں شیخ الحدیث والفقہ کی حیثیت میں جامعہ نعیمیہ لاہور تشریف لے آئے اور قریباً چھ سال تک حسن و خوبی کام کیا [1] ۱۹۶۰ء میں جامعہ نعمانیہ لاہور میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے، ۱۹۷۳ء میں جامعہ نعمانیہ کی انتظامیہ کی جانب سے جمعیۃ علماء پاکستان سے وابستگی پر اعتراض کیا گیا تو آپ نے استعفا دے دیا [2] اور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں شیخ الحدیث مقرر ہو گئے، افسوس کہ آپ جامعہ نظامیہ میں صرف دو دن تشریف لے گئے تھے کہ مرض وفات لاحق ہو گیا اور جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے طلباء آپ سے مستفیض نہ ہو سکے۔

مفتی اعجاز ولی خاں قدس سرہ ۱۹۳۶ء ہی سے تحریک مسلم لیگ کی حمایت و اعانت فرماتے رہے۔ ۱۹۴۰ء میں جب لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو آپ نے اس کی حمایت میں دار الافتاء رضویہ بریلی سے فتویٰ جاری کیا۔ ۱۹۴۵ء/۱۹۴۶ء میں مشرقی پنجاب کا دورہ کر کے پاکستان کے لئے فضا ہموار کی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کی بنا پر ایک سو دن تک سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رہے۔

آپ ابتدا ہی سے جمعیۃ علماء پاکستان کے معاون رہے، علامہ ابو الحسنات قدس سرہ کے دور میں مجلس عاملہ کے رکن اور علامہ عبد الحامد بدایونی کے دور صدارت میں مغربی پاکستان کے صدر رہے، حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی کے دور صدارت میں خازن رہے، مئی ۱۹۷۱ء میں جمعیۃ علماء پاکستان صوبہ پنجاب کے صدر مقرر کئے گئے [3] اور اسی وابستگی کی بنا پر منصب شیخ الحدیث سے استعفا دے دیا۔

---

[1] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۱۵/۱۲۱

ذکار حسین طاہر: ماہنامہ رضائے حبیب گجرات (جنوری، فروری ۱۹۷۴ء) ص ۲۵

[2] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہلسنت، لاہور، ص ۳۹۸

[3] ذکار حسین طاہر: ماہنامہ رضائے حبیب، گجرات، ص ۲۶

۱۹۵۴ء میں حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار انور کے قریب جامعہ گنج بخش قائم کیا، غالباً ۱۹۵۶ء میں جامع مسجد محلہ اسلام پورہ میں خطیب مقرر ہوئے اور وہاں دار العلوم حامدیہ رضویہ قائم کیا، آپ نے گنج بخش کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا جو ایک عرصہ تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔

مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ حسن اخلاق، ایثار و قربانی، حق گوئی، صاف دلی، بے نفسی، حلم و بردباری، قوت حافظہ، مسائل فقہیہ کے استحضار، صائب الرائے اور تاریخ گوئی میں اپنی مثال آپ تھے، بلاشبہ سینکڑوں علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، تصانیف یہ ہیں:

۱۔ فن میراث۔ ۲۔ تسہیل الواضح خلاصہ النحو الواضح۔

۳۔ تنویر القرآن (تفسیر قرآن برحاشیہ کنز الایمان)

۴۔ ترجمہ مکتوبات شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ۔

۵۔ ترجمہ کشف الاسرار ۔ مختلف کتب پر مقدمے اور بیشمار فتاویٰ جات۔

مختصر علالت کے بعد ۲۴ شوال المکرم، ۲۰ نومبر (۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) بروز منگل قبیل العصر مفتی اعجاز ولی خاں قدس سرہ کا وصال ہوا، نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابو البرکات مدظلہ العالی نے پڑھائی، میانی صاحب بہاولپور روڈ لاہور میں مولانا غلام محمد ترنم قدس سرہ کے سرہانے آخری آرام گاہ بنی، ایک صاحبزادہ پاشا صاحب اور ایک صاحبزادی یادگار ہیں، آپ اپنا نام محمد اعجاز الرضوی لکھا کرتے تھے، مولانا محمد ابراہیم خوشتر مدظلہ نے تاریخ وصال کہی ہے

رخصت ہوا جہاں سے یہ کون باکمال — ہے جل ہوئی زمیں تو فلک غم سے ہے نڈھال

مفتی کی فکر دین کا جس کو رہا خیال — "از عاقبت بخیر" ہے اس کا سن وصال [1]

۱۳۹۳

---

[1] ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی، (نومبر ۱۹۷۴ء)، ص ۴۴

عارفِ کبیر حضرت علامہ مولانا محمد اکبر علی قدس سرہ العزیز (میانوالی)

عالمِ متبحر، عارفِ اکبر حضرت مولانا محمد اکبر علی بن مولانا غلام حسین بن خدا یار (رحمہم اللہ تعالیٰ) ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں میانوالی میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید والدِ ماجد سے حفظ کیا، فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد (میانوالی) سے پڑھیں بعد ازاں مولانا نور زمان، کوٹ چاندنہ شریف (ضلع میانوالی) سے علمی استفادہ کیا، کچھ عرصہ چکی (ضلع کیمبل پور) میں پڑھتے رہے۔ استاذ العلماء مولانا احمد الدین گانگوی (میانوالی) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، اس کے بعد ضلع ہزارہ کے مختلف علماء سے تحصیلِ علم کرتے رہے، دورۂ حدیث دار العلوم دیوبند میں کیا۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۵ء کو سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ راسخ العقیدہ علماءِ اہلِ سنت میں سے تھے، سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ احمد میروی قدس سرہ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

تحصیلِ علوم سے فارغ ہوئے تو اپنے محلے (زادہ خیل) کی کچھوٹی سی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے شروع کئے، جلد ہی آپ کی نیک نفسی اور جلالتِ علمی کا شہرہ دُور دراز تک ہو گیا، طلباء تحصیلِ علوم کے لئے اور عوام و خواص آپ سے ظاہری باطنی فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے جوق در جوق حاضر ہونے اور اکتسابِ فیض کرتے، دیکھتے ہی دیکھتے مختصر سی مسجد کی جگہ عظیم الشان وسیع و عریض مسجد تعمیر ہو گئی۔ آپ کے تلامذہ، مریدین اور معتقدین کا حلقہ بہت وسیع ہے، مسائلِ دینیہ حل کرانے کے لئے اکثر لوگ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے، اہلِ محلہ جو کم علمی کی بنا پر احکامِ شریعت سے بے خبر اور اتباعِ شریعت سے محروم تھے آپ کے فیضِ صحبت سے نمازی، حاجی، متبعِ سنت اور علم دوست بن گئے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، وسعتِ ظرف، خوش خلقی، سخاوت، حق گوئی اور مخلوقِ خدا سے بے نیازی ایسے اوصافِ حمیدہ سے نوازا تھا۔ ایک دفعہ میانوالی کے انگریز ڈپٹی کمشنر نے آپ کو کئی مربعے زمین دینے کی پیشکش کی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے

ملے فاضل مصنف [illegible] مہر علی [illegible] نے [illegible] ص ۹۰ میں سنِ ولادت ۱۳۰۹ھ لکھا ہے۔

پاس ایک برہمن حدیث شریف پڑھا کرتا تھا، ایک خادم نے درخواست کی کہ اسے نہ پڑھایا جائے کہ مبادا پڑھ کر ہم سے مقابلہ پر اتر آئے۔ آپ نے فرمایا "بے شک مقابلہ کرے، کیا ہمارا مذہب کچا ہے؟" مذاہبِ باطلہ کی بیخ کنی میں پوری سعی فرماتے تھے، اس ضمن میں کئی مرتبہ مخالفین سے مناظرے بھی کئے اور انہیں شکستِ فاش دی۔

شیخ المسلمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے آپ کے گہرے مراسم تھے، چنانچہ کئی دفعہ عرس مبارک میں شمولیت کے لئے گولڑہ شریف تشریف لے جاتے، مولانا فیض احمد گولڑوی لکھتے ہیں :-

"حضرت مولوی اکبر علی صاحب خطیب میانوالی (وصال ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ / ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء) حضرت خواجہ احمد میروی کے اعاظم خلفاء میں سے تھے اور ہمارے حضرت (حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ) کے ساتھ ان کا گہرا روحانی رابطہ تھا، مسلّمہ عالم تھے، تصوف، کشف اور روحانیت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ چوہدری اورنگ زیب صاحب ڈپٹی کمشنر سے جو ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے دامن گرفتہ ہیں، ان کے خصوصی تعلقات تھے اور ان سے بعض اوقات خاص اسرار کی باتیں بھی بیان فرما دیتے، مثلاً یہ کہ آج سبق کے دوران فلاں بزرگ کی روح تشریف فرما ہوئی، گولڑہ شریف عرس کے موقع پر بھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

ایک دفعہ عرس کی مجلس ختم ہوئی تو چوہدری صاحب سے فرمایا کہ آج روحانی مجلس میں آواز بلند ہوئی کہ غوث کی عمر ایک برس اور بڑھا دی گئی ہے چنانچہ پورے ایک سال بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کا وصال ہوا" ملے

ملفوظات

• انسان کو چاہیے کہ وہ خوف کی بجائے حیا کی بنا پر گناہ کو ترک کرے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر فعل کو دیکھ رہا ہے، گناہ کرتے ہوئے شرمائے۔

ملے فیض احمد، مولانا : مہر منیر : ص ۴۰۴

- ہر مصیبت و ابتلاء میں ثابت قدم رہنا چاہیے، شریعت مطہرہ کو کبھی بھلایا نہ جائے اور ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہنا چاہیے تاکہ دیکھنے والے کو انسان کی تکلیف کا احساس نہ ہو سکے۔
- اصل عزت وہی ہے جو اللہ تعالےٰ کیلئے حاصل کی جائے اور اسی کیلئے خرچ کی جائے اس سے نفس ذلیل ہوتا ہے وہ عزت جو اپنے نفس کیلئے حاصل کی جائے اور خواہشات نفسانی کیلئے استعمال ہو قہر الٰہی کا باعث بنتی ہے۔

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ / ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مولانا محمد اکبر علی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا۔ کمیٹی باغ کے وسیع میدان میں آپ کے دست گرفتہ مولانا احمد دین گانگوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں میانوالی اور اس کے مضافات کے کثیر التعداد نیاز مندوں نے شرکت کی۔ مزار انور آپ کی عظیم دینی یادگار، اکبر المساجد کے پہلو میں بنایا گیا جہاں ہر سال نہایت اہتمام سے آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ اس عرس میں پاکستان کے مقتدر علما خاص طور پر غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان، ملک المدرسین استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ شرکت فرمایا کرتے ہیں، مولانا ابو الفتح محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالےٰ مہتمم شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ واں بھچراں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد اکبر علی رحمہ اللہ تعالےٰ کی اولاد نرینہ میں سے دو صاحبزادے یادگار ہیں۔ مولانا غلام ربانی سرکاری ملازمت سے منسلک ہیں اور مولانا الحاج غلام جیلانی مدظلہ (فاضل مدرسہ اسلامیہ امروہہ ضلع مراد آباد) اکبر المساجد (میانوالی) کے خطیب اور میانوالی کے مفتی ہیں۔ آپ کی نگرانی میں مسجد و مدرسہ کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد عبد الخالق سلمہ ربہ ان دنوں درس نظامی کی آخری کتابیں پڑھ رہے ہیں، انہیں ذہانت، شرافت و سلامت طبع کے جوہر ورثے میں ملے ہیں، مسلک اہل سنت و جماعت کی ترقی کے لئے ان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں، مولائے قدوس انہیں سلامت رکھے اور بیش از بیش دینی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

لے یہ تمام حالات انہوں نے ایک قلمی بیاض سے مہیا کئے، اس تعاون پر راقم ان کا شکر گزار ہے۔

واعظ الاسلام مولانا سید محمد اکرام الدین بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا سید محمد اکرام الدین جید عالم دین اور مقبول زمانہ واعظ تھے اسی لئے آپ کو "واعظ الاسلام" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قادریہ میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے، حضرت شیخ نے ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں درج ذیل الفاظ میں اجازت مرحمت فرمائی :-

اللہ اکبر

از فضل رحمٰن

اما بعد الحمد للہ میاں خواجہ اکرام الدین بخاری کہ مرید ایں فقیر است اجازت طریقہ نقشبندیہ و قادریہ دادم کہ بمردماں تعلیم نمایند۔ ثم السلام والدعاء۔

نیز حضرت مولانا عمر ضیاء الدین عثمانی خالدی کردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قادریہ میں اجازت عطا فرمائی، اجازت کے الفاظ یہ ہیں :-

اما بعد فقد شرفنا الحبیب الاکرم والاعز الافخم غرة جباه اصحاب الیقین بهجة جبهة اصحاب التمکین العالم الفاضل خواجه محمد اکرام الدین البخاری الشهیر بواعظ الاسلام (الی ان قال) اجزناه نیابة عن المشائخ الکرام فی الطریقة العلیة النقشبندیة القادریة قدس الله تعالیٰ اسرار سادتهم السنیة ونفعنا من برکاتهم البهیة اجازة موثوقة بالنصیحة والتربیة والتعلیم۔

مولانا اکرام الدین کا دل اللہ تعالےٰ کی محبت، سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی الفت اور بزرگانِ دین کی عقیدت سے معمور تھا۔ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ کی شان میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا اور استمداد کی، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بدرگاہ جنابت آمدہ یا شاہ جیلانی   منور شد دلم زیر تو انوارِ ربانی
غریبم بے نوا افتادہ ام بیمار در غربت   نظر فرما بحالم حضرت محبوب سبحانی

آپ شعر و سخن کا بہترین ذوق رکھتے تھے اور اخترؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے کلام میں زیادہ تر نعت و منقبت کا پہلو نمایاں ہے، درج ذیل مشہور قصیدہ نعتیہ آپ ہی کے فکرِ عالی کا نتیجہ ہے:

تری الفت میں مرجانا شہادت اسکو کہتے ہیں   ترے کوچے میں مر جانا دفن جنت اسکو کہتے ہیں
گلی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا   حقیقت معرفت اہلِ طریقت اسکو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں ترے رہنا عبادت اسکو کہتے ہیں
بنایا مشرکوں کو عاشقِ توحید یکدم میں   یہ ہے شانِ نبوت اور رسالت اسکو کہتے ہیں
ادھر ایما ہوا شہ کا اُدھر بخشے گئے عاصی   شفاعت اسکو کہتے ہیں وجاہت اسکو کہتے ہیں
لیے طغیاں کہ دریا سے نبی کے پیالے بچوں کو   مدد دی اک لگن پانی کی سخاوت اسکو کہتے ہیں
سگِ درگاہِ جیلاں مجھکو حق کردے تو شاہوں سے   کہوں دنیا کے گویا بادشاہت اسکو کہتے ہیں
ترا مضمون جاں دادہ ترا عاشق ترا شیدا   ترا مضطر ترا اخترؔ ہدایت اسکو کہتے ہیں

فارسی کلام ملاحظہ ہو:

قطرۂ خون نشۂ صہبا برابر است   یک خونِ دل بلعل مصفا برابر است
بے دردِ عشق ہیچ کسے قرب حق نیافت   یک ذرۂ غم بہ جملہ اشیا برابر است
یک لحظہ توجہ خاطر با اہلِ حق   با فیض صبح و با شب یلدا برابر است
ذکر دوام صیقل زنگار باطن است   دل صاف گشت با یدِ بیضا برابر است
اخترؔ دلے کہ واقف اسرار عشق شد   اورا بہشت و دامن صحرا برابر است

آپ اپنے خطبات میں اصلاح عقائد اور بد مذہبوں سے اجتناب پر بہت زور دیتے تھے چنانچہ ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

ہے جبتک دم میں دم باقی عقیدہ پاک کر اپنا   وگرنہ لے دبے روزِ محشر آہ حسرت ہے
مسلمانو! بچو ہر وقت تم بیہودہ باتوں سے   زمانہ میں فساد و فتنہ کی اب بہت کثرت ہے
کوئی منکر حدیثوں سے کوئی کہتا ہے میں عیسیٰ   بچو ان بدعقیدوں سے یہ نیکی و عقیدت ہے
کوئی مرزائی و وہابی، کوئی چکڑالوی لیکن   خدا کا شکر مومن اک فقط سنت جماعت ہے
تمامی اولیاء اللہ تھے اسی مذہبِ حق پر   ہمیشہ اس جماعت پر خدا کا دستِ رحمت ہے

ان کے دور میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی کا بہت زور شور سے پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا۔ علماء اسلام کی ہمنوائی میں مولانا نے عقائد اہلسنت کے تحفظ اور مرزاجی کے بلند بانگ دعاوی کے رد میں بڑی سرگرمی دکھائی اور بدمذہبیت کو رد کرنے پر اس فریضہ کو بااحسن وجوہ نبھایا چنانچہ اپنی تالیف فیض جاری الملقب بہ ہدیۃ البخاری کے ایک خطبہ جس میں مسئلہ ختمِ نبوت کا مدلل طور پر بیان فرمایا ہے پہلے فرماتے ہیں:

"آجکل خطۂ پنجاب وغیرہ میں دعوئ نبوت و مہدویت کا بہت چرچا ہو گیا ہے چنانچہ مریدانِ مرزا قادیانی کے بڑے دعوے سے مرزا کو وحی کا آنا و عیسیٰ موعود ہونے کو ثابت کرنے میں سرگرم ہیں اگرچہ تمہید علامۃ الامام ابو شکور سالمی میں صاف و روشن ہے کہ:
ومن یریٰ الوحی والنبوۃ لاحد بعد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فانہ یصیر کافراً۔ (التمہید شریف ص ۱۹۹)

(فیض جاری [illegible])

"جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کے لئے وحی اور نبوت کا اعتقاد کرے، وہ کافر ہے۔"

افسوس کہ نہ تو آپ کے مزید حالات مل سکے اور نہ تاریخ وفات معلوم ہوئی، یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ لاہور میں آپ کا مزار کس جگہ ہے۔

۱؎ یہ تمام حالات فیض جاری سے لئے گئے ہیں۔ (مرتب)

امام العارفین حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہٗ العزیز

سلسلہ چشتیہ کے نیّرِ تاباں حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی بن حضرت خواجہ گل محمد بن حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی ماہ ذو الحجہ (۲۱/۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) میں تونسہ شریف میں پیدا ہوئے دینی تعلیم کے لئے حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کو مولانا محمد امین کے سپرد کیا۔ انہوں نے قرآن مجید کے علاوہ فارسی نظم اور عربی صرف و نحو کی تعلیم دی، پھر حدیث کا درس دیا۔ باطنی تربیت خود حضرت پیر پٹھان نے فرمائی۔

ابتدائی زمانہ میں آپ شاہانہ شان و شوکت سے رہتے تھے، جب اپنے اصلی مقام پر فائز ہوئے تو پرانی ٹوپی، نیلا تہبند اور معمولی کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ جد امجد کے فیضِ تربیت سے نماز اور روزے کی محبت بچپن ہی میں حاصل ہو گئی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت سے لگاؤ انتہا کو پہنچ گیا۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی آپ کے دینی جذبے سے بے حد خوش ہوتے تھے چنانچہ آپ نے اپنی حیاتِ ظاہری ہی میں دلائل الخیرات شریف کا پڑھنا آپ کے سپرد کر دیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ شجروں پر ہماری طرف سے تم ہی دستخط کر دیا کرو۔ حضرت خواجہ اللہ بخش نے اس فرمان پر یہاں تک عمل کیا کہ حضرت پیر پٹھان کے بعد بھی شجروں پر حضرت شاہ سلیمان کا نام ہی لکھا کرتے تھے ۱؎

جب آفتابِ تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کے روپوش ہونے کا وقت قریب آیا تو آپ نے حاضر ہو کر سر قدموں میں رکھ دیا اور عرض کیا :-

"میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگتا، صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے فقیروں کے جوتے سیدھے کرتا رہوں"

یہ سن کر حضرت شیخ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور فرمایا وَلَحْمُكَ لَحْمِي مِنْ دَمِي اور جان

۱؎ خلیق احمد نظامی، پروفیسر، تاریخ مشائخ چشت، مطبوعہ دارالمؤلفین، اسلام آباد، ص ۷۱۹

جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ شاہ غلام نظام الدین فرزند کالے صاحب نے حضرت خواجہ اللہ بخش کے سر پر دستار باندھ کر انہیں سجادۂ شیخ پر بٹھا دیا ۱؎

حضرت خواجہ اللہ بخش رحمہ اللہ تعالےٰ نے جدِ امجد کی طرح پوری تندہی سے خلقِ خدا کی راہنمائی فرمائی اور سلسلہ کی اشاعت میں اپنی تمام خداداد صلاحیتوں کو صرف فرمایا۔ آپ نے سجادہ نشین ہونے کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کیا اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دی۔ بیکانیر میں ہزاروں لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ ۱۸۵۴ء میں اجمیر شریف جا کر حضرت خواجہ بزرگ کے مزار پر حاضری دی اور دس روز اجمیر شریف میں قیام فرمایا۔ یہاں بھی ہزاروں لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ پھر کشن گڑھ، جے پور، ٹونک سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اور حضرت خواجہ فخر الدین قدست اسرارہم کے مزارات کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ کے دوسرے اولیاء کے مقابر پر بھی حاضری دی۔

قیامِ دہلی کے دوران بہادر شاہ ظفر نے حاضر ہو کر شرفِ قدمبوسی حاصل کیا۔ بڑے بڑے امیر کبیر بھی آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے اور محلات کی بیگمات مرید ہوئیں ۲؎

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب اپنے عقائد کی تشہیر شروع کی تو آپ نے اپنی جلد لکھ کر نہایت سختی سے تردید فرمائی اور کوشش کی کہ مسلمانوں کا دینی احساس بیدار ہو جائے تاکہ اس قسم کی گمراہ کن تحریکوں سے متاثر نہ ہوں، حالانکہ ابھی تک مرزا جی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا ۳؎

آپ کو تعمیرات سے بہت دلچسپی تھی، آپ کی بنوائی ہوئی عمارات شہر کے تقریباً نصف حصہ

۱؎ خلیق احمد نظامی، پروفیسر، تاریخ مشائخ چشت، مطبوعہ دارالمؤلفین، اسلام آباد، ص ۷۱۸

۲؎ ایضاً ، ص ۷۲۱

۳؎ ایضاً ، ص ۷۲۲

بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ ان عمارت میں زیادہ تر مساجد، مدارس، کنوئیں اور سرائیں ہیں۔

آپ بلند اخلاق کے مالک تھے، ایک دفعہ آپ کے دربار میں حاضر ہونے والا آپ کے اخلاقِ حمیدہ کے اَنمٹ نقوش دل میں لے کر جاتا تھا۔ مسلمان تو مسلمان ہندو تک آپ کے اخلاقِ عالیہ سے مستفید ہوتے تھے۔

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی سے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے، ایک دفعہ حضرت شمس العارفین نے ان کے بارے میں فرمایا :-

"انھوں نے نسبی شرافت و کرامت کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں سب سے آگے بڑھ کر قربِ الٰہی حاصل کیا۔"

آپ کی تین فضیلتیں بہت ہی نمایاں تھیں :-

۱۔ آپ نے عرب شریف سے ایک قاری صاحب کو بلا کر اپنے مکان پر ٹھہرایا تاکہ علاقہ کے لوگ قرآنِ پاک کی قراءت کی تصحیح کرلیں، چنانچہ بے شمار افراد فیضِ قرآنی سے مستفیض ہوئے۔

۲۔ ۱۲۹۹ھ میں زیارتِ حرمین شریفین کے لئے گئے تو پچیس افراد آپ کے ہمراہ تھے اس سفر میں آپ نے اپنے رفقاء اور حرمین طیبین کے خدام پر ساٹھ ہزار روپے صرف فرمائے۔

۳۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کے وصال کے بعد بہت سے لوگوں کو تشویش تھی کہ مریدین کی تربیت کون کرے گا اور وابستگانِ آستانہ کی ضروریات کا انتظام کون کرے گا؟ جب حضرت خواجہ اللہ بخش سجادہ نشین ہوئے تو وہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کی توجہ سے تمام اوصاف میں سب سے سبقت لے گئے۔

"پس چوں دریں وقت بنظرِ غور بہ علیم معلوم میگردد کہ ظہور حضرت خواجہ تونسوی اکنوں شدہ است سبحان اللہ! چنیں سجادہ نشین از سجادگان پیش بظہور نیامدہ باشد" [1]

[1] محمد سعید احمد، مولانا: مرآۃ العاشقین، مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور ۱۳۰۳ھ، ص ۲۲۵ تا ۲۲۷ -

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ نے ایک مرتبہ فرمایا :-

"خواجہ اللہ بخش صاحب کی نظر میں اہلِ دنیا کی ذرہ برابر وقعت نہ تھی، آپ بے حد غریب نواز تھے، دنیا داروں کو بہت حقیر جانتے تھے، خواجہ اللہ بخش جیسا کوئی فقیر دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔" [1]

آپ کے تین فرزند تھے، حضرت خواجہ حافظ محمد موسیٰ حضرت خواجہ حافظ احمد اور حضرت خواجہ حافظ محمود رحمہم اللہ تعالےٰ آپ کے مریدین اور معتقدین حدِ شمار سے باہر ہیں، شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی آپ ہی کے مرید تھے۔

۲۹ر جمادی الاولیٰ، ۱۳ر ستمبر (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمہ اللہ تعالےٰ کا وصال ہوا، تاریخِ وصال یہ ہے :

چراغِ جہاں بجھ گیا ہے [2]

۱۳ ھ ۱۹

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشائخ چشت، ص ۷۲۱، بحوالہ ملفوظات طیبہ، ص ۱۷۲

[2] ایضاً ص ۷۲۳

فخر المدرسین مولانا علامہ ابو الفتح محمد اللہ بخش قدس سرہٗ (واں بھچراں)

مناظر اہل سنت فخر المدرسین حضرت مولانا علامہ ابو الفتح محمد اللہ بخش بن مولانا فضل احمد بن مولانا سید رسول بن میاں شیخ احمد (قدست اسرارہم) ۳ محرم ۲۱ رجون (۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) بروز بدھ موضع شادیہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے، والد ماجد سے قرآن پاک حفظ کیا، ورمقامی سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی، صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں محلہ بلوخیل (میانوالی) میں اپنے وقت کے مشہور مدرس حافظ محمد احمد سے پڑھیں، حافظ صاحب دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، ان کی کوشش کے باوجود مولانا اللہ بخش کا ذہن سلیم اعتقادی طور پر ان سے ہم آہنگ نہ ہو سکا، پھر قسمت نے یاوری کی تو دور حاضرہ کے سب سے بڑے فیض رساں مدرس حضرت مولانا حافظ عطا محمد چشتی مدظلہ الاقدس کی بارگاہ میں دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف حاضر ہوئے اور معقول ومنقول کی منتہی کتب پڑھ کر محدث اعظم پاکستان مولانا ابو الفضل سردار احمد قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور صحاح ستہ کا درس لے کر ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں دستار فضیلت اور سند فراغت حاصل کی۔[1]

عقائد کی پختگی تو ملک المدرسین حضرت مولانا عطا محمد چشتی دام ظلہ کے فیض نگاہ سے حاصل ہو چکی تھی، حضرت محدث اعظم پاکستان کے فیض صحبت سے ایمان کو جلا ملی اور مسلک اہل سنت کی صحیح تعبیر مسلک امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے تعلق خاطر اور مستحکم ہو گیا، سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک سال مدرسہ احسن المدارس مرکزی جامع مسجد راولپنڈی اور ایک سال جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں قابل ستائش تدریسی خدمات انجام دیں، قیام

[1] مکتوب مولانا ابو الفتح محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ بنام راقم الحروف، ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ

لاہور کے دوران جامع مسجد جیڈن روڈ میں خطیب رہے۔ ۱۹۵۹ء میں واں بھچراں (میانوالی) کے مشہور درویش منش رئیس ملک مظفر خان بہادر رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی کی رضامندی اور محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہ کی اجازت سے بحیثیت خطیب مدرس اور مہتمم آپ کو واں بھچراں لے گئے۔

واں بھچراں کا ریگزار ایک عرصہ تک مولوی حسین علی (مؤلف بلغۃ الحیران) کے دور میں الوہیت و رسالت کی تنقیص کی باد سموم کی زد میں رہا، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کی تشریف آوری نے فسوں کاری کے اس ماحول پر شدید ضرب لگائی تھی، بعد ازاں مولوی حسین علی کے شاگرد مولوی غلام یٰسین بائیس سال تک سنیت کا لبادہ اوڑھ کر جامع مسجد مظفریہ واں بھچراں میں خطیب رہے، شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی کی نگاہ التفات نے انہیں بے نقاب کر کے علیحدگی پر مجبور کر دیا، یہ بھی ان بزرگان دین کی توجہات کا ثمرہ تھا کہ مولانا محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کی آمد سے قصبہ واں بھچراں گلستان سنیت بن گیا، ان کے روح پرور بیانات اہل دل کے لئے نسیم سحری ثابت ہوئے، جا بجا الصلوٰۃ والسلام کے زمزمے گونجنے لگے، میلاد شریف کے جلوس سے عید کا سماں بندھنے لگا، واں بھچراں کی تاریخ میں پہلی دفعہ آپ کے زیر اہتمام یوم رضا منایا گیا۔

مولانا محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کو تدریس و تقریر کی طرح مناظرہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ واں بھچراں پہنچنے کے چند روز بعد ہی مولوی غلام یٰسین کو چیلنج کیا کہ میدان میں آکر مسلک اہل سنت کی حقانیت پر گفتگو کر لیں لیکن وہ ہزار اطمینان دلانے کے باوجود بھی سامنے نہ آئے، سرگودھا کے مولوی محمد امیر سے موضع اترا ضلع سرگودھا کے قریب ایک دیہات میں مسئلہ علم غیب پر گفتگو کی اور دلائل قاہرہ سے اہل سنت کا موقف ثابت کر کے عظیم الشان فتح حاصل کی، جب یہ اطلاع محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہ کو پہنچی تو انہوں نے نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو ابو الفتح کا لقب اور دستار فضیلت (تاج الفتح) عطا فرمائی، اس کے علاوہ حضرت محدث اعظم لائلپوری کے ایما پر موضع ونگ (نزد کنڈیاں) میں دیوبندی عالم مولوی لعل محمد سے دیوبندیوں کی گستاخانہ عبارتوں پر ایسی زوردار گفتگو کی

کہ فریقِ مقابل تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے چلتے بنے اور جاتے ہوئے کچھ کتابیں بھی چھوڑ گئے۔

مولانا ابوالفتح محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ تمام علماء و مشائخ اہلِ سنت سے گہری عقیدت اور مخلصانہ روابط رکھتے تھے، خاص طور پر استاذِ گرامی ملک المدرسین حضرت مولانا عطا محمد چشتی دامت برکاتہم العالیہ کی عقیدت و خدمت میں کوئی بھی ان تک نہ پہنچا تھا، ایک عرصہ تک معمول رہا کہ ایک جمعرات حضرت استاذِ گرامی کی خدمت میں بندیال حاضری دیتے اور ایک جمعرات والدین کی خدمت میں موضع شادیہ حاضر ہوتے، حضرت استاذِ گرامی مدظلہ العالی بھی انہیں بے پایاں شفقتوں سے نوازتے۔

مولانا محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے تدریسی کمال اور اخلاقِ جمیلہ کا اثر تھا کہ پاکستان کے گوشے گوشے سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے، افغانستان تک کے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اکتسابِ فیض کرتے، علومِ دینیہ سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ ساتھ مسلکِ اہلِ سنت کی خدمت کا والہانہ جذبہ طلبہ کے دل و دماغ میں اتار دیتے، بندیال تشریف لاتے تو کچھ وقت ہمیں بھی عنایت فرماتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

> "مولانا! درسی کتب پر شروح و حواشی لکھنے کی طرف ضرور توجہ دیجئے، کچھ نہیں تو ہر روز ایک دو سطریں ہی لکھ لیا کریں، ان شاء اللہ العزیز ایک وقت آئے گا کہ مکمل کتاب بن جائے گی۔"

حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد قدس سرہ نے ایک مکتوب میں آپ کو تحریر فرمایا:

> "مولیٰ عزوجل آپ کو مدارج علیا عطا فرمائے اور خدمتِ درس و تدریس و خدمتِ خطابت و امامت و خدمتِ مذہبِ اہلِ سنت میں خوب ترقی و قبولیت عطا فرمائے، آمین!" [1]

کیا یہ کرامت نہیں کہ اس دعا کا ایک ایک حرف آپ کے حق میں پورا ہوا اور آپ نے

---

[1] مکتوب حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہ، ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ بنام مولانا محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ

ہر شعبے میں نمایاں خدمات انجام دیں، آپ نے مختصر عرصے میں مدرسین کی اچھی خاصی تعداد تیار کی، بحمدہٖ تعالیٰ آپ کے تلامذہ مملکتِ پاک کے متعدد مدارس میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا پیر محمد چشتی شیخ الحدیث جامعہ معینیہ پشاور۔
۲۔ مولانا حاجی محمد علی مہتمم دار العلوم رسولیہ شیرازیہ لاہور۔
۳۔ مولانا محمد عبد الوہاب بن مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی، دحال انگلینڈ۔
۴۔ مولانا محمد سعید طفیل، کراچی۔
۵۔ مولانا غلام نبی ناظمِ اعلیٰ دار العلوم حامدیہ، کراچی۔
۶۔ مولانا غلام دستگیر افغانی مدرس دار العلوم امجدیہ، کراچی۔
۷۔ مولانا منظور الحق، کراچی۔
۸۔ مولانا بشیر احمد جہلمی، چک سواری، آزاد کشمیر۔
۹۔ مولانا حافظ محمد ابراہیم ناظمِ اعلیٰ شمس العلوم مظفریہ رضویہ، دوال، کچھرل۔
۱۰۔ مولانا حافظ غلام محمد صدر مدرس اشاعت العلوم، چکوال۔
۱۱۔ مولانا گل رحمٰن مدرس ضیاء العلوم جامعہ رضویہ، راولپنڈی۔
۱۲۔ مولانا فضل السبحان مہتمم دار العلوم قادریہ، بغداده مردان۔

وغیرہ وغیرہ

۲۱ ستمبر کو ہلکا سا بخار ہوا، اگلے دن ۵ رمضان المبارک، ۲۲ ستمبر (۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا، مولانا ابوالفتح محمد اللہ بخش قدس سرہ کی شادی ۱۹۶۴ء میں میانوالی کے علمی گھرانے میں ہوئی، آپ کی اولاد میں سات اور نو سال کی دو بچیاں اور ایک صاحبزادہ عزیز القدر رضاء المصطفیٰ سلمہ اللہ تعالیٰ عمر چار سال یادگار ہیں۔

مولانا سید شریعت احمد شرافت نوشاہی مدظلہ نے قطعہ تاریخ وصال کہا ہے

مولوی اللہ بخش مرد کمال | بود فاضل بخانداں محبوب
کرد تبلیغ ملت احناف | اہل باطل از و شدہ مرعوب
مہتمم خاص بُد بدار علوم | ہم مدرس بدرس خوش اسلوب
مشتہر الفیض و بود ال بحراں | داخل خلد گشت آں مطلوب

سال ترحیل وے شرافت جُست
ہاتفم گفت "فائد المرغوب" سلہ

۱۳۹۴ ھ

سلہ تلخیص مضمون راقم الحروف "مولانا علامہ ابوالفتح محمد اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ" ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی
[illegible] ص ۴۳ تا ۴۷۔

حضرت مولانا حافظ سید الٰہی بخش نوشاہی قدس سرہ
ملقب بہ مظہر حق، ساہنپال شریف (گجرات)

حضرت مولانا حافظ سید الٰہی بخش مولانا حافظ سید نور اللہ شاہ مفتی رسول نگر (م ۱۲۲۹ھ) ابن حافظ سید محمد حیات ربانی (م ۱۲۳ا۱ھ) ۱۱۸۲ھ/ ۶۹-۱۷۶۸ء میں ساہنپال شریف (گجرات) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت والد ماجد کے علاوہ عم مکرم مولانا سید ضیاء اللہ (م ۱۲۴۴ھ) سے پائی۔ علوم متداولہ کے ساتھ ساتھ طب، کتابت اور دعوت، اعمال و عملیات میں بھی مہارت حاصل کی۔ آپ سلسلۂ عالیہ نوشاہیہ قادریہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے ان کے علاوہ حضرت سید فتح اللہ بن سید محمد عظیم نوشاہی (م ۱۲۲۷ھ) سے ظاہری طور پر اور حضرت حق شاہ سلیمان نوری قادری (م ۱۲۰۲ھ) بھلوال اور حضرت نوشہ گنج بخش قادری قدس سرہ سے روحانی طور پر مستفیض ہوئے۔

حضرت مولانا الٰہی بخش نوشاہی سلسلۂ عالیہ قادریہ نوشاہیہ کے اوراد و اذکار پوری پابندی سے ادا کرتے اور آداب شریعت کا پورا پورا لحاظ کرتے۔ آپ کے زمانہ حیات میں حضرت نوشہ گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف کو دریائے چناب کے سیلاب سے نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوا تو آپ نے ۱۰ شوال ۱۲۳۷ھ/ ۱۸۲۲ء کو حضرت نوشاہ کا تابوت شریف نکالا اور دریا سے دو میل کے فاصلے پر دفن کر دیا۔ آپ کی تصنیف کردہ غیر مطبوعہ کتابیں یادگار ہیں:۔

۱۔ الروضۃ الزکیہ فی الحقائق العلیہ (نظم و نثر سے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے)
۲۔ مفتاح العلاج (طبی مجربات)

آپ کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا حافظ سید فضل احمد نوشاہ ثانی (م ۱۲۹۶ھ)
۲۔ سید غلام احمد المعروف بڈے شاہ (م ۱۳۱۹ھ)
۳۔ سید [illegible] بخش شاہ لاہوری (م ۱۳۳۳ھ)

۷ رمضان المبارک، ۵ دسمبر (۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) کو حضرت مولانا الٰہی بخش تلاوت کلام پاک کر رہے تھے "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" تک پہنچ کر زبان رک گئی۔ آپ کے فرزند اکبر مولانا حافظ فضل احمد نے بتایا کہ "واللہ مع الصابرین" پڑھتے ہی آپ کا وصال ہو گیا۔

آپ کے فرزند اکبر حضرت مولانا حافظ سید فضل احمد نوشاہی ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ مادہ تاریخ ولادت "مجسمہ تقدم" ہے۔ ظاہری تعلیم والد ماجد مولانا الٰہی بخش اور جد امجد مولانا نور اللہ شاہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے حاصل کی بعد ازاں اپنے پھوپھی زاد بھائی مولانا سید غلام قادر سے تمام علوم کی تکمیل کی۔ فن کتابت اپنے نانا مولانا محمد غوث سے حاصل کیا۔ آپ علم و عمل میں اپنے آبا و اجداد کے صحیح جانشین تھے، چالیس سے زیادہ تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے مولانا سید محمد امین نوشاہی (م ۱۳۱۰ھ) اور مولانا سید محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ)۔ ۲۳ ربیع الثانی، ۱۳ اگست (۱۲۸۹ھ/۱۸۷۰ء) کو بوقت تہجد آپ کا وصال ہوا۔

مولانا حافظ سید فضل احمد نوشاہی کے فرزند اکبر مولانا سید شاہ محمد امین نوشاہی رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۵ ذیقعدہ (۱۲۴۱ھ/۱۸۲۶ء) کو پیدا ہوئے، تاریخی نام "مختار" قرار پایا۔ آپ نے اپنے آبا کے سلسلہ کو بحسن و خوبی نبھایا۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا حافظ سید روح اللہ (م ۱۲۹۴ھ) ۲۔ پیر سید فاضل شاہ (م ۱۳۳۷ھ)

۳۔ مولانا حافظ محمد شاہ (م ۱۳۳۷ھ)

آپ کا وصال ۱۹ ربیع الآخر، ۱۸ جنوری (۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء) کو ہوا۔

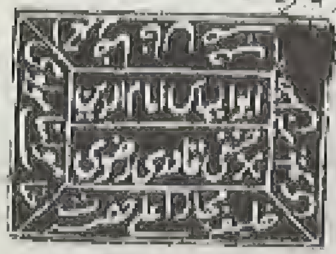
ان تمام حضرات کے مزارات قبرستان نوشاہیہ، ساہن پال شریف، ضلع گجرات میں ہیں[۱]

---

[۱] تذکرہ مولوی الٰہی بخش نوشاہی ... انوار ... نوشاہیہ (قلمی)

مناظر اسلام حضرت مولانا امام الدین قادری رضوی قدس سرہٗ کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ

ناصر سنت، ماحی بدعت حضرت مولانا ابوالبیان امام الدین قادری رضوی ابن حضرت مولانا عبدالرحمٰن قدس سرہما کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ جلیل القدر اساتذہ سے علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کے دونوں بڑے بھائی مولانا علامہ ابو عبدالقادر محمد عبداللہ کوٹلوی اور فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی قدس سرہما بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز تھے۔[۱] حضرت مولانا امام الدین قدس سرہٗ کی مہر کا نقش یہ تھا۔



آپ نے تمام عمر فرق باطلہ کے خلاف تقریری و تحریری طور پر جہاد کیا۔ آپ پنجابی کے بہترین شاعر تھے علمی مسائل، آیات مصحف، احادیث مبارکہ اور عبارات فقہیہ کو بڑی عمدگی سے نظم کے قالب میں ڈھال دیتے تھے۔ آپ نے تصانیف جلیلہ کا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ لیکن آپ کے عزیز و اقارب نے اس کی حفاظت و اشاعت کی طرف توجہ نہیں دی۔

چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ نصرۃ الحق، معروف بہ تیغ قاطع برگردن وہابیہ (اردو) جس میں تقلید، علم غیب، حیلہ اسقاط، کفنی مکھنا اور احتیاط الظہر وغیرہ مسائل پر سیر حاصل بحث پنجابی اشعار میں صفحات ۸۲، مطبوعہ مفید عام پریس سیالکوٹ، سن تالیف ۱۳۲۸ھ)

۲۔ احتیاط الظہر، اس میں یہ ثابت کیا کہ نصاریٰ کی حکومت میں احتیاط الظہر پڑھنی چاہیے،

---

[۱] ... شمارہ ... ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

مخالفین کے اعتراضات کے مسکت جوابات صفحات ۴۴، مطبوعہ تعلیم پریس، پرتسر۔ اس کے آخر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی سند خلافت و اجازت بھی درج ہے

۳۔ ہدایۃ المشتبہ ۔ (اردو ، دو حصے)

۴۔ الذکر المحمود فی بیان المولد المسعود ۔ (مطبوعہ ، کل صفحات ۸۴ ، نظم پنجابی)

نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سب توں نبی محمد نوں رب ڈِتّا شان اُچیرا ۔ علم غیب کھلایا اسنوں ورکیتا سب ظہیرا
رب اپنے ناں دے نال رکھایا ۔ نزدا قند دے سنتیں دوجے نوں لیند نہ آیا
جان ہجوں رسال غیب سنا ہیں ۔ وچ کلام اللہ دے ویکھو کہیا ہے رب سائیں
اسمٰی لیاس تیتر ظاہر غفلاں دا لے جانن ۔ غیبی علم نبی نوں جیہی بہر وہم شکر کماون [1]

۵۔ ربیع الثانی ، ۲۰ اگست (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کو حضرت مولانا ابو البرکات امام الدین قدس سرہ العزیز کا وصال ہوا۔

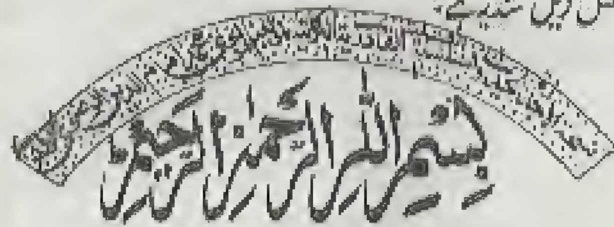
آپ کے پوتے جناب رضا المصطفیٰ چشتی معروف صاحب قلم ہیں لیکن افسوس کہ کوشش بسیار کے باوجود راقم الحروف ان سے حضرت کے تفصیلی حالات حاصل نہ کر سکا لہٰذا انہی معلومات کو پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آخر میں وہ سند اجازت پیش کی جا رہی ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے مولانا امام الدین کو عطا فرمائی تھی یہ سند رسالہ الاحتیاط النظر میں چھپ چکی ہے۔ اسی مطبوعہ سند کا عکس ہدیۂ قارئین ہے

---

[1] ۔۔۔ : نصرۃ الحق ، ص ۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد پس عرض کرتا ہے مسکین امام الدین متوطن کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کہ جو مجھے سند قرآن وحدیث اور اجازت سلسلہ قادریہ اعلیٰ حضرت عالم سنت ناظم ملت مفتی شریعت حامی طریقت صاحب حجت قاہرہ مؤید سنت ناہرہ مجدد مائۃ حاضرہ مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب حنفی قادری برکاتی بریلوی دام ظلہ و عم فضلہ سے حاصل ہے وہ بعینہٖ یہاں درج کی جاتی ہے ہر خاص و عام اسے پڑھ کر اطمینان حاصل کریں سند یہ ہے:



نحمدک للہ حمد من لا احد لہ ، وسند من لا سند لہ ، وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سید الکرام وسند الانام منتہی سلاسل الانبیاء العظام وعلی آلہ وصحبہ رواۃ علمہ ودعاۃ ادبہ وبعد فقد سالنی مجمع الفضائل منبع الفواضل حامی السنۃ والدین وماحی البدعۃ والمفسدین المولوی محمد امام الدین جعلہ اللہ کاسمہ امام الدین اجازۃ ما اروبہ عن مشائخی الکرام سیدنا ومرشدنا ومولائی و سندی کنزی وذخری لیومی وغدی سیدنا الشاہ ال الرسول الاحمدی رضی اللہ عنہ بالرضی السرمدی وسیدی ووالدی خاتم المحققین وامام المدققین حضرت المولی المولوی محمد نقی علی خان القادری البرکاتی البریلوی قدس سرہ القوی عن ابیہ الکریم العارف باللہ سیدنا المولوی رضا علی خان قدس سرہ وشیخ العلماء بالبلد الامین الامام المحدث الفقیہ الامین سیدنا المولی السید احمد بن زینی دحلان المکی قدس سرہ الملکی عن الشیخ عثمان بن دمیاطی وعن مولانا الامام الہمام سراج البلد الحرام عبد الرحمٰن ابن المولی عبد اللہ السراج مفتی الحنفیۃ بمکۃ المحمیۃ رحمہما اللہ تعالی عن المولی جمال بن عبد اللہ بن عمر مفتی الا

خناف ومولانا السید الصالح حسین صالح جمل اللیل شیخ الخطباء وامام الشافعیۃ بالبلد الحرم مکۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن المولیٰ عابد السندی ومولانا حمید مرشدی وصاحب سجادۃ الکریمۃ سیدنا الشاہ ابی الحسین احمد النوری قدس سرہ المعنوی و نفوری من اساتذتی بین المرادآبادی فاجزتہ بکل ما تصح لی روایتہ عن المشائخ الامجاد حجیں من القرآن العظیم واحادیث النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم من صحاح وسنن ومسانید وجوامع ومعاجیم وکذا اجزتہ بالسلسلۃ العلیۃ القادریۃ البرکاتیۃ بشرطہ المعلوم عند ذوی ھدی العلوم واوصیہ ان یعض بنواجذہ علی مذھب اھل السنۃ والجماعۃ ویجتنب جمیع اھل البدع والشناعۃ مثل کفار النیچریۃ والروافض والوھابیۃ الگنگوھیۃ الدیوبندیۃ والشیطانیۃ والکفار المرزائیۃ القادیانیۃ والبابیۃ والمتصوفۃ الباطلۃ الاباحیۃ الحلولیۃ ومبتدعی المفضلۃ والمتفلسفۃ واعداء التقلید وسائر الوھابیۃ الاسمٰعیلیۃ والامیرانیۃ وغیرھم من الضالین المضلین اعاذنا اللہ وایاہ والمسلمین عن شرھم اجمعین ولیتوجہ ما استطاع الی رد مکائدھم وسد مفاسدھم فان ھذا اجل مناصب العلماء وافضل ما ورثوا من الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام وابتغاء ان یجمل ظاھرہ وباطنہ بجلی اتباع السنۃ السنیۃ ویخلیھما عن دنس الفسوق ورذائل الدنیۃ وان لا ینسانی من دعائہ الصالح فی الملوین بالعفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والاخرۃ وتمام العافیۃ ودوام العافیۃ والشکر علی العافیۃ وان تکون رحمۃ لنا کافیۃ ولاسقامنا الظاھرۃ والباطنۃ شافیۃ وللاعداء عنا دافعۃ نافیۃ وان یقینی ربی وایاہ والمسلمین من درک الشقاء وجھد البلاء وشماتۃ الاعداء وسوء القضاء وان یجعلنی وایاہ من العاملین العلماء والحافظین حوزۃ الملۃ البیضاء والسنۃ الغراء وان یختم لنا جمیعا بالحسنیٰ ویقضی لنا بقضاء احسن المنیٰ وانا ادع لہ بذلک والحمد للہ خیر عالاٰلہ وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سیدنا الانام محمد وآلہ وصحبہ الکرام الیٰ یوم القیام – آمین – کتبہ عبدالمذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم – فی ۲۰ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ یوم الاربعاء



ھو

کاتب محمد الدین ساکن قریہ اکبر آباد ضلع سیالکوٹ

حضرت مولانا امام الدین نقشبندی راجے پوری قدس سرہ

پیر طریقت حضرت مولانا امام الدین ابن مولانا کرم الٰہی (قدس سرہما) غالباً ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۲ء میں چک عادل، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی پھر مختلف فاضل سے استفادہ کرتے ہوئے فقیہ اعظم مولانا محمد شریف خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما کی خدمت میں کوٹلی لوہاراں حاضر ہو کر جملہ علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ تکمیل علوم کے بعد راجے پور اعواناں، ضلع سیالکوٹ کو مرکز بنا کر تبلیغ دین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

حضرت امیر ملت قدس سرہ کے ارشاد کے مطابق آپ نے سلسلۂ تبلیغ کو تیز کر دیا اور قریہ قریہ پہنچ کر عوام کو دین متین سے روشناس کراتے رہے۔ اس سلسلے میں متحدہ پنجاب کے علاوہ بنگلور، میسور، بمبئی، احمد آباد اور مدراس تک دورے فرماتے رہے۔ پیر و مرشد کامل حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے پر آپ نے ماہنامہ انوار الصوفیہ، سیالکوٹ، کی ادارت اور جامع مسجد متصل گھنٹہ گھر سیالکوٹ چھاؤنی کی خطابت کے فرائض سنبھال لئے جنہیں تمام عمر حسن و خوبی انجام دیتے رہے۔

آپ ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے، آنے والے مہمانوں اور طلبہ پر حد درجہ شفقت فرماتے، علماء، صوفیاء اور سادات کرام کی دل و جان سے تعظیم و توقیر کیا کرتے بزرگان دین کے مزارات پر حاضری اور عرس میں شمولیت کو ترقی درجات کا ذریعہ جانتے بدمذہبوں سے سخت نفرت رکھتے تھے، تین دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے پیر و مرشد حضرت امیر ملت قدس سرہ کی پیروی میں ضلع سیالکوٹ کے چپے چپے

کا دورہ کر کے قیامِ پاکستان کے لئے راہ ہموار کی اور عوام و خواص کو مسلم لیگ کی تائید و حمایت پر آمادہ کیا قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کے لئے شب و روز کام کرتے رہے،

نصف صدی سے زیادہ عرصہ رشد و ہدایت میں گزار کر حضرت مولانا امام الدین راسنے پوری قدس سرہ ۸ر شعبان، ۲۰ر اپریل (۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء) کو عازمِ خلدِ بریں ہوئے نمازِ جنازہ حضرت سید حافظ محمد حسین شاہ سجادہ نشین علی پور شریف نے پڑھائی۔ آپ کا مزار راسنے پور اعوانان کی مسجد کے صحن میں ہے سلہ

سلہ محمد رضا المصطفیٰ چشتی : روزنامہ صولت لاہور، ۱۷ر اگست ۱۹۷۵ء

فاضلِ جلیل مولانا شیخ محمد امان اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ

مولانا شیخ محمد امان اللہ بن مولانا صدر الدین رحمہما اللہ تعالےٰ چک عمر ضلع گجرات میں پیدا ہوئے، زیادہ تعلیم والد ماجد اور عمِ مکرم مولانا مخدوم عالم سے پائی، مزید تعلیم کے لئے کچھ عرصہ کریسال ضلع جہلم میں رہے، اس عرصہ میں آپ کے بڑے بھائی مولانا شیخ عبد اللہ (چک عمر) آپ کی جدائی سے متاثر ہو کر فراقیہ اشعار لکھتے رہے جو ایک کتاب میں جمع کئے جا سکتے ہیں،

مولانا شیخ محمد امان اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ اپنے دور کے متبحر عالم اور عربی و فارسی کے اچھے شاعر تھے، آپ نے جوازِ جمعہ کے بارے میں ایک عربی رسالہ لکھا تھا جسے علماء نے نگاہِ تحسین سے دیکھا، یہ رسالہ پروفیسر قریشی احمد حسین، پروفیسر زمیندارہ کالج گجرات کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ مولانا شیخ محمد امان اللہ کو خاندانی تنازعات اور مقدمات کی وجہ سے علم و ادب کی خدمت کا موقع نہ مل سکا ورنہ وہ نہ معلوم کیسے کیسے جواہر پارے یادگار چھوڑتے

۲۹ر صفر، ۳۱ر اگست (۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) بروز جمعہ صبح کے وقت مولانا شیخ محمد امان اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ کا وصال ہوا اور چک عمر ضلع گجرات میں مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزندِ ارجمند مولانا اسلام اللہ شائق نامور عالمِ دین ہوتے ہیں سلہ



سلہ قریشی احمد حسین، پروفیسر : گجرات کی تمدنی تاریخ (قلمی)

واقفِ اسرارِ معرفت حضرت مولانا الحاج ابوالحقائق پیر سید امانت علی شاہ نظامی قدس سرہ

پیرِ طریقت حضرت مولانا ابوالحقائق پیر سید امانت علی شاہ نظامی ابن حضرت پیر سید برکت علی شاہ چشتی صابری قدس سرہما ۲۰ صفر المظفر، یکم اپریل (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۱ء) بروز پیر موضع گلمولی سیداں نزد کوٹ عیسیٰ خاں تحصیل زیرہ ضلع فیروزپور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم قدس سرہ سے جاملتا ہے۔

چھ سال کی عمر میں والدِ ماجد کے ہمراہ کپور تھلہ چلے گئے اور پندرہ برس کی عمر میں اپنے تایازاد بھائی حضرت پیر سید نادر علی شاہ (خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ معظم دین مرولوی خلیفۂ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدست اسرارہم) کے دستِ مبارک پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہوئے۔ بیعت کے بعد ظاہری اور باطنی علوم حاصل کئے اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ ایک دفعہ عرس کے موقع پر مقررین بروقت نہ پہنچ سکے تو آپ کے مرشد حضرت پیر سید نادر علی شاہ قدس سرہ نے فرمایا "امانت علی! آج آپ ہی وعظ کیجئے" آپ نے معذرت کی کہ میں نے کبھی تقریر نہیں کی، لیکن مرشد کے اصرار پر اٹھ کھڑے ہوئے، تائیدِ غیبی شامل ہوئی اور وعظ کا رنگ ایسا جما کہ سامعین محوِ حیرت رہ گئے، پھر کیا تھا، آپ نے باقاعدہ وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ کے مواعظ کا شہرہ دور دور تک پہنچا۔ مرشدِ کامل نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

پیر صاحب کو وعظ وارشاد میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اکابر بزرگانِ دین کی طرح آپ بھی وحدۃ الوجود کے قائل تھے، نہ صرف قائل بلکہ بہت بڑے مبلغ بھی تھے۔ آپ اپنے اکثر و بیشتر خطابات میں اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے بیان فرماتے، پیرایۂ بیان اسقدر دلنشیں ہوتا کہ ایک عام آدمی بھی اس دقیق مسئلے کو سمجھ لیتا، مثنوی شریف پر ناقابلِ یقین حد تک عبور تھا، جب آپ مثنوی شریف کے اشعار اپنے مخصوص انداز میں پڑھتے تو سامعین کیف و مستی سے سرشار ہو جاتے، آپ کی تقریر اسرارِ تصوف کی آئینہ دار ہوتی تھی۔

پیر سید امانت علی شاہ عابد شب زندہ دار بزرگ تھے، نمازِ تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے اور شریعتِ مطہرہ کی پیروی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھتے، سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں کبھی نماز قضا نہ ہونے دیتے، ہر جمعرات حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری دیتے اور ایک عرصہ تک ہر دوچندی جمعرات کو حضرت فریدالدین گنجشکر قدس سرہ کے آستانۂ عالیہ پر حاضری دیتے رہے، بزرگانِ سلسلہ و مشائخ کے عرس بڑے اہتمام سے مناتے۔

۱۹۴۳ء میں جامع مسجد عیدگاہ (جامعہ نعیمیہ) گڑھی شاہو لاہور کی انجمن کی استدعا پر آپ لاہور تشریف لائے۔ ۱۹۴۳ء میں گنج مغلپورہ لاہور کے چند احباب کے پیہم اصرار پر جامع مسجد شاہ کمال کی خطابت قبول فرمائی اور مسجد کے قریب آستانۂ بیت الامان میں قیام پذیر ہوئے، یہ مسجد پہلے مختصر تھی آپ کے تشریف لانے کے بعد خاصی وسیع و عریض اور خوبصورت بن گئی۔ آپ تادمِ واپسیں اسی مسجد میں اپنے ارشادات و مواعظ سے دلوں کی دنیا کو منور کرتے رہے۔

حضرت پیر صاحب شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے اور نظامی تخلص کرتے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں اہل وعیال سمیت حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے دربارِ رسالت میں منظوم ہدیۂ عقیدت پیش کیا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں :-

السلام اے مبتدا و منتہٰی　　السلام اے مقتدا و پیشوا
السلام اے واقفِ علمِ لدُن　　السلام اے رازدارِ امرِ کُن
السلام اے مظہرِ نور و وجود　　السلام اے مظہرِ علم و شہود
السلام اے ناظرِ قلبِ حقیر　　ایں نظامیؔ گنہگار و فقیر

۱۹۵۸ء میں حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا، چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

السلام اے مطلعِ انوارِ چشت　　السلام اے رہبرِ اہلِ بہشت
السلام اے ساقیٔ جامِ الست　　السلام اے از جمالِ یار مست
السلام اے پیکرِ حسن و جمال　　السلام اے ماحیٔ کفر و ضلال
ہو قبول اب تو نظامیؔ کا سلام　　آپ کا ہے یہ غلامانِ غلام

اردو میں بھی آپ نے طبع آزمائی کی ہے لیکن آبروئے قلم کو کسی دنیا دار کی مدح و ثنا سے ملوث نہیں ہونے دیا۔ صرف بزرگان دین سے اظہار عقیدت کے لئے اشعار کو وسیلہ بنایا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کی منقبت میں فرماتے ہیں ؎

رہا عمر بھر ہی مجھ کو ترے نام کا سہارا ۔۔۔ اسی طرح رات گزری اسی طرح دن گزارا
تجھی در کی آپ بیشک ہے جہاں چھان مارا ۔۔۔ ہوا منگتوں کا آخر ترے در پہ ہی گزارا
کھڑا در پہ رو رہا ہوں مجھے بھیک دو خدارا ۔۔۔ یہ ہے لاج بھی تمہاری ہے فقیر بھی تمہارا
ترے در پہ مل رہے ہیں کئی شاہ اور گدا بھی ۔۔۔ چہ شود اگر نوازی بہ نگاہ ایں گدا را

ذرا دیکھ لے نظامی کہاں خاک بوس تو ہے
تری ہے بلند قسمت ہے عروج پر ستارا

حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کی شان میں فرماتے ہیں ؎

رہے آستاں سلامت رہے برقرار شاہی ۔۔۔ کہ تمہارا نام ہے یہ ہماری کج کلاہی
ترے در پہ سرنگوں ہیں شاہوں کے تاج شاہا ۔۔۔ ترے فقر پر تصدق ہے ہزار بادشاہی
ترا نعرۂ فریدی ہے قبول بارگہ میں ۔۔۔ مرے کان میں ہے آتی یہ صدا سحر گاہی

ذرا دیکھ اے نظامی یہ ہے درگہ فریدی
کہیں بٹ رہی ہے جنت کہیں بٹ رہی ہے شاہی

آپ کے مرید اور خلیفہ جناب سید محمد اشرف بخاری آپ کے مواعظ و خطبات کو قلمبند کر لیا کرتے تھے، یہ خطبات مختلف عنوانات کے تحت چھپ چکے ہیں۔ مثلاً تئیس خطبات پر مشتمل ذکر و فکر، کلمہ طیبہ، آئینہ معرفت، تصور شیخ، حقیقت جامع، دعوت حق، شب قدر، شب معراج، رویت ہلال، سائنس اور مذہب اور مقام ولایت وغیرہ وغیرہ۔

حضرت پیر صاحب کے مریدین اور معتقدین کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ آپ کے بعد خلفاء کے نام یہ ہیں:-

۱۔ صوفی عبد الرحیم دیوانہ، مؤلف حق کی پہچان، محلہ گوال، باغبانپورہ لاہور۔
۲۔ حاجی صوفی محمد عالم، شہداد پور ضلع سانگھڑ، سندھ۔

۳۔ میاں وارث علی۔
۴۔ میاں سخاوت علی، موضع بھیرودن، تحصیل و ضلع لاہور۔
۵۔ سید محمد اشرف بخاری، محلہ حسین پورہ، آبادی کمہار پورہ لاہور۔

۷ر محرم الحرام، ۷ر مارچ (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) بروز جمعہ ۱۰ بجے صبح پیر سید امانت علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ نماز جنازہ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت پیر سید کرامت علی شاہ چشتی نظامی مدظلہ نے پڑھائی۔ مزار آستانہ بیت الامان گنج مغلپورہ لاہور میں ہے۔ مزار شریف پر خوبصورت گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی نے قطعۂ تاریخ وصال کہا ہے ؎

جناب پیر امانت علی وحید زمان ۔۔۔ رفیق مجلس آں فخر انبیاء آمد
چو سال رحلت شیخ زمان شرافت جست ۔۔۔ شہید عشق امانت علی ندا آمد [1]
۱۳۹۱ھ

---

[1] یہ تمام حالات جناب سید محمد اشرف بخاری زید مجدہ کی قلمی یادداشت سے لئے گئے ہیں۔

فقیہ اعظم مولانا مفتی محمد امید علی خاں قدس سرہ

حضرت مولانا مفتی محمد امید علی خاں ابن دلاور حسین خاں (پٹھان) ساکن موضع سکرو ڈیہہ تحصیل شاہ آباد ضلع گیا (صوبہ بہار) تقریباً ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے شاہ آباد میں میٹرک کیا اور ڈاک خانے میں کلرک ہو گئے، پھر کسی صاحب دل کی تاثیر صحبت سے علوم دینیہ کا شوق پیدا ہوا، مولانا محمد رسول خاں ہزاروی صدر مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ سے تعلیم حاصل کی متوسط کتب جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مولانا محمد معین الدین سے پڑھیں آخر میں مدرسہ عالیہ رامپور میں مولانا فضل حق رامپوری مولانا وزیر محمد اور مولانا منور علی سے تکمیل علوم کی مولانا سید محمد عبدالعزیز انبیٹھوی سے بھی مستفید ہوئے رامپور ہی میں مولانا قاری علی حسین اور مولانا قاری محمد عبدالرحمن پانی پتی سے تجوید و قرأت کی مشق کی بعض مسائل کی تحقیق کیلئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔

۱۹۳۶ء میں غزالیٔ زماں علامہ احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی دعوت پر بحیثیت مفتی و مدرس انوار العلوم ملتان تشریف لے گئے اور تاحیات وہیں رہے مفتی صاحب حضرت مولانا سید محمد خلیل محدث امروہی قدس سرہ (برادر بزرگ علامہ کاظمی مدظلہ) کے ساتھ بعض اسباق میں شریک بھی رہے مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے:

"میں خوش نصیب ہوں کہ ثلاثہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حشمت علی خاں لکھنوی و مولانا
ریاست علی خاں شاہجہانپوری (قدست اسرارہم) میں سے ایک (آخر الذکر) کا شاگرد
اور تینوں کا فیض یافتہ ہوں"

آپ علامۂ آفاق جامع علوم اور بے مثال مدرس تھے جود و سخا میں بے نظیر تھے ان گنت علماء نے آپ سے کسب فیض کیا، تصانیف میں سے ایک رسالہ القول الصحیح فی اثبات حیات المسیح ۱۹۵۲ء میں مدرسہ انوار العلوم سے شائع ہوا تھا۔ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں ۶۲ سال کی عمر میں وصال فرمایا پسماندگان میں ایک صاحبزادہ ایک صاحبزادی اور ایک بھائی چھوڑے مولانا حبیب احمد اوقی نے درج ذیل تاریخ وصال کہی [1]

بعد از دعائے مغفرت تاریخ العلق گو اتق　　شد داخل جنت مفتی امید علی والا مکاں
۱۳　　۵　　۸۳

[1] شرح حشمت علی قادری (دامہ) ملتانی ... [illegible]

قدوۃ العارفین حضرت پیر امیر شاہ بھیروی قدس سرہ العزیز

عارف کامل حضرت پیر امیر شاہ ابن حضرت پیر شاہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے [1] آپ کا سلسلۂ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق والدین حضرت زکریا ملتانی قدس سرہ سے ملتا ہے۔ قدرت نے آپ کو ابتدا ہی سے ذوق عرفان سے سرفراز فرمایا تھا سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیا اور تاعمر یہ سلسلہ جاری رہا دس سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا لیکن تائید ایزدی نے قدم قدم پر آپ کی راہنمائی و حفاظت فرمائی ابتدا میں حضرت پیر بہادر شاہ گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (بھیرہ) سے فیض روحانی حاصل کیا، پھر حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور آفتاب معرفت کے انوار و برکات سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے فیض نگاہ کا عالم یہ تھا کہ شرابی، اچکا اور بے نماز آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کی دنیا بدل جاتی اور ہر بدکردار نیک سیرت بن جاتے۔ مریض حاضر ہوتے تو شفایاب ہو جاتے غریب، مسکین، مسافر، بچہ، بوڑھا غرضیکہ جو بھی حاضر ہوتا آپ کی شفقت و عنایت سے محروم نہ رہتا، شریعت مطہرہ کی سختی سے پابندی کرتے، فرض تو کجا نوافل کی ادائیگی میں بھی تساہل نہ کرتے، مریدین کو اتباع شریعت کا تاکیدی حکم فرماتے تھے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے جناب پیر صدیق شاہ، حضرت پیر حافظ محمد شاہ اور جناب پیر فتح شاہ مدظلہ۔ آپ نے اپنی زندگی میں ہی منجھلے صاحبزادے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا حضرت پیر کریم شاہ مدظلہ العالی ناظم ضیاء الحرم لاہور آپ کے پوتے اور سجادہ نشین ہیں۔

۱۸ جمادی الاخریٰ ۶ دسمبر ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء بروز سہ شنبہ ۹۰ سال کی عمر میں رحلت ہوئی۔ تاریخ وصال یہ ہے:

جناب شاہ امیر عارف حق　　گزیدہ مظہر ذات حسینی
چو پا بیروں کشید از دار دنیا　　مقامے یافت در فردوس اعلیٰ
۱۳　　۵　　۴۶

[1] ... [illegible] ... ص ۱۶۱

مجاہدِ اسلام مولانا پیر سید امین الحسنات قدس سرہ (مانکی شریف)

ناصرِ ملت، مجاہدِ اسلام حضرت مولانا پیر سید امین الحسنات قدس سرہ ابن حضرت پیر عبدالرؤف قدس سرہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں مانکی شریف تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں والدِ گرامی کے وصال کے بعد سجادہ نشین قرار پائے۔ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں، حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بیباک، نڈر اور روشن دماغ راہنما تھے، دین و ملت کی محبت نے انہیں پیکرِ سیماب بنا دیا تھا۔ ان کی نہائی آرزو تھی کہ اسلامی حکومت ہو، اسلامی آئین نافذ ہو اور مسلمان دینی و سیاسی قدار کو اپنا کر ترقی و کامرانی کے راستے پر جادہ پیما نظر آئیں۔ انہی جذبات کے تحت ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور تحریکِ پاکستان میں کارہائے نمایاں انجام دے۔ خان عبدالغفار خاں، ڈاکٹر خان اور دیگر کانگرسی لیڈروں کا پوری ہمت سے مقابلہ کیا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ صوبہ سرحد (جسے کانگرس کا ناقابلِ شکست گڑھ سمجھا جاتا تھا) میں مسلم لیگ اور قیامِ پاکستان کے مطالبہ کو مقبولِ عام بنانے میں آپ کا بڑا دخل تھا۔ مانکی شریف نہایت بااثر گدی تھی اور صوبہ سرحد، قبائلی علاقوں اور سرحدی ریاستوں کے ہزارہا افراد آپ کے مرید تھے۔ آپ نے سرحد کے غیور پٹھانوں کو پوری کوشش سے نظریۂ پاکستان کی تائید و حمایت کے لئے تیار کیا۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی (کراچی) نے ایک انٹرویو میں آپ کی خدمات کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:۔

> "علماء کے ساتھ سابق پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے بڑی تندہی سے کام کیا اور یہی بات ہے کہ ان کی تائید و حمایت سے صوبہ سرحد کی سیاسی فضا میں وہ عظیم تغیر رونما ہوا جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔"[1]

[1] [illegible] ، جنوری ۱۹۶۰ء

حضرت پیر صاحب قدس سرہ کی دعوت ہی پر قائدِ اعظم نے پہلے پہل سرحد کا دورہ کیا اور دورۂ سرحد کے دوران کئی روز تک آپ کے ہاں قیام کیا۔ اسی طرح آپ ہی کے ایما پر قائدِ اعظم نے مجاہدِ آزادی مولانا عبدالحامد بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کو صوبہ سرحد میں بھیجا جنہوں نے طوفانی دورے کر کے نظریۂ پاکستان کو اجاگر کیا۔ ۱۹۴۵ء میں آپ نے علماء کا ایک وفد مولانا محمد گل کی قیادت میں جمہوریت اسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے ناظمِ اعلیٰ حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا جس نے حضرت صدرالافاضل سے نظریۂ پاکستان پر تفصیلی گفتگو کی۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کی اور اس پرجوش ایمانی سے اڑھائی گھنٹے تقریر فرمائی کہ عوام و خواص عش عش کر اٹھے۔ آپ نے دورانِ تقریر فرمایا:۔

> "میں نے قائدِ اعظم سے وعدہ لیا ہے کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا، یا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی تو آج جس طرح ہم آپ کو دعوت دے رہے ہیں اور آپ کی قیادت کو مان رہے ہیں، کل اسی طرح اس کے برعکس ہو گا۔"[1]

رئیس المتکلمین مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی نے ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں اجمیر شریف میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

> "پاکستان کے معنی اسلامی، قرآنی آزاد حکومت ہے، مسلم لیگ سے ہمارے سنی کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کے رکن حضرت سید شاہ امین الحسنات صاحب سجادہ نشین مانکی شریف (سرحد) نے لکھوا لیا ہے۔"[2]

آل انڈیا سنی کانفرنس کے علماء و مشائخ کے خصوصی اجلاس میں نظریۂ پاکستان کی توثیق و تائید میں نہایت سرگرمی سے قرارداد پاس کرائی۔

[1] ہفت روزہ سوادِ اعظم، لاہور ۲ / ۲ جنوری ۱۹۹۱ء

[2] الخطبۃ الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ، مطبوعہ اہل سنت برقی پریس، مرادآباد، ص ۸

۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں جب صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ نے پاکستان کا دورہ فرمایا تو حضرت پیر صاحب مانکی شریف ملاقات کے لئے لاہور تشریف لائے، حزب الاحناف، لاہور کے دفتر میں چار گھنٹے تک بند کمرے میں گفتگو ہوتی رہی، اس گفتگو میں حضرت صدر الافاضل، پیر صاحب مانکی شریف، حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی، تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابوالبرکات اور مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی (مدیر سواد اعظم، لاہور) شریک ہوئے، اس موقع پر حضرت پیر صاحب نے حضرت صدر الافاضل پر زور دیا کہ آپ دستور اسلامی کا ایک خاکہ مرتب کر دیں پھر ہم قائد اعظم سے منوا کر رہیں گے لیکن افسوس کہ اس کے تین ماہ بعد حضرت صدر الافاضل کا وصال ہو گیا، ادھر قائد اعظم کی بھی رحلت ہو گئی اور آئین اسلامی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

۱۹۵۲ء میں چین میں امن کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پیر صاحب مانکی شریف کو بھی مدعو کیا گیا تھا، پیر صاحب اشتراکی نظام کو دیکھ کر اس کی خوبیوں اور خامیوں کو جاننا چاہتے تھے، اس لئے پاکستانی وفد میں پیکنگ تشریف لے گئے۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کے اجلاس میں لاؤس، روس، چلی، پاناما، میکسیکو، انڈونیشیا، ویت نام اور ہندوستان کے مندوبین نے تقریریں کیں، ہندوستانی اور پاکستانی وفدوں نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں ایک مشترکہ فارمولا پیش کیا جسے بالاتفاق منظور کر لیا گیا، پاکستان کی طرف سے پیر صاحب مانکی شریف، سردار شوکت حیات، عطاء الرحمن اور میر عبدالقیوم نے دستخط کئے، فارمولے میں کہا گیا تھا کہ:

"ہندوستان اور پاکستان کے مابین جو بھی تنازعات ہیں ان کا فیصلہ امن اور آشتی سے ہونا چاہئے اور یہ حق باشندگان جموں و کشمیر ہی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کریں۔" [1]

[1] [illegible]، تا چین (سفرنامہ) [illegible] ص ۱۱۲

۱۹۴۶ء میں لیگ وزارت سازی کے سلسلے میں انتشار کا شکار ہو گئی تو پیر صاحب نے تمام ممبروں کو اپنی رہائش گاہ پر بلا کر اختلاف ختم کرا دیا اور متفقہ طور پر اس وقت کے بیرسٹر (موجودہ وزیر اعلیٰ) خان عبدالقیوم خاں کی حمایت کا اعلان کر دیا (اس قلمی فیصلے اور اعلان کا عکس آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے) نتیجہ یہ ہوا کہ لیگ کا نمائندہ کامیاب ہو گیا، خان عبدالقیوم خاں کی کامیابی میں پیر صاحب کا زبردست ہاتھ تھا۔

حضرت پیر امین الحسنات رحمہ اللہ تعالیٰ کے بے پناہ سیاسی اثر و رسوخ سے مرعوب ہو کر مخالفین نے یہ افواہ اڑا دی کہ پیر صاحب وزارت کے خواہش مند ہیں، یہ بات آپ نے نوابزادہ لیاقت علی خاں کو لکھ بھیجی، اس کے جواب میں ۹ر فروری ۱۹۴۷ء کو خان لیاقت علی خاں نے لکھا:

"آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا، اس میں آپ نے ذکر کیا ہے کہ فرنٹیر کے صوبہ میں اس چیز کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ میرے فرنٹیر کے قیام کے دوران میں آپ نے وزیر بننے کی خواہش ظاہر کی، یہ پروپیگنڈا بالکل بے بنیاد ہے اور ان لوگوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے جو پاکستان کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے۔

آپ کو معلوم ہے کہ جب وزارت بنائی جا رہی تھی تو آپ سے درخواست کی گئی تھی کہ آپ اس میں شریک ہوں اور وزارت کے عہدے کو قبول کریں، آپ نے اس وقت اپنی معذوری کا اظہار کیا تھا، اس مرتبہ جب میں آپ سے فرنٹیر میں ملا تو میں نے پھر اسی امر کا آپ سے ذکر کیا تھا مگر آپ نے حسب سابق اپنی معذوری کا اظہار کیا، ان حالات میں کسی شخص کا اس قسم کا غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا کرنا سخت قابل افسوس ہے، آپ کو اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔

آپ قوم کی اور اسلام کی خدمت بغیر کسی لالچ کے کر رہے ہیں اور ہر شخص آپ کی دیانت داری اور حقیقی خدمت سے واقف ہے، آپ جیسے

مخلص کام کرنے والے قوم کے لیے باعثِ فخر ہیں۔"

آئندہ صفحات میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اس خط کا عکس شامل کیا جا رہا ہے، یہ خط صرف نوابزادہ صاحب کی قلمی تحریر ہونے کی بنا پر غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے بلکہ پیر صاحب مانکی شریف کی ملکی و ملی خدمات کو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کے زبردست خراجِ تحسین کی تاریخی دستاویز بھی ہے، اللہ تعالے کا شکر ہے کہ اس دستاویز کو بہتر طور پر محفوظ کرنے کا شرف ہمیں حاصل ہوا ہے۔ ہمیں یہ مکتوب (قلمی) اور اخباری بیان (قلمی) جناب قاری عبدالرشید (لاہور) سے بتوسط مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ ملا ہے جس کے لیے راقم ان دونوں کا شکر گزار ہے۔

۱۹۵۵ء میں حضرت پیر صاحب مانکی شریف ارباب سیاست کی غیر تسلی بخش روش کی بنا پر سیاست سے الگ ہو گئے اور ملتِ اسلامیہ کی روحانی پیشوائی فرماتے رہے، اس وقت آپ جیسی شخصیتیں آج قوم کو پھر کسی امین الحسنات کی ضرورت ہے جو قوم کی صحیح راہنمائی کرے اور قوم کی کشتی کو گرداب بلا سے باہر نکالے۔

۵ جنوری ۱۹۶۰ء کو مانکی شریف سے کیمبلپور جاتے ہوئے فتح جنگ کے قریب آپکی کار حادثہ کا شکار ہوگئی ڈرائیور موقع ہی پر جاں بحق ہو گیا، پیر صاحب کی پسلیاں ٹوٹ گئیں ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں علاج ہوتا رہا لیکن کوئی خاص فائدہ نہ ہوا، ۲۹ رجب ۲۰ جنوری (۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء) کو مجاہد اسلام پیر صاحب مانکی شریف کا وصال ہو گیا، دوسرے روز لاکھوں عقیدتمندوں نے نمازِ جنازہ ادا کی اور آپ کو مانکی شریف میں دفن کر دیا گیا، ڈپٹی کمشنر پشاور نے بحیثیت نمائندہ صدرِ پاکستان جنازہ میں شرکت کی اور قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی۔ ۲۹ جنوری کو بطور سجادہ نشین آپکے بڑے صاحبزادے جناب روح الامین کی دستار بندی کرائی گئی جس میں صوبہ کے پشاور ولی عہد، علماء اور ممتاز شہریوں نے شرکت کی، مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمہ اللہ تعالے (مدیر سوادِ اعظم لاہور) نے تاریخ وصال کہی:

"آہ! مردِ میداں پیر صاحب مانکی شریف" ۱؎

۱۳۷۹ھ

۱؎ یہ تمام حالات سوادِ اعظم لاہور (شمارہ ماہ جنوری ۱۹۶۰ء) سے لیے گئے ہیں، البتہ جو معلومات دوسرے مقامات سے لی ہیں ـ ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ شرف قادری

PRIME MINISTER
PAKISTAN

کراچی
۔ فروری [illegible]ء

مخدومی و مکرمی پیر صاحب

السلام علیکم

آپکا مراسلہ نامہ موصول ہوا۔ اس میں آپ نے ذکر کیا ہے کہ فرنٹیئر کے صوبہ میں اس چیز کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ میرے فرنٹیئر کے قیام کے دوران میں آپ نے وزیر بننے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ پروپیگنڈا بالکل بے بنیاد ہے اور ان لوگوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے جو پاکستان کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے۔

آپکو معلوم ہے کہ جب وزارت بنائی جا رہی تھی تو آپ سے خود درخواست کی گئی تھی کہ آپ اس تحریک میں ہی اس وزارت کے عہدے کو قبول کر لیں۔ آپ نے اس وقت اپنی معذوری کا اظہار کیا تھا۔ دوسری مرتبہ جب میں آپ سے فرنٹیئر میں ملا تو میں نے پھر اسی امر کا آپ سے ذکر کیا تھا۔ مگر آپ نے حسب سابق اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ ان حالات میں کسی شخص کا اس قسم کا غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا کرنا سخت قابل افسوس ہے

آپکے دستخط حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کیلئے ہر طرح کا جھوٹ پروپیگنڈا کرنے میں بھی گریز نہیں کرتے۔

آپ قوم کی اور اسلام کی خدمت بغیر کسی لالچ کے کر رہے ہیں۔ اور ہر شخص آپکی دیانتداری اور حقیقی خدمت سے واقف ہے۔ آپ جیسے مخلص کام کرنے والے قوم کیلئے باعث فخر ہیں۔

امید ہے آپ بخیر وعافیت ہونگے۔

مخلص

لیاقت علی خان

بخدمت شریف جناب پیر صاحب مانکی شریف۔

ضلع پشاور

۸۴ء

ہم مندرجہ ذیل ممبران اسمبلی پبلک کے دلوں سے غلط فہمی دور کرنے کیلئے مندرجہ ذیل بیان مشترکہ طور پر اخبارات میں شائع کر دیتے ہیں۔ کچھ دنوں سے پبلک حلقوں میں یہ افواہ عام گشت کر رہی تھی کہ لیگ پارٹی میں وزارتی کشمکش کے وجہ سے اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم عزت مآب حضرت پیر صاحب مانکی شریف کے کوشش گذار ہوئے جنہوں نے آج رات مابین کشمکش والے ممبروں کو بلا لیا۔ اور ہم نے مکمل تحقیقات کرنے کے بعد جو کچھ تھوڑا سا اختلاف پارٹی میں موجود تھا۔ نہایت سنجیدگی کے ساتھ اختلافات کے جڑ کو مکمل طور پر نکال دیا۔ پارٹی کے ہر ایک ممبر نے صاحب پیر صاحب مانکی شریف کے ارشادات کو ہر قسم منظور کر کے تمام اختلافی مسائل کو ختم کر دیا

اور انتظامیہ کے تمام ممبران صاحبان متفقہ طور پر شریک ہو گئے۔ نیز سیکرٹری عبدالقیوم خان کی قیادت پر مکمل اعتماد ظاہر کیا۔

[illegible]

Abdul Qayyum

مولانا مفتی محمد امین الدین بدایونی قدس سرہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین الدین ابن جناب سراج الدین بدایونی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں موضع نداکل تحصیل سہسوان ضلع بدایوں (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ سکول میں پانچ جماعت تک پڑھنے کے بعد علم دین حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ ادھر ادھر کے ایک دینی مدرسے میں پڑھتے رہے، پھر جامعہ نعیمیہ مراد آباد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حضرت صدر الافاضل سے دورہ حدیث لیا، سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت پیر سید دانش علی شاہ صفی پوری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ مفتی صاحب عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ فن تعویذ میں بھی کمال رکھتے تھے۔

تحصیل علوم کے بعد کچھ عرصہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد اور دارالعلوم حنفیہ رضویہ بام پسند میں مدرس رہے۔ امرتسر ہی میں تھے کہ ملک تقسیم ہونے سے قبل فسادات شروع ہو گئے اور آپ ہجرت کر کے وطن چلے گئے اور وہاں بڑی تندہی سے ہجرت کرنے والوں کی امداد کی اور انہیں بسلامت پاکستان پہنچانے کے لئے تمام کوششیں کیں۔

۱۹۴۹ء کو اہل و عیال سمیت پاکستان تشریف لے آئے۔ ابتداءً دارالعلوم خدام الصوفیہ (گجرات) میں مدرس رہے، پھر جلال پور، پیر والہ تحصیل شجاع آباد چلے گئے جہاں آپ نے تعمیر مسجد کے علاوہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اسی دوران آپ نے تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ کچھ عرصہ بعد کاموکی کے احباب خصوصاً جناب الحاج محمد لطیف چشتی کے اصرار پر کاموکی تشریف لے آئے۔ مفتی صاحب کی تقریر پُر مغز اور عالمانہ ہوا کرتی تھی جس سے اہل علم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ مفتی صاحب کی مجلس شگفتہ اور نہایت پُر خلوص شخصیت سے ہر شخص مسحور ہو کر رہ جاتا تھا۔ علاقہ احباب کے علاوہ مفتی صاحب کا حلقہ تلامذہ بھی بہت وسیع ہے۔

مفتی صاحب کا ذاتی کتب خانہ بہت اعلیٰ قسم کا تھا اور آپ کتابوں کو نہایت حسن و

طولی سے رکھتے تھے۔ کامونکی منڈی سے لاہور گھر کے لئے سودا سلف خریدنے آتے تو سیدھے مولوی شمس الدین مرحوم تاجر کتب نادرہ کی دکان پر پہنچ جاتے، یہاں نادر کتابیں دیکھتے ہی طبیعت مچل جاتی تو کتابوں کا بنڈل بندھوا کر گھر کی راہ لیتے [1]

۷ جمادی الاخریٰ، ۲۱ دسمبر (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کو آپ کا وصال ہوا، آپ کے وصال پر اپنے تو اپنے، بیگانے بھی سوگوار ہو گئے۔

---

[1] یہ تمام معلومات حضرت مفتی محمد امین الدین کے فرزند ارجمند عزیزم مولانا محمد صابر صاحب نے فراہم کئے۔ مولانا محمد صابر بھی سلسلہ اپنے والد ماجد کی طرح درس العقیدہ اور مسلک اہل سنت ۔ ۔ عت کی خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں، مولا اللہ کریم انہیں حضرت مفتی صاحب کا صحیح جانشین بنائے، آمین۔

حضرت مولانا اول خاں رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا اول خاں رحمہ اللہ تعالیٰ تقریباً ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں بمقام دعوبیال (مردان) پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تحصیل علم کے لئے آپ نے دور دراز کا سفر کیا، اور افاضل زمانہ سے استفادہ کر کے تمام علوم خاص طور پر صرف، نحو، فقہ، منطق اور اصول میں شہرۂ آفاق ہوئے، علم اصول میں کمال مہارت کی وجہ سے اصولی بابا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ بنیر (سوات) جانے کے ارادے سے شہباز گڑھ (مردان) پہنچے تھے کہ وہاں کے علم دوست احباب نے وہیں قیام کرنے پر اصرار کیا چنانچہ مولانا نے شہباز گڑھ میں سکونت اختیار کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

طریق تعلیم یہ تھا کہ نصف شب کے بعد پڑھانا شروع کر دیتے اور صبح کی نماز تک اسباق پڑھاتے رہتے اور دن کو کھیتی باڑی کر کے اپنی معاش کا سامان مہیا کرتے، گرمیوں کی راتوں میں اگر کچھ اسباق رہ جاتے تو وہ کھیتوں میں جا کر پڑھاتے، یہ طریقہ آپ نے تقریباً چالیس برس تک جاری رکھا، دو گونہ مصروفیات کے باوجود شرح جامی، شرح حسامی اور نور الانوار پر حواشی لکھے جو طبع نہ ہو سکے، کابل، قندھار، دیر، بنیر اور پشاور کے بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۳ ذی قعدہ/ ۲۵ دسمبر (۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) پیر کی رات کو حضرت مولانا اول خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا [1]

---

[1] محمد امیر شاہ، پیر مولانا: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج ۱، ص ۲۴۴۔

مولانا سید ایوب علی رضوی قدس سرہٗ

فدائے رضویت مولانا سید ایوب علی رضوی ابن سید شجاعت علی ابن سید تراب علی ابن سید میر علی (قدست اسرارہم) بریلی شریف (صوبہ اتر پردیش بھارت) میں پیدا ہوئے، مڈل اسکول میں مڈل کرنے کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کی، کچھ عرصہ اسلامیہ اسکول، بریلی میں پڑھاتے رہے، پھر جب اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا تو اپنے آپ کو بارگاہِ رضویت کے لئے وقف کر دیا، لکھائی کا جو کام آپ کے سپرد کیا جاتا اسے حسنِ اہتمام سے انجام دیتے، رمضان شریف میں سحری اور افطاری کے نقشے مرتب فرماتے، دیگر علوم کے علاوہ حساب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے خوب خوب استفادہ کیا۔

مولانا سید ایوب علی رضوی، ڈاکٹر ضیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بریلی شریف حاضر ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"کسور اعشاریہ متوالیہ کی قوت کا تذکرہ آیا، ڈاکٹر صاحب نے بھی وہی فرمایا کہ تیسری قوت تک ہے، اس پر حضور (اعلیٰ حضرت قدس سرہ) نے میرے (مولانا سید ایوب علی رضوی) اور قناعت علی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میرے یہ دو بچے بیٹھے ہیں، انہیں جس قوت کا آپ سوال دے دیں یہ حل کر دیں گے، ڈاکٹر صاحب متحیر ہو کر ہم دونوں کو دیکھنے لگے۔" [2]

سید صاحب کربلائے معلی، بغداد شریف، نجف اشرف اور بصرہ میں بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری سے مشرف ہوئے، تین دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، ڈھائی سال تک مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے دو سال

---

[1] [illegible] ۱۹۹۹ء
[2] [illegible] ص ۱۵۱ -

بعد بریلی شریف میں رضوی کتب خانہ قائم کیا اور اعلیٰ حضرت کے متعدد رسائل شائع کئے، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے وصال کے بعد ان کے سوانح حیات مرتب کرنے کی تحریک آپ ہی نے سب سے پہلے کی تھی، حیاتِ اعلیٰ حضرت مؤلفہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہ کے اکثر و بیشتر واقعات آپ ہی کی روایت پر مبنی ہیں۔ مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں:-

"ہم رضویوں کو جناب حاجی مولوی سید ایوب علی صاحب رضوی بریلوی کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور برادرانِ طریقت کو توجہ دلائی، ان کی تحریک سے بعض احباب نے کچھ حالات ان کے پاس لکھ بھیجے اور زیادہ حصہ خود سید صاحب موصوف نے لکھا، جب ان کو میرے حیاتِ اعلیٰ حضرت لکھنے کی خبر ہوئی تو جو کچھ مواد ان کے پاس تھا سب مجھے عنایت فرما دیا۔" [1]

مولانا سید ایوب علی رضوی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فیضِ صحبت سے حد درجہ متاثر تھے، تقویٰ و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے، معاملات میں اس قدر محتاط تھے کہ جب تک ایک ایک پیسے کا حساب نہ چکا دیتے مطمئن نہ ہوتے، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء میں پاکستان آکر لاہور میں قیام پذیر ہو گئے، یہاں بھی رضوی کتب خانہ قائم کرکے متعدد رسائل شائع کئے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابو البرکات مدظلہ العالی اور محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائلپوری قدس سرہ کے دل میں آپ کی بے حد قدر و منزلت تھی، آخری چند سال آپ نے جامعہ رضویہ لائلپور میں گزارے۔

قدرت نے آپ کو شعر و سخن کا پاکیزہ ذوق عطا کیا تھا، حمد و نعت اور منقبت ایسے محبوب موضوعات پر عام فہم اور دلنشیں انداز میں اظہارِ خیال کیا کرتے تھے، مجموعۂ کلام "باغِ فردوس" کے نام سے دو حصوں میں طبع ہو چکا ہے، ایک حصے کا مزید مواد تھا جو شائع نہ ہو سکا، اس کے علاوہ شعادۃ التجدید علیٰ دیار القدسیۃ العربیۃ (۱۳۹۸ھ) منظوم اور رفیقِ زائرین (حجاج اور زائرین کے لئے ہدایات کا مجموعہ) وغیرہ رسائل شائع ہو چکے ہیں، ملوک الذکر رسالے میں آپ نے اپنی ایک نعت

---

[1] ظفر الدین بہاری، ملک العلماء: حیاتِ اعلیٰ حضرت [illegible] ص [illegible]

یہاں کی ہنگامہ پرور فضا سے اکتا کر پاور ہاؤس کے قریب چوبچہ گرو رام متصل ریلوے لائن امرتسر مولانا جان محمد سہروردی کی مسجد میں چلے آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، مولانا کی کوششوں سے مسجد کی تعمیر نو ہوئی اور جنگل میں منگل کا سماں پیدا ہو گیا، مولانا جید عالم، قابل قدر مرشد طریقت تھے، تمام عمر مرد میدان رہے، رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ غیر شرعی ہیئت کے کسی شخص کو آپ کے پاس حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

اسی دوران محکمہ ریلوے نے ریلوے لائن کا نقشہ پاس کر کے مسجد کو خالی کرنے اور متبادل جگہ دینے کا نوٹس دیا تو مولانا نے صاف انکار کر دیا اور مسجد کو منہدم کر کے لائن بچھانے کی اجازت نہ دی، آخر کار محکمہ ریلوے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا اور انہیں یہ نقشہ تبدیل کرنا پڑا۔ ۱۵ر شعبان المعظم، ۲۶ر فروری (۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء) بروز بدھ بوقت نماز عشاء آپ کا وصال ہوا، اسی مسجد میں آپ کا مزار ہے جو مسجد مولانا تاج الدین کے نام سے مشہور ہے، نماز جنازہ امام اہلسنت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ نے پڑھائی ہزاروں افراد جنازہ میں شریک ہوئے، مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ العالی، غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، پیر غلام دستگیر نامی، غازی علم الدین شہید کے علاوہ بیشمار علمائے کرام اور معززین شہر شامل تھے، وصال سے پہلے آپ نے اپنے مدفن کی نشاندہی کر دی تھی۔

اس جگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب غازی علم الدین شہید کو میانوالی جیل میں آخری وصیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے ایک بات یہ بھی کہی کہ میری نعش اس چارپائی پر قبرستان لے جائی جائے جس پر مولانا تاج الدین کا جنازہ اٹھا تھا، بدنام زمانہ گستاخ رسول راجپال کو قتل کرنے سے پہلے غازی علم الدین شہید کہا کرتے تھے:۔

"زندگی ہو تو ایسی ہو اور جنازہ ہو تو ایسا ہو!" [1]

---

[1] محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور: ماہنامہ ضیائے حرم لاہور (اکتوبر ۱۹۷۳ء) ص ۷۷ – ۸۱۔

امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ابن سید کریم شاہ علی پوری ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین سید اور سادات شیراز کے حضرت سید محمد ماہولان المعروف بہ قطب شیرازی کی اولاد امجاد سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے حضرت حافظ شہاب الدین کشمیری سے علی پور سیداں میں قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدائی کتب مولانا عبدالرشید علی اور مولانا عبدالوہاب امرتسری سے پڑھیں، مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے کسب فیض کیا، کانپور میں مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء سے بھی استفادہ کیا، علامہ زماں مولانا احمد حسن کانپوری سے علمی استفادہ کیا [1] مولانا قاری عبدالرحمن پانی پتی سے بھی فیضیاب ہوئے، حدیث شریف کی سند مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے حاصل کی [2]۔ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی نے بھی حدیث کی سند عطا فرمائی [3] سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ فقیر محمد المعروف باباجی علیہ الرحمہ (چورہ شریف) کے مرید ہوئے اور قلیل مدت کے بعد خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے [4]

آپ نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دیں، اسلام کا پیغام متحدہ ہندوستان (متحدہ پاک و ہند) کے کونے کونے تک پہنچایا۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنایا، ہزارہا عیسائیوں اور ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا، شدھی تحریک

---

[1] سید اختر حسین شاہ، پیر سید: تذکرہ امیر ملت، مطبوعہ ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء، لاہور، ص ۲۶۔

[2] ایضاً، ص ۳۰

[3] محمد دین کلیم: لاہور کے اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں، ص ۱۱

[4] سید اختر حسین شاہ، پیر سید: تذکرہ امیر ملت، ص ۳۰ – ۳۱

مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کے خلاف بھرپور جدوجہد کی اور آگرہ میں تبلیغی مرکز قائم کر کے طوفانی دورے کئے۔ مرزائے قادیانی کے دعاوی باطلہ کی زبردست تردید کی۔ شاہی مسجد، لاہور میں مرزا کی موت کی پیش گوئی کی جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الکاویہ علی الغاویہ، حصہ دوم، مصنفہ حضرت مولانا محمد عالم آسی امرتسری)

آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت (۱۹۲۰-۲۱ء) کے نقصانات سے مسلمانوں کو پوری طرح باخبر کیا۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک کے وقت شاہی مسجد لاہور میں ولولہ انگیز تقریریں کیں جس کی بنا پر آپ کو امیر ملت کا خطاب دیا گیا۔ آپ کے لاکھوں مریدین پاک و ہند اور دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور تمام مریدین کو مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی پرزور تلقین کی۔ ۱۹۳۹ء میں جب کانگرس وزارت سے مستعفی ہوئی تو قائد اعظم نے جمعہ ۲۲ ستمبر (۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) کو یوم نجات منانے کی اپیل کی۔ اس موقع پر آپ نے نماز جمعہ کے بعد علی پور سیداں میں دوران تقریر فرمایا:-

"دو جھنڈے ہیں ایک اسلام کا، دوسرا کفر کا۔ مسلمانو! تم کس جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو گے؟ حاضرین نے باواز بلند جواب دیا کہ اسلام کے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ جو کفر کے جھنڈے تلے کھڑا ہو تو کیا تم اس کے جنازہ کی نماز پڑھو گے؟ حاضرین نے انکار کیا۔ پھر آپ نے استفسار فرمایا کہ کیا تم اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرو گے؟ حاضرین نے بالاتفاق کہا نہیں ہرگز نہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس وقت اسلامی جھنڈا مسلم لیگ کا ہے، ہم بھی مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور سب مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہئے۔" [1]

دینی مدارس کی امداد اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں سلطان عبدالحمید کی اپیل پر

---

[1] [illegible] (روزنامہ الفقیہ امرتسر، ۷ فروری ۱۹۴۰ء)

آپ نے حجاز ریلوے فنڈ میں اپنے متوسلین کی طرف سے چھ لاکھ روپے جمع کرائے۔ ۱۹۱۲ء میں علیگڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کی غرض سے نواب وقار الملک نے امداد کی اپیل کی اور یقین دلایا کہ انگریزی کے ساتھ دینیات کی تعلیم لازمی ہوگی اور یونیورسٹی کی مساجد میں پنجوقتہ نمازوں کی حاضری تمام طلبہ پر لازمی ہوگی۔ آپ نے کئی لاکھ روپیہ اپنے حلقۂ ارادت سے جمع کروایا [1]

علامہ اقبال آپ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ کی صدارت کر رہے تھے کہ علامہ اقبال آکر آپ کے قدموں میں بیٹھ گئے اور کہا کہ بزرگوں کے قدموں میں بیٹھنا سعادت ہے۔ آپ نے فرمایا اقبال جس کے قدموں میں بیٹھ جائے اور کیا چاہئے؟ ایک موقع پر پیر صاحب نے از راہ عنایت فرمایا: ڈاکٹر صاحب! آپ کا یہ شعر ہمیں بھی یاد ہے؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس پر علامہ اقبال نے کہا:-

"میری نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کو میرا یہ شعر یاد ہے؟" [2]

آپ کے مریدین اور خلفاء میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ طبقہ شامل ہے۔ آپ نے بے شمار حج کئے (کم و بیش پچاس مرتبہ) دربار رسالت میں حاضری دی۔ سینکڑوں مسجدیں تعمیر کرائیں، متعدد مدرسے جاری کئے۔ ۱۹۰۴ء میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد لاہور میں رکھی۔ اس انجمن نے دینی اور ملی کارہائے نمایاں انجام دئے۔ کئی رسائل آپ کی سرپرستی میں شائع ہوتے رہے۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ لاہور (جو ان دنوں قصور سے شائع ہوتا ہے) اور ماہنامہ لمعات الصوفیہ سیالکوٹ پر آپ کی خاص نظر عنایت تھی۔ اس دور میں یہ رسائل بڑے وقیع مضامین پر مشتمل ہوتے تھے۔

---

[1] امین الدین سعید، صوفیائے نقشبند، ص ۳۵۳۔

[2] ایضاً، ص ۳۵۴۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں بحیثیت سرپرست شریک ہوئے۔ غرض آپ کے کارنامے نمایاں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں لیکن افسوس اس طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی[1] آپ کی سخاوت اور دریادلی کا ایک عالم میں چرچا تھا، کوئی سائل آپ کے دربار سے خالی نہ جاتا تھا، خاص طور پر عربوں کی بہت عزت و تکریم کرتے چنانچہ اہلِ عرب آپ کو ابوالعرب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ بے پناہ دینی اور ملی مشاغل کی وجہ سے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے، تاہم چند رسائل آپ سے یادگار ہیں:۔

۱۔ فرودِ بیعتِ شیخ: قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کے اقوال سے بیعت کی اہمیت کا بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ یارانِ طریقت:۔ بیعت کے روحانی فوائد۔

۳۔ اطاعتِ مرشد۔

۴۔ مریدِ صادق: مرید کی تعریف اور پیر و مرید کے تعلق کی وضاحت (یہ رسائل طبع ہو چکے ہیں)

[illegible]

علاوہ ازیں فضیلتِ نبوی پر ایک مقالہ تحریر فرمایا جو ماہنامہ انوار الصوفیہ سیالکوٹ میں شائع ہوا۔ ایک رسالہ فضائلِ مدینہ طیبہ پر لکھا جو ۱۹۰۰ء میں انوار الصوفیہ لاہور کے شمارہ ۱۱ میں شائع ہوا[2]

یارانِ طریقت کی ابتدا میں حافظ پیلی بھیتی کی ایک نعت شائع ہوئی تھی، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کسی کو مرض سے شفا چاہیے — ہمیں تو مرض لا دوا چاہیے
مدینہ کہاں اور یہ عاجز کہاں — پہنچنے کو بختِ رسا چاہیے
وہ مانیں نہ مانیں انہیں اختیار — ہمیں رات دن التجا چاہیے
محبت محبت تو کہتے ہیں سب — محبت کو ساماں بڑا چاہیے
شریعت کے آگے ہو گردن جھکی — طریقت پہ دل مبتلا چاہیے

[1] الحمد للہ! جناب پروفیسر محمد طاہر فاروقی (صدر شعبۂ اردو، پشاور یونیورسٹی) نے اس طرف توجہ دی اور ایک ضخیم سوانح مبارک مدون فرمائی ہے (مسودہ) اس کے علاوہ حضرت پیر سید حمید حسین شاہ مدظلہ نے "تذکرہ شمعِ جماعت" مرتب فرمایا ہے جو مئی ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

[2] حمید حسین شاہ، پیر سید: تذکرہ شمعِ جماعت، ص ۴۳-۴۴۔

جو آنکھوں میں آنسو تو لب پر ہو آہ — موافق یہ آب و ہوا چاہیے۔
ہو منہ زرد، لب خشک آنکھیں ہوں تر — دمِ سرد، آہِ رسا چاہیے
ادھر لب کہیں ہائے یا نبی! یا نبی! — ادھر دل سے نامِ خدا چاہیے
جو موت آئے تو زندگی بن کے آئے — قضا کی نرالی ادا چاہیے
دمِ خاتمہ بھی ہو لب پہ یہ بات — مجھے خاتم الانبیاء چاہیے

جو قسمت سے ایسی محبت ملے
تو حافظ کو پھر اور کیا چاہیے [1]

امیرِ ملت ابوالعرب حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کا وصال ۲۶ ذیقعدہ ۲۶ر اور ۲۷ر کی درمیانی شب، ۳۰ر اگست (۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو ہوا۔ آپ کا مزار انور علی پور سیداں میں مرجعِ خلائق ہے، ہر سال نہایت شان و شوکت سے آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں مریدین شرکت کرتے ہیں۔

[1] جماعت علی شاہ، امیرِ ملت پیر سید: یارانِ طریقت، ص ۲

امام الاصفیاء حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری قدس سرہ

منبع خیر و برکت پیکرِ رشد و ہدایت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی بن حضرت سید کریم علی شاہ قدس سرہما ۲۱ ماہ ساون ۱۹۲۶ بکرمی (۱۲۶۹ھ/۱۸۶۰ء)[1] جمعۃ المبارک کے روز بمقام علی پور سیداں پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے۔ آپ کے اجداد میں ایران کے نامور بزرگ حضرت نظام الدین شاہ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ ولی کامل گزرے ہیں۔ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی قدس سرہ بچپن میں کم گو اور تنہائی پسند واقع ہوئے تھے۔ عام بچوں کی طرح کھیل کود میں بہت کم حصہ لیتے تھے۔ آٹھ نو برس کی عمر میں مولانا عبدالرشید علی پوری سے علوم کا درس لینا شروع کیا۔ کلام مجید پڑھنے کے بعد فقہ، حدیث اور تصوف کی چیدہ چیدہ کتابیں پڑھیں۔

ویسے تو آپ تمام اسباق توجہ اور محنت سے پڑھتے تھے لیکن تصوف سے زیادہ شغف تھا کہ اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کے سوانح اور حالات کا مطالعہ بہت مرغوبِ خاطر تھا۔ تصوف اور بزرگانِ دین کے اس تعلق نے آپ کے دل میں عشقِ الٰہی کی شمع فروزاں کر دی، اب آپ کو مرشدِ کامل کی جستجو ہوئی تاکہ روحانی پیاس کو معرفت کے آبِ زلال سے تسکین دی جا سکے۔

تلاشِ مرشد میں آپ کئی دفعہ چورہ شریف حضرت خواجہ فقیر محمد المعروف باباجی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب دل پوری طرح مطمئن ہو گیا تو گھر سے بیعت کا ارادہ لے کر لاہور پہنچے کیونکہ آپ کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت باباجی لاہور میں تشریف فرما ہیں۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ آپ موضع پٹیالہ تشریف لے گئے ہیں چنانچہ آپ لاہور سے پٹیالہ پھر

---

[1] انسائیکلوپیڈیا ؛ فیروز سنز لاہور ۲ ص ۵۱۸۔

[2] محمد سلیم نقشبندی، مولانا ؛ ضیائے لاثانی (طیب بکڈپو، نشاط آباد، لائل پور) ص ۱۸۔

موضع دھونکل (وزیرآباد) اور وہاں سے سیالکوٹ پہنچے اور [illegible] سے مشرف ہوئے بہت جلد مدارج سلوک طے کرتے ہوئے اس مرتبہ پر پہنچے [illegible] سے نوازے گئے[1] آپ کے دل میں اپنے شیخ کی بے پناہ محبت تھی۔ چورہ شریف کے علاقے کا کوئی شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس کا بے حد احترام فرماتے اور شفقت [illegible]

علی پور شریف میں دو ایسے باکمال بزرگ آرام فرما ہیں [illegible] کے علاوہ حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ تھے اس نے حضرت خواجہ [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثانی صاحب کا امتیازی لقب عطا فرمایا تھا بعد ازاں آپ کی ترقی درجات کے پیش نظر لاثانی کا لقب عطا فرما دیا۔ مرشدِ کامل نے اپنے جس مرید کو لاثانی کا لقب عطا فرمایا ہو اس کا ثانی کون ہوگا؟[2]

حضرت لاثانی قدس سرہ اتباعِ شریعت، اخلاقِ عالیہ، مریدین کی اصلاح و تربیت، سادگی اور بے نفسی میں بے نظیر تھے، پنج وقتہ نماز باجماعت، تہجد، اشراق پوری پابندی سے ادا کیا کرتے تھے، اوراد و وظائف سفر و حضر میں باقاعدگی سے پڑھتے اور ہر معاملے میں سنتِ نبوی کی پیروی کو پیشِ نظر رکھتے تھے، خلقِ خدا کی اصلاح کے لئے آپ کے فرمودات آج بھی کامیابی کی دلیل ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے:

- سب سے بڑی کیمیاگری یادِ حق ہے۔
- جس جگہ سے آدابِ شریعت اٹھ جائیں وہاں سے فقر کا اثر بھی ختم ہو جاتا ہے۔
- درویش کے لئے دو چیزیں بربادی کا باعث ہیں حرصِ دنیا اور نامحرم عورتوں سے تعلق۔
- تین چیزوں کی حد نہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجات، سیر سلوک اور ادب۔[3]

ویسے تو آپ کے فیضِ صحبت سے ہزاروں افراد مستفیض ہوئے، بڑے بڑے علماء

---

[1] محمد سلیم نقشبندی، مولانا ؛ ضیائے لاثانی ، ص ۲۳-۲۶۔

[2] ارشاد احمد ہاشمی ؛ ماہنامہ سلسبیل "تذکرۃ الاولیاء جدید" (خاص نمبر، جنوری، فروری ۱۹۷۲ء)، ص ۲

[3] محمد سلیم نقشبندی، مولانا ؛ ضیائے لاثانی ص ۶۱-۶۲۔

آپ سے بیعت ہوئے لیکن جن حضرات کو آپ نے خلعتِ خلافت سے نوازا، ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے، چند خلفاء کے نام یہ ہیں :-

۱۔ مولانا سید چراغ علی شاہ ، مراڑہ شریف۔
۲۔ مولانا میاں احمد دین لنگاہی ، سیالکوٹ۔
۳۔ مولانا محمد شفیع ، موضع بڑھتہ ضلع گورداسپور۔
۴۔ صوفی محمد الدین مدراسی۔
۵۔ پیر محمد شریف ، تتووال۔
۶۔ مولانا حکیم عبد الغنی ، موضع الہڑ ضلع سیالکوٹ۔
۷۔ مولانا فضل الٰہی ، وغیرہم [1]

۱۲ شعبان المعظم، یکم اکتوبر (۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا آپ کا مزار پُر انوار علی پور سیداں میں مرجع انام ہے، ہر سال عرس پر ہزاروں عقیدتمند حاضر ہوتے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں [2] قطعۂ تاریخ وصال درج ذیل ہے ؎

ثانی صاحب آں امام المتقین — رہنمائے عابدین و زاہدین
چوں بہ عقبیٰ نقل از دنیا نمود — جملہ احبابش شدہ اندوہگین
گفت ہاتف بہر وصالش از سما — کعبۂ اہلِ فہم در خُلدِ بریں [3]
۱۳ ۵ ۸

[1] محمد علیم نقشبندی، مولانا : ضیائے لاثانی ص ۸۳۔۸۴
[2] امین الدین، سید حکیم : صوفیائے نقشبند ، ص ۳۵۰
[3] محمد رفیق، صوفی : انوار لاثانی، مطبوعہ مجاہدی پرنٹنگ پریس (۱۳۹۴ھ) ص ۱۹۰

مرجع الفضلاء والاکابر حضرت مولانا حافظ محمد جمال الدین ملتانی قدس سرہٗ

تاج الاصفیاء، امام الاولیاء، حضرت مولانا حافظ محمد جمال الدین بن محمد یوسف ابن حافظ عبد الرشید (قدست اسرارہم) تقریباً ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں ملتان شریف میں پیدا ہوئے [1] اپنے دور کے اجلہ فضلاء سے علوم و فنون کی تحصیل کی۔ آپ دورِ طالب علمی ہی میں علم و فضل، ذکاوت و فطانت میں تمام طلبہ پر فوقیت رکھتے تھے، جو بھی آپ سے مباحثہ کرتا اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ کتاب دائرۃ الاصول تک علم حاصل کیا تھا کہ آپ کو شرحِ صدر حاصل ہو گیا اور جذبۂ الٰہیہ اس قدر غالب ہوا کہ عبادات و ریاضات میں منہمک ہو گئے [2] مرشدِ کامل کا شوق پیدا ہوا، اسی تلاش میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانی قدس سرہ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوتے، ہر روز ایک قرآن کریم ختم کرتے اور پیر کامل کیلئے دعا مانگ کر سو جاتے۔ ایک رات حضرت خواجہ خواجگان خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا ارشاد ہوا، فوراً مہار شریف حاضر ہوئے اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں مرید ہو گئے۔ حضرت حافظ صاحب کو اپنے شیخ سے عشق کی حد تک محبت تھی، سفر و حضر میں حاضرِ خدمت رہتے اور وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے [3]

ایک دفعہ حضرت شاہ فخر دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ ملتان میں حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا سہروردی قدس سرہ کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرف کام نہیں کرتا اور دوسرے سلسلے کا کوئی بزرگ وہاں کسی کی بیعت نہیں کرتا۔ حضرت شاہ فخر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجۂ عالم مہاروی قدس سرہ کو فرمایا :-

[1] عبد الحق مہر، ڈاکٹر : نورِ جمال (مرکزی ادبی بورڈ ملتان، ۱۹۷۳ء) ص ۱۷۔
[2] عبد العزیز پرہاروی، حافظ العصر : گلزار جمالیہ (مطبع ابوالعلائی، آگرہ ۱۳۴۵ھ) ص ۸۰۷۔
[3] خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت (بحوالہ مناقب المحبوبین) ص ۵۹۹۔۶۰۱۔

"اب تک ملتان حضرت بہاء الحق کی ولایت تھی لہٰذا وہاں کسی دوسرے ولی کا تصرف کارگر نہیں ہوتا تھا۔ اب ملتان ہمارے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ اب ضروری ہے کہ تم وہاں اپنا کوئی مرید بھیجو اور کہو کہ حضرت شیخ بہاء الدین کی خانقاہ میں جا کر مخلوق کو مرید کرے اور اپنا تصرف جاری کرے۔"

چنانچہ حضرت خواجہ مہاروی نے دہلی سے واپس آ کر حضرت مولانا حافظ محمد جمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کو ملتان بھیج دیا۔ انہوں نے مولانا خدا بخش کو خانقاہ حضرت شیخ بہاء الحق میں بیٹھ کر مرید کیا۔[1]

حضرت حافظ صاحب علم و فضل کے بحر ذخار تھے، دقیق سے دقیق مسائل کو اس طرح بیان کرتے کہ کند ذہن طلبہ بھی بآسانی سمجھ لیتے۔ مسئلہ وحدۃ الوجود پر حیرت انگیز عبور رکھتے تھے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مولانا جامی کی کتابوں کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ نفحات الانس، مثنوی شریف، لوائح جامی، اشعۃ اللمعات اور فصوص الحکم نہایت ہی پسند تھیں، خاص طور پر فصوص الحکم کے فص محمدی سے تو یہاں تک محبت تھی کہ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے ذکر بھی کر دیتا تو جھوم جاتے۔[2] آپ نہایت بااخلاق شخصیت کے مالک تھے، بچوں کے ساتھ حد درجہ شفقت سے پیش آتے، غرباء کی دلجوئی کو بہت اہمیت دیتے، اگر کسی غریب کے ہاں دعوت پر تشریف لے جاتے تو خوشی کے آثار آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوتے۔

ایک دفعہ روزہ سے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو مدعو کیا، آپ اسی طرح تشریف لے گئے، کھانے کے وقت روٹی کے لقمے توڑ توڑ کر رکھتے رہے اور پاس بیٹھے ہوئے احباب کھاتے رہے حتیٰ کہ چند ہمراہیوں کے علاوہ کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ آپ نے

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر : تاریخ مشائخ چشت ص ۵۹۸، ۵۹۹۔

[2] عبدالعزیز پرہاروی : علامۃ العصر : گلزار جالیہ ص ۸۔

کھانا نہیں کھایا۔[1]

حضرت حافظ صاحب علامۂ وقت اور شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ مرد حق اور مرد میدان بھی تھے۔ آپ کے دور میں پنجاب سکھوں کے تسلط میں آ چکا تھا، سکھوں نے کئی مرتبہ ملتان پر حملہ کیا لیکن آپ کی زندگی میں ملتان پر قابض نہ ہو سکے۔ ایک رات آپ کو معلوم ہوا کہ سکھ ملتان کا محاصرہ کر کے حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی آپ شمشیر و سناں سے مسلح ہو کر جوانوں سے بھی آگے نکل گئے اور ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کیا۔ محاصرہ سے پہلے بعض لوگوں نے کہا کہ "ہمیں یہاں سے دوسری جگہ چلے جانا چاہیے تاکہ کافروں کے حملے سے محفوظ رہیں۔" اس پر حضرت حافظ صاحب نے فرمایا:

"اب عام ابتلاء کا دور ہے اور جہاد فرض عین ہو چکا ہے
اس وقت ہم کہیں نہیں جائیں گے، اب ہمارے لئے دو ہی محمود
انجام ہیں کہ ہم غازی ہوں گے یا شہید۔"[2]

حضرت حافظ صاحب خوف و ہراس سے ناآشنا تھے، تیر اندازی میں اس قدر ماہر تھے کہ دوسروں کو یہ فن سکھایا کرتے تھے۔

آپ بہت لطیف مزاج تھے، عمدہ لباس زیب تن فرماتے، آپ کی انگوٹھی پر "اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ" نقش تھا۔[3] آپ فرماتے تھے کہ خرق عادت یہ ہے کہ نفس کی عادات مثلاً شکم سیری، بے فائدہ گفتگو اور عبادات میں سستی کو خوراک کی کمی، خاموشی اور ریاضت سے توڑ دے، نیز فرمایا کرتے تھے جو امر بھی ظاہر ہو یہی سمجھنا چاہیے کہ یہ درحقیقت اللہ عزوجل کا فعل ہے اور ماسوا صرف وہم ہے۔[4]

---

[1] عبدالعزیز پرہاروی، علامۃ العصر : گلزار جالیہ ص ۱۰۔

[2] خلیق احمد نظامی، پروفیسر : تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۳، ۶۰۴۔

[3] عبدالعزیز پرہاروی، علامۃ العصر : گلزار جالیہ ص ۷۔

[4] ایضاً : ص ۱۹-۲۱۔

حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سلاسلِ اربعہ میں مجاز تھے لیکن سلسلۂ عالیہ چشتیہ سے زیادہ اُنس رکھتے تھے اس لئے اکثر و بیشتر اسی سلسلہ میں مرید کیا کرتے تھے [1]

۵ر جمادی الاولیٰ ۲۹ر مئی (۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء) کو آپ نے وصال فرمایا اور ملتان میں محوِ استراحتِ ابدی ہوئے، کسی نے "تاریخِ وصال" کہی ؎

خرد زسالِ وصالش چو جُستجو ئے کرد
ندائے داد سروشم کہ "یافت خوبِ وصال" [2]

آپ کے بعد حضرت مولانا خدا بخش ملتانی مصنف رسالہ توفیقیہ (توحید کے موضوع پر) سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت حافظ صاحب کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا [3] آپ کے خلفاء عظام کے اسماءِ گرامی یہ ہیں :-

۱۔ علامۃ الدہر مولانا عبد العزیز پرہاروی (صاحب نبراس شرح شرح عقائد و کتب کثیرہ)
۲۔ مولٰسنا زاہد شاہ۔
۳۔ مولٰسنا غلام حسن۔
۴۔ مولٰسنا قاضی عیسیٰ خان پوری۔
۵۔ مولٰسنا عبید اللہ ملتانی۔
۶۔ مولٰسنا حامد۔
۷۔ مولٰسنا غلام فرید وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ)

---

[1] عبد العزیز پرہاروی، علامۃ العصر : گلزار جمالیہ ص ۱۸۔
[2] خلیق احمد نظامی، پروفیسر "تاریخ مشائخ چشت" ص ۶۰۶۔
[3] ایضاً ، ص ۶۰۶۔

فاضلِ اجل مولانا سیّد چراغ شاہ گجراتی قدس سرہ العزیز

مولانا سید چراغ شاہ ابن سید محمد شاہ موضع بوکن مضافات گجرات میں ایک غریب سید گھرانے میں ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ اوائلِ عمر میں حضرت بابا جنگو شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ (جن کا مزار مبارک موضع کھوکھر المعروف ڈیرہ بابا جنگو شاہ میں مرجع خاص و عام ہے) کے ارشاد پر سیالکوٹ چلے گئے اور استاذ الاساتذہ مولانا غلام مرتضیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس میں شریک ہو گئے۔ صرف چند سال میں مروجہ علوم پر عبور حاصل کر کے دستارِ فضیلت حاصل کر لی۔ استاذِ مکرم کے وصال کے بعد ان کی جگہ مسجد کبوتراں والی میں درسِ قرآن و حدیث دینا شروع کیا اور تا حیات تشنگانِ علوم دینیہ کو اپنے فیض سے سیراب فرماتے رہے۔

مولانا صاحب قلم بزرگ تھے، ان کی بیشتر تصانیف اخلاف کی بے پرواہی سے ضائع ہو چکی ہیں البتہ مکرمی سید نور محمد قادری مدظلہ (نبیرہ حضرت موصوف) کے پاس بڑے سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ایک قلمی بیاض موجود ہے جس میں آپ نے اختلافی مسائل مثلاً شفاعت، عبادت، استعانت، علم غیب، بدعت اور تقلید وغیرہ پر فاضلانہ بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بعض نادر تحریریں محفوظ ہیں مثلاً :

۱۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سجادہ نشین سید محمد صالح قادری سے لیکر سیدنا آدم علیہ السلام تک شجرۂ نسب۔
۲۔ مناقب الاصفیاء، اُچ شریف کے بزرگوں کا تذکرہ، مرتبہ مولانا عبد اللہ نوشلم ابدالی ثم اُچی۔

---

[1] اقبال کے استاد علامہ میر حسن، منشی محمد دین فوق کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "میری طالب علمی کے زمانہ میں جہاں دو درگاہیں تھیں ایک سید کبوتراں والی جہاں مولوی غلام مرتضیٰ صاحب جو نہایت پایہ کے فاضل اجل، فرشتہ سیرت و صورت بزرگ تھے درس دیا کرتے تھے ایسے درگاہ و خانقاہ کا آدمی اور مرد اَرنی میں نے نہیں دیکھا" (نقوش، مکاتیب نمبر، جلد دوم، ص ۵۰۸ (۱۹۵۷ء))

۳۔ مولانا جان محمد لاہوری کی ایک تقریر ، وظیفہ وغیرہ

معاصرین میں سے حضرت مولانا قاضی سلطان محمود، مولانا غلام حسن ساہو والہ، مولانا غلام حسین ساہو والہ اور ادیب یگانہ علامہ محمد حسن فیضی ساکن بھیں (ضلع جہلم) کے ساتھ آپ کے گھرے مخلصانہ روابط تھے۔

۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء میں آپ کا وصال ہوا، مولانا محمد حسن فیضی نے عربی میں اور مولانا غلام حسین نے فارسی میں غزلیں اور پُردرد مرثیے کہے۔ مولانا غلام حسین نے موصوف کے نام مبارک چراغ شاہ کی مناسبت سے "بے ادجمانے بے چراغ" (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) تاریخ وصال کہی، تاریخی شعر درج ذیل ہے ؎

ثوب کالکم زد رقم "بے ادجمانے بے چراغ"
پس "پیر حفی الحق عنہ" نیز "تاریخش شمار"

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے جن میں سے مولانا حافظ سید عبداللہ شاہ، مولانا سید نوراللہ شاہ سیالکوٹی اور حکیم سید ظہوراللہ شاہ اپنے دور کے ممتاز فاضل تھے [1]

---

[1] یہ تمام حالات مکرمی سید نور محمد قادری مدظلہ مولف "اعلیٰ حضرت کی مجالس بیعت" اور "اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر" سے فراہم کئے ہیں۔

مجاہدِ ملت حضرت مولانا حامد جلالی قدس سرہ

حضرت مولانا سید حامد جلالی ابن حضرت مخدوم سید امیر حمزہ تقوی جلالی دہلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) ۲ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ حضرت مخدوم ناصر جلالی (م رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ) آپ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ سے ملتا ہے۔ گیارہ برس کی عمر میں مولانا قاری حافظ سید محمد، امام عیدگاہ شاہی، دہلی سے قرآن پاک حفظ کیا بعد ازاں مدرسہ عالیہ جامع فتحپوری دہلی میں تمام علوم کی تکمیل کی۔ مدرسہ طبیہ دہلی سے سند حکمت حاصل کی۔ اپنے پیر و بزرگ کے ساتھ مل کر جماعت اخوان الصفا قائم کی اور متعدد جرائد مثلاً ماہنامہ حق، شعلہ و بیکل، اتحاد وغیرہ جاری کئے۔ ۱۹۳۵ء میں کراچی سے ماہنامہ زبانِ ہند جاری کیا۔

۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور اپنا تن من دھن تحریک پاکستان کی کامیابی کیلئے وقف کر دیا۔ اتحاد عالم اسلامی کے زبردست داعی، مجلس اتحاد عالم اسلامی کے صدر اور جمعیۃ علماء پاکستان کے سرپرست تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ماہنامہ اذان جاری کیا اور آخر میں ماہنامہ علم و عرفان نکالا۔

حضرت مولانا سید حامد جلالی متعدد کتب کے مصنف تھے۔ تفسیر قرآن کریم اور بخاری شریف کی شرح آپ کی یادگار ہے۔ مجلس محبان علامہ اقبال کے صدر تھے، علامہ اقبال کے بارے میں کئی کتابیں سپرد قلم فرمائیں۔ مثنوی مولانا روم کے تقریباً حافظ تھے اور بڑے دلکش انداز میں اس کی شرح فرماتے تھے۔ حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ممالک اسلامیہ کا دورہ کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے محب، اولیاء کرام کے پیروکار اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فلسفے کے دلدادہ تھے۔

۱۵ مئی ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں کراچی میں آپ کا وصال ہوا۔

زبدۃ الاصفیا حضرت مولانا صوفی حامد علی قدس سرہ

(لیہ، ضلع مظفر گڑھ)

حضرت مولانا صوفی حامد علی قدس سرہ اپنے دور کے بہترین مدرسین میں شمار ہوتے تھے، موجودہ دور میں تقوی و پرہیز گاری کے اعتبار سے سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ آپ کے ابتدائی حالات معلوم نہ ہو سکے، راقم نے سیال شریف میں آپ سے نحو میر پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی، ان جیسے انہماک سے پڑھاتے ہوئے بہت کم اساتذہ کو دیکھا گیا ہے۔

حضرت مولانا صوفی حامد علی قدس سرہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت پیر بارو دام ظلہ العالی سے بیعت اور مستفیض تھے۔ طویل عرصہ تک سیال شریف میں پڑھاتے رہے پھر غالباً ۶۱ء یا ۱۹۶۲ء میں لیہ ضلع مظفر گڑھ میں جامعہ نعمانیہ رضویہ کی بنیاد رکھی، تدریس کے لئے بہترین مدرسین کا انتظام کیا، گرد و نواح کے متلاشیانِ علمِ دین جوق در جوق آنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ مدرسہ ایک مثالی درس گاہ بن گیا۔

۱۹ رجب، ۱۹ جولائی (۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) بروز جمعہ حضرت استاذی المکرم مولانا صوفی حامد علی قدس سرہ کا وصال ہوا اور لیہ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ اب وہ محلہ جہاں آپ نے مدرسہ قائم کیا تھا "حامد آباد" کے نام سے معروف ہے آپ کے بھتیجے مولانا محمد اقبال سلمہ ربہ ہونہار اور زیرک نوجوان ہیں، خدا کرے وہ جامعہ نعمانیہ رضویہ کی بقا اور ترقی کی کوششوں میں کامیاب ہوں۔

جناب فدا حسین فدا مدظلہ نے قطعۂ تاریخ وصال تحریر کیا ہے

نہ کیونکر اہلِ علم و فضل کے دل آج ہوں خونچکیں — ہوئے جو حضرت حامد علی دنیا سے رخصت
انہیں محبوب تھا دینِ رسولِ ہاشمی واللہ! — حریفِ اہلِ باطل تھے وہ الحق قاطعِ بدعت

وہ پابندِ شریعت بھی تھے اور اہلِ طریقت بھی — انہیں ہر حال میں مطلوب تھی اسلام کی خدمت
علومِ دین میں یکتا تھے وہ بیشک بزمِ عالم میں — نشاں ہر دل میں ہے ان کے کمالِ فضل کی عظمت
بفیضِ رحمۃ للعالمین از لطفِ ربانی — بنے گی بقعۂ انوارِ یزداں آپ کی تربت

سنِ ترحیل میں ان کے فدا غلطاں ہوئے یہ بھی
ندا یہ عرش سے آئی، لکھو "صوفی ملک خصلت"

۱۳ ھ ۹۶

صوفی باصفا ڈاکٹر حبیب الرحمٰن برقی قدس سرہ

حضرت ڈاکٹر حبیب الرحمٰن برقی بن حضرت حاجی محمد رمضان لدھیانہ میں پیدا ہوئے، اپنے وقت کے ممتاز اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ فرنگی محل (لکھنؤ) دیوبند اور جامعہ ازہر (مصر) کے فاضل تھے۔ کچھ عرصہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی رہے۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں ایم۔اے کیا، پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی، چاروں زبانوں میں بلاتکلف گفتگو فرماتے تھے۔ طبقۂ مشائخ میں موجودہ دور میں اس قدر پڑھا لکھا شاذ ہی کوئی ہو۔ حضرت صوفی محمد حسین مرادآبادی شیخ و مرشد حضرت شاہ معراج الحق چشتی کے مرید تھے لیکن تربیت ان کے مرید حضرت مولانا صوفی انور علی شاہ صاحب (دہلی بھیت) نے فرمائی جو بفضلہ تعالیٰ ابھی تک بقید حیات ہیں، آپ نے دنیا کے بہت بڑے علاقے کی سیاحت کی۔ قیام پاکستان کے بعد لاکھوں روپے کی جائیداد چھوڑ کر پاکستان تشریف لے آئے اور انارکلی (لاہور آرٹ پریس) کے قریب قیام کیا۔ آخری دنوں میں دھنی رام روڈ منتقل ہو گئے۔

آپ سلاسل ستہ (قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ صابریہ، سہروردیہ، قلندریہ اور اویسیہ) میں مجاز تھے۔ اس قدر باکمال ہونے کے باوجود تمام عمر چٹائی پر بیٹھ کر گزار دی، آپ کو اہل دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا، ہر وقت ذکر خدا و مصطفیٰ (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں رطب اللسان رہتے۔ ایک دفعہ راقم الحروف حاضر ہوا تو فرمایا "مولوی! اس وجود کا کیا اعتبار جس کے پہلے بھی عدم ہو اور بعد بھی عدم" یعنی حقیقۃً وجود و موجود تو صرف اس کی ذات ہے جو لم یزل اور لایزال ہے۔

علمائے اہل سنت سے انس اور محبت رکھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ "مولانا احمد رضا خاں بریلوی عاشق رسول اور مرد مجاہد تھے۔ وقت آیا تو بتاؤں گا کہ وہ کیا تھے"، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائلپوری کی نسبت طریقت میں آپ کے بھتیجے (یعنی شاہ معراج الحق چشتی کے مرید تھے جو حضرت صوفی محمد حسین مرادآبادی کے خلیفہ و مرید تھے) تھے۔ ان کا ذکر بڑی

محبت سے فرماتے تھے، ایک دفعہ فرمایا "سردار واقعی سردار ہے، انہوں نے مختصر عرصے میں بہت بڑا کام کیا ہے" ایک مرتبہ برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر القادری کو میرے متعلق فرمایا کہ "اگر مولانا محمد سردار احمد کا مرید نہیں ہو سکا تو اسے ان کے کسی خلیفہ مجاز کا مرید کرا دو۔"

حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مختلف قسم کے لوگ حاضر ہوتے تھے، آپ ان سے ایسی گفتگو فرماتے کہ انہیں تسلیم کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ شیعہ مکتب فکر کے مولوی اسمٰعیل ملاقات کے لئے آئے تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا "مولانا! ایک شخص اپنی ماں کو گالی دیتا ہے اس کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟" انہوں نے کہا کہ وہ بڑا بے ادب ہے، گستاخ ہے وغیرہ وغیرہ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ذرا سوچئے تو سہی کہ جو لوگ اپنی بلکہ تمام مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی کرتے ہیں، ان پر بہتان طرازی کرتے ہیں، ان لوگوں کی کیا پوزیشن ہے؟" مولوی صاحب سے خاموشی کے بغیر کوئی جواب نہ بن سکا۔

ایک صاحب پہلی دفعہ ملاقات کے لئے آئے اور حسب عادت کہنا شروع کیا کہ دیکھئے بعض لوگ کہتے ہیں "یا غوث اعظم دستگیر" اور انبیاء و اولیاء کے لئے علم غیب ثابت کرتے ہیں، یہ سب شرک ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت اطمینان سے تمام گفتگو سنی اور فرمایا میں نبی نہیں ہوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ہوں لیکن تمہاری پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں، محارم کو بغیر نکاح کے لئے پھرتے ہو اور پھر انبیاء و اولیاء کے علم پر طعن کرتے ہو، ذرا ہوش سنبھال کر بات کرو، وہ صاحب چپ چاپ اٹھ کر چل دیے۔

راقم نے آپ کی پیرانہ سالی میں زیارت کی لیکن اس وقت بھی آپ کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ اردو اور فارسی کے بے اندازہ اشعار آپ کو یاد تھے۔ آپ ایک ماہر طبیب تھے، طبی نسخے لکھواتے تو بلاتکلف کئی کئی آدمیوں کو لکھوا دیتے۔ مریدین کا حلقہ کافی ہے، انہیں اعمال و اذکار کی تعلیم دیتے۔ آپ کی گفتگو میں لطیف مزاح اور بذلہ سنجی کی چاشنی بھی بدرجۂ اتم موجود ہوتی تھی جسے صرف پڑھے لکھے لوگ ہی محسوس کرتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے۔

---

۲۱ ذوالحجہ، ۲۰ مارچ (۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء) بروز بدھ آپ کا وصال ہوا اور بہاول پور روڈ میانی صاحب میں دفن ہوئے۔ نماز جنازہ برادر محترم جناب مولانا محمد عبدالغفار ظفر القادری

نے پڑھائی

وصال سے چند دن قبل کھانا پینا ترک کر دیا تھا اور صرف جوشاندے کے سہارے پر اکتفا فرماتے تھے۔ ایک دن آپ کے صاحبزادے جناب محمد اکرام الحق نے عرض کیا کہ کچھ تناول فرمالیں، آپ نے فرمایا تیس سال بعد خدا خدا کر کے میں نے اپنے پیٹ کو طعام سے پاک کیا ہے اب پھر اس سے ملوث کرنا چاہتے ہو؟

آپ شعر و سخن کا پاکیزہ ذوق بھی رکھتے تھے، ایک رباعی درج ذیل ہے ؎

ہے عشق ولا بوترابی ہی نہیں — پیسے تند ہے گلابی ہی نہیں
کافر ہے جو علی کو خدا کہتا ہے — پی کے جو نہ بہکے وہ شرابی ہی نہیں [1]

---

[1] یہ تمام حالات برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر القادری تریدہ (ڈاکیہ) سے فراہم کیے۔

مولانا محمد حبیب اللہ نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤلف تفسیر نعمانی

پنجابی زبان کے مشہور شاعر و مفسر مولانا محمد حبیب اللہ بن نظام دین کمبوہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں ضلع امرتسر کے گاؤں کمبوہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، سکول میں مڈل تک اردو، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مختلف اساتذہ سے فارسی، صرف اور نحو کی کتابیں پڑھیں، ترجمہ قرآن مجید، تفسیر اور طب پڑھی، پولیس میں بھرتی ہو گئے، اٹھارہ سال تک کانسٹیبل، ہیڈ کانسٹیبل، ہیڈ محرر اور تھانیدار کی حیثیت میں کام کرتے رہے، محکمہ پولیس کو چھوڑ کر عطار عام کا کام کرتے رہے پھر امرتسر میں دکان کھول لی اور قیام پاکستان کے بعد چک ۸۶/۵۔آر ہارون آباد میں سکونت پذیر ہو گئے [1]

مولانا محمد حبیب اللہ نعمانی پنجابی کے قادر الکلام شاعر اور کثیر التصانیف مصنف تھے، رسالہ تقلیدیہ میں انہوں نے بعض ایسی باتیں لکھ دی تھیں جو نادانستگی پر مبنی اور حقائق کے خلاف تھیں اس لئے مولانا نبی بخش حلوائی نے تفسیر نبوی اور بعض دیگر رسائل میں ان پر سخت گرفت فرمائی، مولانا النعمانی سلیم الطبع اور حق پرست شخصیت تھے لہٰذا بروایت مولانا اللہ دتا مدظلہ (راقم کے والد گرامی) انہوں نے ان غلط باتوں سے رجوع کر لیا۔

برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر الصابری (ڈالمیہ) کے نام مولانا کے بعض مکاتیب جو انہوں نے وصال سے کچھ عرصہ پہلے (۱۹۵۰-۵۳ء) میں لکھے تھے اور مولانا کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے ایک مخطوطہ سے (جو راقم کے پاس محفوظ ہے) پتہ چلتا ہے کہ مولانا صحیح العقیدہ اور متصلب سنی تھے، مولائے کریم نے توفیق عطا فرمائی تو ان پر کسی وقت الگ مقالہ لکھا جائے گا ان شاء المولیٰ الکریم۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔

مولانا کی تصانیف کے نام یہ ہیں (مطبوعہ)

۱۔ حبیب التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعمانی (تقریباً ۲۲ سیپارے)
۲۔ گلزار موسیٰ
۳۔ گلزار عیسیٰ
۴۔ گلزار آدم
۵۔ گلزار یوسف (احسن القصص قصص المحسنین)
۶۔ مجموعہ خطبات
۷۔ مجموعہ خطب اصلاحیہ
۸۔ تفسیر سورۂ والضحیٰ
۹۔ اکرام المصطفیٰ
۱۰۔ تفسیر سورۂ یٰسین
۱۱۔ جنگ حبیب
۱۲۔ تفسیر ہفت سورہ
۱۳۔ حالات حضرت نوشہ
۱۴۔ توضیح مرام (نثر)
۱۵۔ قصہ جابر
۱۶۔ رسالہ التقلید
۱۷۔ باغ بہشت المعروف بہ رنج گنج۔

غیر مطبوعہ تصانیف :-

۱۸۔ اخبار الغیب، ترجمہ و شرح قصیدہ حضرت نعمت شاہ ولی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
۱۹۔ تفسیر سورۂ فاتحہ، وغیرہ وغیرہ۔

۱۶ رجب، ۲۲ مارچ (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) بروز سوموار صبح آٹھ بجے آپ کا وصال ہوا[1]۔ حکیم محمد صادق چک ۸۶/۵ آر ہارون آباد آپ کے فرزند ہیں اور مطب کرتے ہیں۔

---

[1] مکتوب جناب حکیم محمد صادق بنام برادرم مولانا محمد عبدالغفار ظفر العابدی، لائل پور

طبیب روحانی و جسمانی حضرت مولانا حکیم خادم علی سیالکوٹی قدس سرہ

حضرت مولانا حکیم خادم علی قدس سرہ العزیز کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے[1] علوم دینیہ اور طب میں فخر روزگار تھے، شعر و شاعری میں کمال رکھتے تھے حضرت حکیم صاحب حافظ قرآن اور ظاہری علوم میں باکمال ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی علوم میں بھی بلند مقام رکھتے تھے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ حافظ محمد عبدالکریم قدس سرہ (راولپنڈی) کے مرید ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے اور ان کے وصال کے بعد حضرت امیر ملت محدث علی پوری سے بھی فیض پایا، حضرت حکیم صاحب قادر الکلام خطیب تھے، ان کی تقریر اور منظوم کلام میں بلا کا سوز تھا، انہوں نے شریعت و طریقت، طب و حکمت اور علم و ادب کی گرانقدر خدمات انجام دیں، آپ کا کلام حکمت و موعظت اور پند و نصیحت کا قابل قدر ذخیرہ ہے، آپ کی متعدد تصانیف شائع ہو کر مقبول عوام و خواص ہو چکی ہیں، افسوس کہ ہمیں کوشش کے باوجود ان کے تفصیلی حالات نہ مل سکے۔

حضرت حکیم صاحب نے اپنے فیض کرامت پر طب کا پردہ ڈال رکھا تھا، ہزاروں افراد حاضر ہوتے اور اپنی ظاہری و باطنی بیماریوں کا علاج کروا کر واپس جاتے۔ آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع ہے۔ جس جگہ آپ قیام فرماتے تھے اس سڑک کا نام حکیم خادم علی روڈ رکھ دیا گیا ہے۔ حضرت حکیم صاحب غریب پرور اور وفا شعار بزرگ تھے۔ حکیم عبداللہ سکھ مذہب چھوڑ کر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے، ان کی وفات کے بعد آپ طویل عرصہ تک ان کے مطب واقع اڈہ شہباز پر تشریف لے جاتے رہے اور مریضوں کو نسخے لکھ کر دیتے رہتے تاکہ حکیم عبداللہ مرحوم کا مطب چلتا رہے اور ان کے بچوں کی کفالت ہوتی رہے[2]

---

[1] زبدۃ الحکماء حکیم آفتاب احمد قریشی نے آپ کا سن ولادت ۱۸۹۶ء لکھا ہے (مجلہ طبیہ، ۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۲)

[2] بروایت مولانا محمد جام سیالکوٹی، بحوالہ حکیم ابو بکر۔ [3] بروایت برادرم جناب محمد صادق ... ۔

موجودہ دور کے مشہور زمانہ طبیب اور فاضل جناب حکیم نیر واسطی مدظلہ کے تأثرات ملاحظہ ہوں :-

" راقم الحروف نے گذشتہ اگست کے آخری ہفتے کے چند دن سوات میں گذارے ، واپسی پر معلوم ہوا کہ طبِ قدیم کی عظیم یادگار جسے حکیم خادم علی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا بھی ہم سے چھن گئی۔

سرزمینِ سیالکوٹ نے جہاں شاعری میں اقبال کو جنم دیا وہاں طب میں حکیم خادم علی جیسی عظمت کو پیدا کیا۔ حکیم خادم علی رحمۃ اللہ علیہ علم و عمل اور فنِ طب میں کمال کے علاوہ تصوف ، شعر اور ادب میں بھی ید طولےٰ رکھتے تھے اور اللہ تعالےٰ کی فیاضیوں نے وہ تمام خصوصیتیں مرحوم میں جمع کر دی تھیں جو آج سے چند سو سال پہلے ہماری قوم میں پائی جاتی تھیں۔

سنا ہے حکیم صاحب نے ایک سو بائیس[1] سال کی عمر پائی ، لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ مدت چشم زدن میں گذر گئی اور ہم اسلاف کی اس دولت مستقبل سے کچھ بھی استفادہ نہ کر سکے ، آج آپ کی وفات سے نہ صرف سیالکوٹ ہی میں اندھیرا چھا گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں علم و حکمت کی آخری شمع کے پروانے کی وہ خاکستر بھی نذرِ حوادث ہو گئی جو رونقِ محفل کی آخری یادگار تھی آہ ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک [2]

[1] جناب حکیم آفتاب احمد قرشی نے آپ کی عمر ۱۰۵ سال لکھی ہے ۔ (مجلہ طبیہ لاہور ، اکتوبر ۱۹۷۱ء ، ص ۱۶)

[2] حکیم علی احمد نیر واسطی ، حکیم سید ... ، ماہنامہ ... لاہور ، ستمبر ۱۹۷۱ء ، ص ۷ ۔

جناب حکیم آفتاب احمد قرشی لکھتے ہیں :-

" وہ بلاشبہ اس دور کے قطب تھے ، ان سے لاکھوں انسانوں نے فیض پایا ، وہ مستجاب الدعوات تھے جو دعا بھی کرتے بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل کرتی ، وہ مردِ مومن تھے ، ان کی نگاہ تقدیر کو بدل دیتی تھی ، ان کی ذات سے بے اختیار کرامتیں صادر ہوا کرتی تھیں ، وہ چشمۂ فیض تھے جس سے لاکھوں انسان شادکام ہوئے اس کے باوجود انھوں نے بہت کم حضرات کو بیعت کیا ، فخرِ سیالکوٹ حکیم خادم علی فرمایا کرتے تھے میں خود گناہ گار انسان ہوں ، دوسروں کے بوجھ اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے ۔

رئیس الاطباء حکیم خادم علی طب میں یگانہ حیثیت کے حامل تھے .... مریض کا معاینہ کرتے تو مریض کا ماضی ، حال اور مستقبل ان پر روشن ہو جاتا ، وہ اصل مرض کی نشاندہی کرتے ، ان کی انگلیوں پر سو سو تھرمامیٹر قربان تھے ، وہ صاحبِ کمال تھے .... غریبوں اور یتیموں سے انہیں دلی الفت تھی ، یتیم لڑکیوں کی شادی کا انتظام ، غریب طلباء کی تعلیم کا اہتمام کرتے ، انھوں نے سینکڑوں طلباء کو تعلیم دلائی ، مگر یہ امداد خاموشی سے کیا کرتے تھے ۔

وہ بزرگوں کے مزار پر حاضری بھی دیا کرتے ، سرہند شریف ، اجمیر شریف ، کلیر شریف جاتے ، آزادی کے بعد وہ چورہ شریف ، پاکپتن ، لاہور اور راولپنڈی کا سفر کر کے اپنے ذوق کی تسکین کرتے ، وہ نغز گو شاعر تھے ، انھوں نے بارگاہِ نبوت میں عقیدت و نیازمندی کے جذبات کو دلآویز اشعار کی صورت میں پیش کیا ہے ، وہ عاشقِ رسول تھے ، وہ صاحبِ طرز ادیب تھے ، ان کا خط بڑا پختہ تھا ، وہ خود خطوط کا

جوا لکھا کرتے تھے" ـله

حضرت حکیم غلام علی صاحب قدس سرہ کا وصال ۲۸ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ/ ۲۰ر اگست ۱۹۷۱ء بروزِ جمعہ ہوا ـ۲ه دور دور سے ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ سیالکوٹ میں آپ کا مزارِ پُر انوار تعمیر ہو چکا ہے جہاں عقیدت مند آج بھی اسی محبت سے حاضر ہوتے ہیں اور فیضیاب ہو کر لوٹتے ہیں۔

آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم عبدالحی مدظلہ آپ کے جانشین ہیں اور طب و حکمت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔



ـله آفتاب احمد قریشی "ولیِ کامل"، مجلہ طیبہ لاہور، اکتوبر ۱۹۷۱ء، ص ۵-۶۔

ـ۲ه آفتاب احمد قریشی "ولیِ کامل"، مجلہ طیبہ لاہور، اکتوبر ۱۹۷۱ء، ص ۶۔

حضرت مولانا حافظ دوست محمد للّٰہی قدس سرہ

حضرت مولانا حافظ دوست محمد ابن حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی (قدس سرہما) ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۴۹-۵۰ء میں للہ شریف (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ شیر خوار ہی تھے کہ عارفِ یگانہ حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری قدس سرہ نے آپکو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"مولوی حافظ دوست محمد کو دعا"

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ حافظ بھی ہوئے اور مولوی بھی۔ تکمیلِ علوم کے بعد تین سال تک والدِ ماجد سے کسبِ سلوک کیا اور سلسلۂ مجددیہ کے مقامات کی تکمیل کر کے سرہند شریف میں حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے ایماء سے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

والدِ ماجد حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی قدس سرہ کے وصال کے بعد مسندِ ارشاد پر فائز ہوئے اور حق و صداقت کی جانب خلقِ خدا کی رہنمائی فرمائی۔ غرباء اور مساکین کو الطافِ خسروانہ سے نوازتے اور اہلِ دنیا سے کچھ غرض نہ رکھتے، صاحبِ حال ہوتے ہوئے کمال اخفاء سے کام لیتے۔ اہلِ حاجت حاضر ہوتے اور آپ کی نگاہِ التفات سے کامیاب ہو کر لوٹتے۔

۱۸ر ذوالحجہ ۱۰ر اپریل (۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۱ء) کو آپ کا وصال ہوا اور للہ شریف میں اپنے والدِ ماجد کے پہلو میں محوِ استراحت ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ محمد عبدالرسول قدس سرہ ہادیٔ خلق بنے لیکن عین عالمِ شباب میں ۲۹ سال کی عمر میں ۸ر رمضان المبارک، ۲۰ر اگست (۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء) کو راہیٔ دارِ آخرت ہوئے ـله اس وقت حضرت خواجہ محمد عبدالرسول کے پوتے حضرت خواجہ محمد مطلوب الرسول مدظلہ العالی سلف کے طریقے پر چلتے ہوئے تبلیغ و ارشاد میں مصروف ہیں۔ مولائے کریم مسترشدین پر ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔

ـله محمد حسن نقشبندی، مولانا: حالاتِ مشائخِ نقشبندیہ مجددیہ، ص ۳۰۶-۳۰۷۔

امام المحدثین حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہٗ العزیز

مرجع الفضلاء والمحدثین مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء بروز پیر محلہ نواب پورہ الور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے عم مکرم باخدا بزرگ مولانا سید نثار علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"بیٹی! تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دینِ مصطفوی کو روشن کریگا اس کا نام دیدار علی رکھنا"[1]

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباء واجداد مشہد سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے۔

آپ نے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں الور میں مولانا قمر الدین سے پڑھیں، مولانا کرامت اللہ خاں سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی، فقہ ومنطق کی تحصیل مولانا ارشاد حسین رام پوری سے کی، سندِ حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے حاصل کی، حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید وخلیفہ تھے، سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مولانا سید علی حسین کچھوچھوی اور سلسلۂ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ مجاز ہوئے[2]

حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی

---

[1] غلام مہر علی، گولڑہ: الیواقیت المہریہ، ص ۱۱۷
[2] عبد النبی کوکب، قاضی: اخبار جمعیت، لاہور ۶ فروری ۱۹۵۸ء، ص ۳
[3] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہلسنت وجماعت لاہور، ص ۲۶۲-۲۶۹

کے درمیان بڑے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صدر الافاضل نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ذکر کیا اور ملاقات کی رغبت دلائی، حضرت سید المحدثین نے فرمایا:

"بھائی مجھے ان سے کچھ حجاب سا آتا ہے، وہ پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے طبیعت سخت ہے"

لیکن حضرت صدر الافاضل دوستانہ دباؤ کی بنا پر بریلی لے ہی گئے، ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا نے عرض کی حضور مزاج کیسے ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

"بھائی کیا پوچھتے ہو پٹھان ذات ہوں، طبیعت کا سخت ہوں"

کسر نفسی کی یہ کیفیت دیکھ کر مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے، سر عقیدت نیاز مندی سے جھکا دیا اس طرح بارگاہِ رضوی سے نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم ہوگیا[1]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ اور آپ کے قابل صد فخر فرزند مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابو البرکات مدظلہ العالی کو تمام کتب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت فرمائی[2] اور اجازت وخلافت عطا فرماتے ہوئے تمام اوراد ووظائف کی اجازت فرمائی۔ تکمیل علوم کے بعد کچھ سال مدرسہ اشاعت العلوم، [illegible] میں رہے۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں الور میں قوت الاسلام کے نام سے ایک دار العلوم قائم کیا، پھر لاہور تشریف لاکر جامعہ نعمانیہ میں [illegible] رہے۔ ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء میں مولانا ارشاد حسین رام پوری کے ایماء پر آگرہ میں شاہی مسجد کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں دوبارہ لاہور تشریف لائے اور مسجد وزیر خاں میں خطابت کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دار العلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جہاں سے سیکڑوں علماء وفضلاء اور مدرسین پیدا ہوئے، آج پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہوگا جہاں حزب الاحناف کے

---

[1] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہلسنت وجماعت، ص ۲۶۸-۲۶۹
[2] دیدار علی شاہ، امام المحدثین: مقدمہ میزان الادیان بتفسیر القرآن، ص ۸۰
[3] نقوش، لاہور نمبر، ص ۹۲۹

فارغ التحصیل علماء دینی خدمات انجام دے رہے ہوں [1]

حضرت کی ذات ستودہ صفات محتاجِ تعارف نہیں، بے باکی اور حق گوئی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، مخالفتوں کے طوفان آپ کے پائے ثبات کو جنبش نہ دے سکے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں مرعوب نہ کر سکتی تھی، علم و فضل کے تو گویا سمندر تھے، کسی مسئلے پر گفتگو شروع کرتے تو گھنٹوں بیان جاری رہتا۔ سورۂ فاتحہ کا درس ایک سال میں ختم ہوا، آپ کے خلوص و ایثار، زہد و تقوے، سادگی اور اخلاقِ عالیہ کے مخالف و موافق سبھی معترف تھے، سنیت اور حنفیت کے تحفظ اور فروغ کے لئے آپ نے نہایت اہم خدمات انجام دیں، فاتحِ کشمیر مولانا سید ابو الحسنات قادری صدر جمعیت علماء پاکستان (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد، شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف (لاہور) دامت برکاتہم العالیہ آپ ہی کے فضل و کمال کے عکسِ جمیل ہیں،

آپ عربی، اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، آپ کے دیوان پختگی کلام پر شاہد ہیں۔

ہند و پاک میں آپ کی انتھک تدریسی کاوشوں کی بدولت بے شمار تلامذہ نے آپ سے علومِ دینیہ کی تعلیم پائی، آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں :-

۱۔ مولانا ارشاد علی الوری مرحوم
۲۔ مولانا رکن الدین الوری نقشبندی
۳۔ مولانا محمد اسلم جلال آبادی
۴۔ مولانا عبد الحق ولایتی
۵۔ مولانا عبد الرحمٰن ولایتی
۶۔ مولانا سید فضل شاہ (پنجابی)
۷۔ مولانا فیض اللہ خاں ہوتی مردان
۸۔ مولانا محمد اسلام بہاولپوری
۹۔ مولانا [illegible] ہزاروی
۱۰۔ [illegible] شاہ
۱۱۔ مولانا محمد رمضان بلوچستانی
۱۲۔ مولانا غلام محی الدین کاکانی
۱۳۔ مولانا محمد رمضان السیلہ، سندھ
۱۴۔ مولانا شفیق الرحمٰن پشاور
۱۵۔ مولانا فضل حسین، معین الدین پور، گجرات
۱۶۔ مولانا عبد العزیز، الکوٹ
۱۷۔ مولانا زین الدین الوری
۱۸۔ مولانا عبد القیوم الوری
۱۹۔ مولانا عبد الرحیم الوری
۲۰۔ مولانا عبد الجلیل جالندھری

---

[1] [illegible] ۱ ص ۱۵

۲۱۔ مولانا محمد غوث ملتانی۔
۲۲۔ مولانا محمد مظہر الدین مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔
۲۳۔ مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی مدظلہ العالی بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور۔
۲۴۔ مولانا عبد العزیز بلوڑے والا۔

آپ نے متعدد تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، بعض تصانیف کے نام یہ ہیں :-

۱۔ تفسیر میزان الادیان (مقدمہ و تفسیر سورۂ فاتحہ)
۲۔ ہدایۃ الغوی در رد روافض
۳۔ دخول الکلام
۴۔ تحقیق المسائل [2]
۵۔ ہدایۃ الطریق
۶۔ سلوک قادریہ
۷۔ علامات وہابیہ
۸۔ فضائل رمضان
۹۔ فضائل شعبان
۱۰۔ الاستعانۃ من اولیاء اللہ عین الاستعانۃ من اللہ
۱۱۔ دیوان دیدار علی فارسی
۱۲۔ ” ” اردو

۲۲ رجب المرجب، ۲۰ اکتوبر ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء کو اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہو گئے اور جامع مسجد اندرون دہلی دروازہ لاہور میں دفن ہوئے، مولانا ابو الحسنات رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ وصال کہا جس کا تاریخی شعر یہ ہے ؎

حافظ بس مرکوبی اعدائے شریعت
”دیدار علی یافتہ دیدار علی را“

۱۳	۴	۵۴

---

[2] یہ کتاب مولوی رشید احمد گنگوہی سے بعض فقہی مسائل کے سلسلے میں خط و کتابت کا مجموعہ ہے جس میں گنگوہی صاحب عاجز آ گئے تھے۔

استاذ العلماء سراج الفقہاء مولانا سراج احمد خانپوری قدس سرہٗ

سراج الفقہاء حضرت مولانا سراج احمد خانپوری بن حضرت مولانا احمد یار بن حضرت مولانا محمد عالم (قدست اسرارہم) ۱۴ ذوالحجہ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء بروز بدھ قصبہ مکھن بیلہ مضافات خانپور (ضلع رحیم یار خاں) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اور جدِ امجد اپنے علاقہ کے مشہور عالم دین اور مفتی تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر چاچڑاں شریف کے مشہور مدرسہ جامعہ فریدیہ میں مولانا تاج محمود اور مولانا غلام رسول سے درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی، فنون کی بعض انتہائی کتب اور حدیث شریف کا درس قصبہ مسند ضلع بہاولپور میں مولانا امام بخش سے لیا اور ۱۳۱۷ھ میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔ دس سال کی عمر میں حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ العزیز (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہوئے اور فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔

آپ نے نوجوانی کے عالم میں تدریس کی ابتدا کی، پہلے ایک عرصہ تک قصبہ ججہ گیلو لال (ضلع رحیم یار خاں) میں، اور پھر اپنے گاؤں مکھن بیلہ میں تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ بعد ازاں چاچڑاں شریف میں موجودہ سجادہ نشین حضرت خواجہ فیض فرید مدظلہ العالی کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد ہوئی جسے آپ نے بطریقِ احسن انجام دیا۔ کچھ عرصہ دربار عالیہ بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر) میں مقیم رہے جہاں مجاہد اسلام حضرت پیر عبدالرحمٰن قدس سرہ کو پڑھاتے رہے۔ مدرسہ انوار العلوم ملتان میں بھی فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ آخر میں مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور میں بحیثیت مدرس اور مفتی عرصۂ دراز تک کام کیا۔ آپ نے تقریباً ۷۰ سال علومِ دینیہ کا درس دیا اور بے شمار مشتاقانِ علم کو فیضیاب کیا۔

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے، چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا خواجہ حافظ عبدالرحمٰن قدس سرہ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء) بھرچونڈی شریف ضلع سکھر

۲۔ حضرت مولانا [illegible] احمد شہید قدس سرہ (م ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

۳۔ حضرت مولانا پیر سید مغفور القادری قدس سرہ (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں۔

۴۔ حضرت خواجہ فیض فرید مدظلہ العالی، سجادہ نشین چاچڑاں شریف۔

۵۔ حضرت مولانا حافظ سراج احمد مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور۔

۶۔ مولانا ابو صالح محمد فیض احمد اویسی مہتمم جامعہ اویسیہ رضویہ ملتان روڈ بہاولپور۔

۷۔ مولانا حسن الدین ہاشمی ناظم علماء اکیڈمی لاہور۔

۸۔ مولانا محمد عبدالغفور الوری مہتمم جامعہ مجددیہ فیض العلوم ملسے وند۔ (وغیرہ وغیرہ)

حضرت سراج الفقہاء قدس سرہ نے تدریس کے علاوہ ایک طویل عرصہ تک منصبِ افتاء کو بطریقِ احسن انجام دیا۔ آپ کے فتاویٰ آپ کے تبحرِ علمی کے شاہد عادل ہیں۔ آپ کو علوم فقہیہ خاص طور پر علم میراث پر زبردست عبور حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف میں سے "الزبدۃ السراجیہ فی علم الطبقات والمیراث والوصیہ" (مطبوعہ) اور سراج الفتاویٰ (غیر مطبوعہ) بلند پایہ علمی کتابیں ہیں۔

ابتداءً بعض اساتذہ کے اثر سے آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ سے حسنِ اعتقاد نہیں رکھتے تھے لیکن "الزبدۃ السراجیہ" کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے میں مفتی بہ قول معلوم کرنے کے لئے مختلف مراکزِ علمیہ سے آپ نے رابطہ قائم کیا مگر کہیں سے تسلی بخش جواب نہ مل سکا، آخر امید کی آخری کرن امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی صورت میں نظر آئی چنانچہ ان کی خدمت میں بھی استفتاء بھیج دیا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کی طرف سے ایک ہفتے میں جواب موصول ہو گیا۔ اس شافی جواب نے تمام شکوک و شبہات دور کر دئے اور بدگمانی کی فضا کو یکسر ختم کر دیا۔ یہ فتویٰ سوانح سراج الفقہاء مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔

غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت مولانا سراج احمد خانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو سراج الفقہاء کا لقب حضرت علامہ کاظمی صاحب مدظلہ العالی نے ہی دیا تھا جو آپ کی علمی ثقاہت کی بنا پر نہایت ہی مناسب ہے۔

یہ تذکرہ ابھی ترتیب کے مراحل سے گزر رہا تھا کہ ۵ ذوالقعدہ المبارک ۱۳۹۲ھ/۱۲ دسمبر ۱۹۷۲ء بروز منگل گیارہ بجے شب حضرت سراج الفقہاء کا وصال ہو گیا۔ آپ کے وصال سے علماء و فضلاء کے طبقہ میں وہ خلا پیدا ہو گیا ہے جو بآسانی پُر نہیں ہو سکتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ علم و فضل کا ایک دور ختم ہو گیا ہے۔

مکرمی جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے درج ذیل مادہ ہائے تاریخ وفات استخراج کئے ہیں:

ذاتِ فاضل	خدا دوست سراج احمد	رحلتِ عالی مراتب [1]
۱۳۹۲ھ	۱۳۹۲ھ	۱۳۹۲ھ

---

[1] محمد عبدالحکیم شرف قادری، (راقم الحروف): سوانح سراج الفقہاء، (شائع کردہ مرکزی مجلس رضا لاہور)

محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری قدس سرہ العزیز

شیخ الحدیث والتفسیر جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد ابن چوہدری میراں بخش ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں موضع دیال گڑھ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصبہ دیال گڑھ میں حاصل کی۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں اسلامیہ ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایف اے کی تیاری کے لئے لاہور تشریف لائے۔ انہی دنوں مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کے زیر اہتمام مسجد وزیر خاں میں عظیم الشان اجلاس ہوا[1] جس میں پاک و ہند کے کثیر التعداد علماء و مشائخ کے علاوہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی بھی شریک ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیث حجۃ الاسلام کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انگریزی تعلیم کو خیرباد کہہ کر مرکز علوم و معارف بریلی شریف چلے گئے۔ حضرت حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی سے استفادہ کیا اور آٹھ سال تک صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی مصنف "بہار شریعت" کی خدمت میں رہ کر جامعہ معینیہ اجمیر شریف سے سندِ فراغت حاصل کی[2] زمانۂ قیام اجمیر

---

[1] یہ اجلاس ۵ رشوال المکرم ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء کو مسجد وزیر خاں لاہور میں ہونا قرار پایا تھا جس میں اہل سنت کی طرف سے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے مولوی اشرف علی تھانوی [illegible] ہوئے تھے کہ حفظ الایمان ، [illegible] کی عبارات [illegible] پر فیصلہ کن گفتگو کی جائے [illegible] متحدہ پاک و ہند کے علماء اہل سنت کا [illegible] حضرت حجۃ الاسلام بھی تشریف لائے تھے، اس موقع پر مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت کا زبردست مظاہرہ ہوا۔ (آخری فیصلہ کن [illegible] مطبوعہ ۱۹۲۴ء)

اس اجلاس کی شہرت کی بنا پر ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ یہی وہ اجلاس تھا جس میں مولانا سردار احمد قدس سرہٗ حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ بریلی شریف تشریف لے گئے تھے۔ مولانا جلال الدین قادری (کھاریاں) کے توجہ دلانے پر غور کیا، متعین ہو گیا کہ یہ اجلاس ۷-۱۹۲۶ء میں ہوا تھا۔

[2] محمد [illegible] ، مولانا: [illegible] اعلیٰ حضرت، جامعہ قادریہ [illegible] ص ۷-۹

شریف میں حضرت مولانا سید امیر اجمیری سے بھی مستفید ہوئے[1]

آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ محمد سراج الحق چشتی کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے اور سلسلۂ قادریہ میں شاہزادۂ اعلیٰ حضرت بریلوی حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی سے فیض یاب ہوئے[2]

تکمیلِ علوم کے بعد پانچ سال تک جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف میں تشنگانِ علوم کو سیراب فرمایا، پھر جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی میں ہی شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور علمِ حدیث کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اس دور میں بے شمار اہلِ علم نے آپ سے فیض حاصل کیا[3]

قیامِ بریلی شریف کے دوران حضرت قبلہ شیخ الحدیث مولانا سردار احمد قدس سرہ نے مشہور دیوبندی مناظر مولوی منظور احمد نعمانی سے حفظ الایمان (از مولوی اشرف علی تھانوی) کی مشہور گستاخانہ عبارت پر ۲۰ محرم، ۲۵ اپریل (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) کو کامیاب مناظرہ کیا[4] یہ مناظرہ چار دن جاری رہا اور فریقِ مخالف کو زبردست شکست ہوئی، چوتھے دن مولوی منظور احمد نعمانی نے بے باکی کی انتہا کر دی اور کہا:

"میں فاتحہ کو بدعت کہتا ہوں اور محرم کی سبیل لگانے اور محرم میں دودھ یا شربت پلانے کو حرام کہتا ہوں اور اس وجہ سے میں کم بخت ہوں تو میں ایسا کم بخت ہی اچھا ہوں، میں بھی بھوکا مرتا ہوں اور میرے آقا محمد رسول اللہ بھی بھوکے مرا کرتے تھے، جو حشر میرا وہ ان کا۔"[5]

(العیاذ باللہ تعالیٰ)

---

[1] محمد موسیٰ امرتسری، حکیم اہلسنت: مولانا سید امیر علوی اجمیری، ضیائے حرم جولائی ۱۹۷۲ء، ص ۲۰

[2] محمد عتیق الرحمن سیفی: عاشقِ رسول، مکتبہ سعادت لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۱

[3] ابو احسان: محدثِ اعظم پاکستان، ادارۂ علمیہ لاہور، ص ۸

[4] محمد حامد نقشبندی، مولانا: مناظرہ بریلی کی مفصل روئیداد، نوری کتب خانہ لاہور، ص ۲۶

[5] ایضاً، ص ۳۹

تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ وزیر آباد اور سارو کی میں قیام فرمایا۔ ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء کے اواخر میں لائل پور تشریف لے آئے اور بے سروسامانی کے عالم میں درسِ حدیث دینا شروع کیا اور جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی بنیاد رکھی[1] اور چودہ سال کے مختصر عرصے میں لائل پور کی کایا پلٹ دی۔ اس وقت سے جگہ جگہ سے صلوٰۃ و سلام کی روح پرور صدائیں سنائی دیتی ہیں، ہزاروں افراد حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ سینکڑوں علماء آپ سے درسِ حدیث لے کر پاکستان کے گوشے گوشے بلکہ دیگر ممالک میں بھی دینِ متین کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور عظیم دینی درس گاہ اور لائل پور کی سب سے بڑی مسجد سنی رضوی جامع مسجد آپ کی عظمت کی یادگار اور گواہ ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کی معیت میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دوسری مرتبہ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں اس سعادت سے مشرف ہوئے[2] لیکن پابندی کے باوجود تصویر نہیں بنوائی۔

حضرت قبلہ شیخ الحدیث پیکرِ اخلاق، سراپا شفقت، باوقار، بارعب اور پرکشش شخصیت تھے، علوم و فنون کے بحرِ بے پایاں، زبردست مناظر اور باکمال محدث تھے۔ انہیں سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی، اسی بے پناہ محبت و عقیدت کا اثر تھا کہ ان کا ہر قول و فعل شریعت و سنت کے مطابق ہوتا تھا۔ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی محبت عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، چونکہ فوٹو کے بغیر بیرونِ ملک جانے پر پابندی تھی اس لئے پاکستان آکر بے انتہا آرزو کے باوجود نہ بغداد شریف گئے اور نہ بریلی شریف۔

آپ کا وعظ اس قدر پُر اثر ہوتا تھا کہ سخت سے سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ آپ کے مخالف لوگوں نے آپ کے خلاف مخالفتوں کے طوفان اٹھائے مگر

---

[1] محمد افضل کوٹلوی، مولانا: نائب اعلیٰ حضرت، ص ۱۵-۱۹

[2] ایضاً، ص ۱۵-۲۵

آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی آپ نے تمام عمر علوم دینیہ اور خاص طور پر حدیث شریف کی خدمت اور وعظ و ارشاد کے ذریعہ عوام کے دلوں کو حبِ نبوی سے منور کرنے میں صرف کی اس لئے تصنیف و تالیف کا موقع نہیں ملا تاہم چند تصانیف یادگار ہیں:۔

۱۔ اسلامی قانونِ وراثت۔

۲۔ تبصرۂ مذہبی (علامہ مشرقی کے تذکرے پر تبصرہ)

۳۔ مرزا مر رہے یا مورت؟ (رد مرزائیت)

۴۔ موت کا پیغام دیوبندی مولویوں کے نام۔ [1]

حضرت قبلہ شیخ الحدیث مولانا سردار احمد قدس سرہ کی شخصیت اس قدر پر کشش تھی کہ ایک دفعہ حاضری دینے والا ہمیشہ کے لئے دامِ محبت و عقیدت میں گرفتار ہو جاتا، کئی دیوبندی علماء آپ کے درس حدیث میں شامل ہوئے اور آپ کی زبان مبارک سے مسلک اہل سنت کے زوردار دلائل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بد عقیدگی سے تائب ہو کر مسلک اہل سنت کے مبلغ بن گئے آپ کے سینکڑوں تلامذہ کا شمار کرنا مشکل ہے۔ آخری سالوں میں سند فراغت حاصل کرنے والوں کی تعداد سو سے متجاوز ہو جایا کرتی تھی، چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ مولانا غلام رسول لائلپوری مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائلپور۔

۲۔ علامہ عبد المصطفیٰ ازہری ایم۔ این۔ اے شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی۔

۳۔ مولانا وقار الدین مدظلہ، نائب شیخ الحدیث

۴۔ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ، ناظم اعلیٰ دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔

۵۔ مولانا ابو داؤد محمد صادق مدظلہ، مدیر ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ۔

۶۔ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ، (انڈیا)۔

۷۔ مولانا محمد صابر القادری نسیم بستوی، "

۱؎ محمد نفیس گوگوی، مولانا : نائب اعلیٰ حضرت ، ص ۶۹ - ۷۰۔

۸۔ مولانا مفتی محمد حبیب الاسلام اعظمی (انڈیا)

۹۔ مولانا علامہ عبد الرشید جھنگوی۔

۱۰۔ مولانا علامہ ابو الحسنات محمد اشرف چشتی سیالوی شیخ الحدیث سیال شریف۔

۱۱۔ مولانا علامہ اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ (واں بھچراں)

۱۲۔ مولانا سید جلال الدین شاہ (بھکھی شریف)

۱۳۔ مولانا ابو المعالی محمد معین الدین شافعی ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ لائلپور۔

۱۴۔ مولانا محمد ابراہیم خوشتر مبلغ اسلام ماریشس۔

۱۵۔ مولانا ابو الشاہ محمد عبد القادر شہید لائلپوری قدس سرہ

۱۶۔ مولانا محمد شریف ملتانی شیخ الحدیث مظہر العلوم ملتان۔

۱۷۔ مولانا عنایت اللہ، مناظر اہل سنت (سانگلہ ہل)

۱۸۔ مولانا ابو الانوار محمد مختار احمد لائلپوری۔

۱۹۔ مولانا سید زاہد علی شاہ ناظم اعلیٰ جامعہ نوریہ رضویہ لائلپور۔ [1]

۲۰۔ مولانا سید منصور شاہ مدرس جامعہ رضویہ لائلپور۔

۲۱۔ مولانا فیض احمد اویسی شیخ الحدیث جامعہ اویسیہ بہاولپور۔

۲۲۔ مولانا مفتی محمد حسین سکھروی ایم۔ پی۔ اے۔

۲۳۔ مولانا مفتی محمد امین مہتمم جامعہ امینیہ لائلپور۔

۲۴۔ مولانا حافظ احسان الحق صدر مدرس جامعہ امینیہ لائلپور

۲۵۔ مولانا سید حسین الدین شاہ ناظم اعلیٰ ضیاء العلوم جامعہ رضویہ راولپنڈی وغیرہم۔

آئندہ صفحات میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے ایک مکتوب کا عکس دیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے مولانا اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ (جو ان دنوں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں مدرس تھے) کے لئے یہ دعائیہ کلمات لکھے ہیں:۔

۱؎ محمد حسن علی، مولانا : روزنامہ سعادت ، شمارہ اہلسنت نمبر، اگست ۱۹۶۹ء

"مولیٰ عزوجل آپ کو مدارج علیا عطا فرمائے اور خدمتِ درس و تدریس و خدمتِ خطابت و امامت و خدمتِ مذہب اہلِ سنت میں خوب ترقی و قبولیت عطا فرمائے، آمین"

یقیناً حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی یہ کرامت تھی کہ اس دعا کا ایک ایک لفظ مولانا اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی میں ظہور پذیر ہوا۔

یکم شعبان المعظم، ۲۹ دسمبر جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب (۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کو کراچی میں وصال فرمایا [1] جسد مبارک شاہین ایکسپریس کے ذریعے لائلپور لایا گیا، اسٹیشن سے جامعہ رضویہ تک کے راستے میں ہزارہا افراد نے دیکھا کہ جنازے پر نور کی پھوار پڑ رہی ہے حالانکہ بادل کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ آپ کی نمازِ جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی۔ آپ کا مزار سنی رضوی جامع مسجد لائلپور میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں بریلوی دامت برکاتہم العالیہ نے پُر درد احساسات کو منظوم فرمایا ؎

کیا کہوں میں ہائے کیا جاتا رہا — آہ دل کا حوصلہ جاتا رہا
سُنّیوں کا دل نہ بیٹھے کس طرح — زور اُن کے قلب کا جاتا رہا
موت عالم کی جہاں کی موت ہے — زندگانی کا مزا جاتا رہا
اس زمانہ کا محدث بے مثال — جس کا ثانی ہی نہ تھا جاتا رہا
مولوی سردار احمد اُٹھ گئے — لطف سارا درس کا جاتا رہا
غوثِ اعظم قطبِ عالم کا غلام — نائبِ شاہ رضا جاتا رہا
حضرت صدر الشریعہ کا وہ چاند — میرا مہرِ پُر ضیاء جاتا رہا

"تاریخی شعر ملاحظہ ہوں۔"

مرگیا فیضان جس کی موت سے — ہائے وہ "فیض انتما" جاتا رہا
۱۳ ۸۲

[1] غلام مہر علی، مولانا، الیواقیت المہریہ، ص ۸۵

یا مجیب الغفر لہٗ تاریخ ہے — کس برس وہ رہنما جاتا رہا
۱۳ ۸۲

دل کو کاسر کاٹ کر نوری کہو
چاند روشن علم کا جاتا رہا [1]
۱۳ ۸۲

خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ مدظلہ نے تاریخ وصال کہی ؎

سید و سردار ما — وارث علوم مصطفےٰ
نائب احمد رضا — اللہ سے واصل ہوا [2]
۸۲ ۱۳

آپ کے تین صاحبزادے اس وقت تشریف فرما ہیں،

(۱) صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول رضوی مدظلہ سجادہ نشین

(۲) صاحبزادہ قاضی محمد فضل احمد مدظلہ

(۳) صاحبزادہ قاضی محمد فضل کریم۔

قوم کے سردار پاکستان کے شیخ الحدیث
ہے تری ذاتِ گرامی لائقِ صد احترام — (عزیز حاصلپوری)

[1] ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف، محدث اعظم پاکستان نمبر، مارچ اپریل ۱۹۶۳ء، ص ۸۶

[2] ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ، ص۔ افسوس کہ ۱۴ رجب ۱۴۰۴ھ / ۲۴ اپریل ۱۹۸۴ء کو خطیب پاکستان کا وصال ہو گیا۔

[illegible]

فخر السادات حضرت مولانا پیر سید سردار احمد شاہ قادری قدس سرہٗ (گڑھی اختیار خاں)

حضرت مولانا سید سردار احمد ابن حضرت پیر سید محمد جعفر شاہ قدس سرہما ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں گڑھی اختیار خاں (ضلع رحیم خاں) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب شیخ المشائخ حضرت سید عثمان مروندی المعروف لال شہباز قلندر تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد امجد شکارپور سندھ سے منتقل ہو کر سابق ریاست بہاولپور میں آئے۔ آپ کے والد ماجد جو اپنے دور کے مشہور ولی اللہ تھے خوانین گڑھی کے اصرار پر گڑھی اختیار خاں میں تشریف لائے اور خوانین کے توسط سے ایک شاہی عالم اور قاضی وقت کے گھر آپ کا عقد مسنون ہوا۔ مشہور زمانہ خطیب و مقرر مولانا محمد یار گڑھی والے آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

حضرت مولانا سید سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک پڑھنے کے بعد اپنے علاقہ کے مشہور علماء سے عربی و فارسی کی مروجہ کتابیں پڑھیں۔ آخری کتابیں اس علاقہ کے نامور عالم مولانا محمد حیات سے پڑھیں۔ تکمیل علوم کے بعد غوث وقت حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ قدس سرہٗ (بھرچونڈی شریف) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی فضیلت علمی کے پیش نظر شیخ و مرشد کے صاحبزادے حضرت مولانا پیر عبدالرحمٰن تعلیم و تربیت کے لئے آپ کے سپرد کئے گئے۔ حضرت پیر عبدالرحمٰن قدس سرہٗ کی دینی و ملی خدمات اور تحریک پاکستان میں تاریخی کردار آپ ہی کے فیض تربیت کا نتیجہ تھا۔

آپ کو عربی، فارسی، سندھی اور سرائیکی زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ عربی میں اہل لسان کی طرح گفتگو کرتے تھے۔ عربی اور فارسی ادب کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے پیش نظر تھا۔ اشعار، محاورات اور ضرب الامثال کے برمحل استعمال سے آپ کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا تھا۔ خوشنویسی میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی مجلس علم و ادب اور فقر و درویشی کا بہترین نمونہ ہوتی تھی۔ آپ کی سادہ مگر پُر اثر تقریر علوم و معارف اور وعظ و نصیحت کا گنجینہ ہوتی تھی۔ مشہور

حسبِ حضرت مولانا محمد یار قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت اگر آپ وعظ و تقریر میں حصہ لیتے تو مجھے کوئی نہ پوچھتا۔ آپ اپنے دور کے نامور اور قادر الکلام شاعر تھے آپ کی نعتیں اور کافیاں آج بھی بہاولپور کے گوشے گوشے میں ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔

آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، رمل، جفر، نجوم اور ہندسہ وغیرہ علوم میں پوری دسترس مہارت تھی۔ آپ نے رشد و ہدایت اور پند و نصیحت کی مصروفیات کے باوجود چند عالمانہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، جن تصانیف کا پتہ چل سکا وہ یہ ہیں۔

مجموعۂ کلام، جس میں عربی، فارسی، سرائیکی، اور سندھی میں آپ کا کلام ہے، جفر و نجوم پر مختصر عربی رسالہ، تصوف کی مشہور اصطلاحات کی تشریح میں مختصر رسالہ (فارسی)، اس کے علاوہ بعض علمی مضامین، فٹ نوٹ اور یادداشتیں ہیں جو سینکڑوں مسائل پر مشتمل ہیں۔

آپ کے مریدین اور علمی و روحانی فیض یافتہ حضرات سابق ریاست بہاولپور اور سندھ کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۱ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء کو مختصر علالت کے بعد راہی ملک بقا ہوئے، آپ کا مزار پر انوار رشاد آباد شریف گڑھی اختیار خاں (ضلع رحیم یار خاں) میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ آپ کے بعد آپ کے اکلوتے صاحبزادے جلیل القدر عالم، نامور ادیب و شاعر مولانا سید مغفور القادری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۶۹ء) جانشین ہوئے۔ ان دنوں آپ کے پوتے نقش نوجوان جناب صاحبزادہ سید محمد فاروق القادری مدظلہ مسند نشین ہیں اور طریق اسلاف پر عمل پیرا ہیں۔

لہ یہ تمام حالات انہی کے فراہم کردہ ہیں۔

زبدۃ الاصفیاء مولانا سلطان اعظم قادری قدس سرہٗ

استاذ الافاضل، شیخ طریقت مولانا سلطان اعظم ابن میاں غلام نبی موضع چھچھر شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے، فارسی، صرف اور نحو کی ابتدائی کتابیں موضع بھیرہ میں پڑھیں، بعد ازاں اہل سنت کے معتمد فاضل مولانا غلام محمود قدس سرہ (پپلاں، ضلع میانوالی) کی خدمت میں پانچ سال تک حاضر رہے اور تمام کتب کی تکمیل کی، پھر مولانا غلام رسول (انھی، ضلع گجرات) کے پاس رہ کر تین سال میں تمام کتب کا مطالعہ کیا، دورۂ حدیث دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیری سے پڑھا، حضرت سلطان نور احمد قدس سرہ (یکے از اولاد حضرت سلطان باہو قدس سرہ) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پرہیزگار خاتون تھیں، چھچھر شریف کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آج بھی وہاں کی اکثر عورتیں حافظۂ قرآن ہوتی ہیں، آپ کی ولادت سے پہلے انہوں نے مسلسل بارہ سال تک روزے رکھے، ایسے ماحول میں پرورش پا کر جب سلسلۂ عالیہ قادریہ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے تو طبیعت میں تقویٰ و طہارت اور عبادت و ریاضت کے جذبات بدرجۂ اتم پیدا ہو گئے۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد اشراق تک اوراد و وظائف پڑھتے، درود کبریت احمر ہمیشہ بکثرت پڑھتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ اس درود شریف کی برکت سے مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار تک رسائی ہوئی۔ نماز اشراق کے بعد علوم دینیہ کا درس دیتے، نماز ظہر کے بعد بھی سلسلۂ تدریس جاری رہتا، نماز عصر کے بعد قرب و جوار سے آنے والے شرعی استفسارات حل فرماتے، آپ کا معمول تھا کہ ہر ماہ حضرت سلطان باہو قدس سرہ کے مزار پر انوار پر حاضری دیتے اور سفر میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا، کئی دفعہ عالم بیداری میں حضرت سلطان باہو قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے کم و بیش ۵۰ سال تک علوم دینیہ کی تدریس فرمائی، اکثر کتابوں میں آپ کی خصوصی تقریرات ہوتی تھیں جو دیگر اساتذہ کے ہاں نہیں ملتی تھیں۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل

ہے، سر دست جو حضرات معلوم ہوئے ان کے اسماء پیش کیے جاتے ہیں:۔

١. شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف، ضلع سرگودھا۔

٢. حضرت مولانا ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ، شیخ الحدیث ضیاء شمس الاسلام سیال شریف (ضلع سرگودھا)

٣. مولانا محمد حسین شوق، پپلاں، ضلع میانوالی۔

٤. مولانا شہباز خان مرحوم۔

٥. مولوی غلام یٰسین دیوبندی، واں بھچراں

٦. مولوی غلام حسین دیوبندی، ڈیرہ اسمٰعیل خان

٧. مولوی واحد بخش، کوٹ مٹھن شریف۔

٨. مولوی خدا بخش، موضع ککڑی، ضلع سرگودھا۔

٩. مولوی شمس الدین، ربانہ "

١٠. مولوی غلام قادر، پنج گرائیں، بھکر ضلع میانوالی۔ (وغیرہم)

مولانا سلطان اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلک اہل سنت کے تحفظ کے لیے مختلف مناظروں میں شریک ہوئے۔ موضع ڈوکری تحصیل خوشاب میں ایک مناظرہ ہوا جس میں دیوبندیوں کی طرف سے مولوی حسین علی، مولف بلغۃ الحیران (واں بھچراں، میانوالی) اور مولوی فضل کریم بندیالوی مناظر تھے جب کہ اہل سنت کی طرف سے مولانا سلطان اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ، استاذ العلماء مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا علامہ غلام محمود (پپلاں ضلع میانوالی)، مولانا قطبی شاہ (ملتان شریف) اور مولانا نور محمد کندیاں، تشریف لائے، اس مناظرہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلسنت کو فتح مبین عطا فرمائی۔

مولانا سلطان اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب کرامت بزرگ تھے، مولانا عطا محمد چشتی خطیب جامع مسجد ڈڈو والا بیان (خوشاب) نے بتایا کہ میرے دانت میں شدید درد تھا، کافی علاج معالجہ کے باوجود افاقہ نہ ہوا۔ اتفاقاً حضرت مولانا سلطان اعظم قدس سرہ بادے گاؤں موضع گنڈ

(تحصیل خوشاب) تشریف لائے۔ میں نے حاضر ہو کر اپنی تکلیف بیان کی، آپ اس وقت کچھ پڑھ رہے تھے، اسی طرح دم فرمایا، درد فوراً کافور ہوگیا، آج اس واقعہ کو پندرہ سال گزر چکے ہیں پھر کبھی وہ تکلیف نہیں ہوئی۔

آپ بعض معتقدین کے اصرار پر موضع موسٰی والا (مضافات پپلاں) میں مقیم ہوگئے تھے ماہ صفر المظفر ١٣٨٧ھ/ ١٩٦٧ء میں آپ کا وصال ہوا اور موسٰی والا میں محو استراحت ابدی ہوئے آپ کے فرزند ارجمند مولانا محمد انور زید مجدہ جانشین ہیں۔[1]

---

[1] یہ حالات مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری، حسب الطلب کے ذریعے اتنی سے حاصل ہوئے۔

عارفِ کامل حضرت مولانا قاضی سلطان محمود اعوانی قدس سرہ العزیز

غریب نواز حضرت مولانا قاضی سلطان محمود ابن حضرت غلام غوث ابن حضرت غلام مصطفیٰ ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کو اعوان شریف (ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف مقامات مثلاً حاجی والا (گجرات) ملکہ (تحصیل کھاریاں)، چنن گڑھ (گجرات)، موضع کدلفی تھوا محرم خان، چکی، غورغشتی، پشاور وغیرہ میں تشریف لے گئے اور پچیس چھبیس سال کی عمر میں علوم کی تکمیل کرلی، تبحرِ علمی کا یہ عالم تھا کہ ہر فن کا ایک متن زبانی یاد تھا، خطاطی میں بے مثال تھے، موافق و مخالف آپ کی عظمت کے معترف تھے۔

۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۴ء میں تکمیلِ علوم کے بعد حضرت اخوند عبد الغفور قدس سرہ کی خدمت میں سیدو شریف (سوات) حاضر ہوئے، حضرت اخوند صاحب نے آپ کی دستار بندی فرمائی حضرت قاضی صاحب آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور کچھ عرصہ بعد سلسلۂ عالیہ قادریہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے، ان کے علاوہ حضرت شاہ دولہ (گجرات)، حضرت ہیرے شاہ غازی اور دیگر بزرگانِ دین سے فیضِ باطنی حاصل کیا اور درجۂ کمال حاصل کیا آپ نے طویل عرصہ تک کتبِ درسیہ کا درس دیا اور اربابِ شوق کو فیضِ باطنی سے نوازا۔

آپ زبردست فاضل تھے۔ آپ نے شرح چغمینی اور منطق و فلسفہ کی بعض کتابوں پر محققانہ حواشی تحریر فرمائے جو ابھی تک جمع نہیں ہو سکے، آپ کے تلامذہ اور خلفاء میں نامور علماء اور مشائخ گزرے ہیں، چند خلفاء کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ محبوب عالم مدظلہ العالی (ابن حضرت قاضی صاحب ممدوح)
۲۔ مولانا عبد الرحمن ساکن پنڈی سرہال (ضلع کیمبل پور)
۳۔ مستری احمد بخش ساکن رتہ امرال (راولپنڈی)
۴۔ ماسٹر مولا بخش امرتسری

۵۔ مولانا سراج الدین لاہوری
۶۔ سائیں حبیب شاہ کیمبلپوری وغیرہم

یکم شعبان المعظم بروز جمعہ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء کو عالمِ قدس کی طرف رحلت فرمائی، "قبلۂ ما قاضی سلطان محمود" (۱۳۳۷ھ) تاریخ وصال ہے۔

نواب مشتاق یار جنگ نے "مقاماتِ محمود" کے نام سے آپ کی سوانح عمری لکھی ہے[1]

---

[1] یہ تمام حالات مقاماتِ محمود سے ماخوذ ہیں، یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں مشتاق احمد پال، ابجوہ منڈی جہلم شہر نے شائع کی، کل صفحات ۴۰۹ ہیں۔

پیرِ خرابات حضرت خواجہ ثناء اللہ خراباتی قدس سرہ

پیرِ خرابات حضرت خواجہ ثناء اللہ خراباتی قدس سرہ ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں بمقام ملنگاہ ضلع بلند میر (سرینگر) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ کا سلسلۂ نسب عارف باللہ حضرت عبدالرحمٰن بلبل شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ آپ کے نانا حضرت سید عبدالغفور شاہ اپنے زمانہ کے باکمال بزرگ تھے انہوں نے باطنی تربیت کے ساتھ ساتھ آپ کو رفوگری کا فن بھی سکھایا چنانچہ آپ ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء تک رفوگری کا کام کرتے رہے، اس کے ساتھ آپ کو تجارت کا بھی شوق رہا، اس سلسلے میں ایران، کابل اور کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا۔ بچپن میں ایک بچے نے کھیلتے ہوئے آپکو پتھر دے مارا جس سے آپ کی موت واقع ہو گئی۔ آپ کے نانا حضرت سید عبدالغفور شاہ کو پتہ چلا تو دوڑتے ہوئے آئے اور انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیا، پھر بارگاہِ ایزدی میں دعا کی، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو حیاتِ نو مل گئی [1]

حضرت خواجہ ثناء اللہ کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پڑھے وہ اپنی اصطلاح میں ناخواندہ تھے لیکن ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علم و فضل کے بحرِ زخار تھے، انہیں جو کچھ حاصل ہوا وہ بزرگانِ علم و ادب اور خاص طور پر آپ کے نانا سید عبدالغفور شاہ کی مجلس کا فیض تھا قدرت نے غیب سے ان کے علم و عرفان کے اسباب مہیا کر دیئے تھے، خواجہ صاحب کشمیری، فارسی، عربی، اردو، ترکی اور پنجابی زبانوں سے اچھی طرح باخبر تھے، نجوم، ہندسہ، ہیئت، قیافہ شناسی، تعبیر، عروض، اخلاق، طلسمات، کیمیا، طب، فقہ، تجوید، انساب، رجال، صرف و نحو، معانی، بیان وغیرہ علوم میں دسترس رکھتے تھے [2] آپ سلسلۂ قادریہ میں اپنے نانا سید عبدالغفور رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت

[1] قریشی احمد حسین قلعداری، پیرِ خرابات (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء) ص ۱۴-۱۶۔

[2] محمد حسین تسبیحی، فہرست نسخ خطی خواجہ ثناء اللہ خراباتی، (مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی [illegible]

اور مجاز تھے، حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہیں بے پناہ عقیدت تھی جس کا اظہار انہوں نے مختلف قصائد اور متعدد کتب میں کیا ہے [1]

تجارت کے سلسلے میں آپ کو مختلف مقامات کی سیر کا موقع ملا، اس دوران آپ نے بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور استفادہ کیا چنانچہ سب سے پہلے اپنے نانا سید عبدالغفور شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے مستفیض ہوئے بعد ازاں شاہ محمد صادق کے مرید ہوئے اور تیس سال تک ان سے کسبِ فیض کیا اس کے بعد لاہور میں وارد ہوئے اور حضرت میاں میر قدس سرہ کے فیضانِ صحبت سے بہرہ ور ہوئے پھر تجارت کے لئے کلکتہ گئے اور حضرت عبدالوہاب کی مجلس میں حاضری کا موقع ملا، وہاں سے وارد کشمیر ہوئے اور حضرت طیب سے فیضِ صحبت حاصل کیا، پھر کابل گئے اور حضرت شاہ قلندر سے روحانی برکات حاصل کیں، حضرت غلام الدین خراسانی سے بھی کسبِ رشد و ہدایت کیا، حضرت شاہ دولہ دریائی سے روحانی طور پر استفادہ کیا غرضیکہ حضرت پیرِ خرابات نے پوری کوشش کی کہ جہاں سے بھی انوارِ معرفت حاصل ہو سکیں، حاصل کئے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بزرگانِ دین کی کیمیا اثر نگاہ نے آپ کو کندن بنا دیا۔

اس سیر و سیاحت سے واپس آئے تو آپ کے علاقے میں بہت بڑا سیلاب آیا مجبوراً نقل مکانی کر کے نیا بازار متصل شیر دروازہ (جموں) میں آکر مقیم ہو گئے۔ ایک دن اتفاقاً سربازار مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملاقات ہوئی اُسے گفتگو سے معلوم ہوا کہ آپ متعدد علوم و فنون میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں تو بڑا متاثر ہوا اور آپ کو توشہ خانہ کا انچارج مقرر کر دیا، جموں میں آپ صمد جیو کے نام سے مشہور ہوئے، اس زمانے میں دور دراز کی سیر و سیاحت کی اور ایک طویل زمانہ تک اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے [2]

۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں مہاراجہ کے تین وزیروں نے آپ پر غبن کا الزام لگایا، مہاراجہ

[1] محمد حسین تسبیحی، فہرست نسخہ ہائے خطی خواجہ ثناء اللہ خراباتی، ص ۳۰-۳۱

[2] قریشی، احمد حسین، پروفیسر، پیرِ خرابات، ص ۲۳-۲۵

نے تحقیق کے بغیر آپ کو قلعہ مری ریجنٹ میں قید کر دیا، ایک عرصہ بعد ایک دوست کی وساطت سے رہائی پا کر پنجاب کی طرف چلے گئے، جالندھر، امرتسر اور سیالکوٹ میں مختصر مدت قیام کرتے ہوئے جلال پور جٹاں کو مقیم ہو گئے اور تاحیات یہیں رہے۔ یہاں آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا، خلقِ خدا کی ہدایت و تربیت پر خاص طور سے توجہ دی، لنگر قائم کیا جہاں سے نہ صرف غرباء، فقراء اور مسافروں کو کھانا مہیا کیا جاتا بلکہ عزیز و رشتہ داروں کو لباس تک مہیا کیا جاتا، دنیاوی مال و اسباب کو خاطر میں نہ لاتے بلکہ جو کچھ ہوتا راہِ خدا میں صرف کر دیتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آج کی روزی آج اور کل کی روزی کل عطا فرمانے والا ہے۔ وضو کے لئے صرف ایک لوٹا رکھا ہوا تھا اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ ایک دفعہ آپ کے مرید خاص خواجہ نظر محمد نے بازار سے سونے کا ایک زیور خریدا، آپ کو پتہ چلا تو بہت برا بھلا کہا اور فرمایا :-

"میرے پاس جو کچھ تھا میں نے جھاڑو دے کر سب نکال باہر کیا
تم اسے دوبارہ گھر لاتے ہو، جتنا جلد ہو سکے اسے فقیروں میں تقسیم
کر دو" [1]

حضرت خواجہ خراباتی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا اور بلندیٔ فکر سے نوازا تھا، آپ کے قلم میں بلا کی روانی تھی، ایک ایک دن میں پوری کتاب تحریر کر دیتے جسے ایک ہفتے میں بھی مشکل سے پڑھا جاتا۔ آپ نے نظم و نثر میں تقریباً ایک سو کتابیں لکھیں جن میں سے باون تصانیف زمانے کی دستبرد سے محفوظ ہیں، ان تصانیف کی مفصل فہرست محمد حسین تسبیحی نے مرتب کی ہے جسے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (راولپنڈی) نے فہرست نسخہ ہائے خطی خواجہ مستانہ اللہ خراباتی کے نام سے ۱۹۷۲ء میں شائع کیا ہے، اس طرح تقریباً ایک صدی کے بعد علمی حلقوں میں آپ کی تصانیف کا تعارف ہو رہا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں :-

---

[1] قریشی احمد حسین، پروفیسر : پیر خرابات : ص ۲۸-۲۹

[2] محمد حسین تسبیحی : فہرست نسخہ ہائے خطی خواجہ مستانہ اللہ خراباتی : ص ۳۴-۳۵

۱۔ بحر الانوار — تقریباً تین ہزار چھ سو اشعار پر مشتمل ہے، دینی اور اختلافی مسائل کتاب و سنت کی روشنی میں۔

۲۔ تحفۃ القادری — بارہ سو اسّی (۱۲۸۰) اشعار، مناقب حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ تذکرۃ الکاملین — اولیاء اللہ کے اقوال و افعال پر مشتمل ہے۔

۴۔ تذکرۃ الواصلین — سلسلۂ قادریہ اور قلندریہ کے احوال و افکار کے بیان میں ہے۔

۵۔ تصدیق الایقان — تین ہزار دو سو اشعار پر مشتمل ہے، اس کا موضوع فقہ و حدیث اور اخلاق و ادب ہے۔

۶۔ تفسیر سنا (جلد دوم) — چار ہزار چھ سو اشعار پر مشتمل — مختلف آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر ہے۔

۷۔ حقیقۃ الاسلام

۸۔ دیوانِ خراباتی (تین جلد)

۹۔ سبحاتِ آفتابی در ردِّ وہابی — ۱۴۳۰ اشعار پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ دھیا (شمع الہدیٰ) — کریا کی پیروی میں اسی وزن پر پند و نصائح بیان کئے ہیں، یہ کتاب تیرہ سو اشعار پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ مثنوی خلاصۃ الاسرار — مسائلِ روح کو مختلف تمثیلات سے بیان کیا ہے۔

۱۲۔ تحفۃ القادری یا ہدیۂ شاہ جیلاں — موضوع نام سے ظاہر ہے — وغیرہ وغیرہ

آخر الذکر دو کتابیں طبع ہو چکی ہیں [1]

حضرت پیر خرابات رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کو آسانی سے مرید نہیں کرتے تھے بلکہ ایسی کڑی شرطیں لگاتے کہ عام آدمی انہیں پورا نہیں کر سکتا تھا، آپ کے پانچ خلفاء مشہور ہوئے ہیں جن کے نام یہ ہیں :-

۱۔ خواجہ نظر محمد ۲۔ سید فضل شاہ جلال پور جٹاں۔

---

[1] محمد حسین تسبیحی : فہرست نسخہ ہائے خطی خواجہ مستانہ اللہ خراباتی : ۱ - ۱۸۲

۳۔ محمد احسن   ۴۔ محمد صادق امرتسری

۵۔ سید عبدالغفار شاہ سیالکوٹی[له]

حضرت خواجہ صاحب کی پوتی سیدہ فاطمہ بی بی بنت سید محمد شاہ کے صاحبزادے جناب سید ریاض حسین شاہ دہلی بازار لاہور میں مقیم ہیں ان کی کوشش ہے کہ حضرت پیر خرابات کی تصانیف کو شائع کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ انہی کی مساعی جمیلہ سے محمد حسین تسبیحی نے خواجہ صاحب کی تصانیف کی تفصیل سے فہرست مرتب کی ہے نیز انہی کی تحریک پر پروفیسر قریشی احمد حسین احمد قلعہ داری نے حضرت خواجہ صاحب کے سوانح حیات کتابی صورت میں قلم بند کئے ہیں۔

حضرت خواجہ سناء اللہ خراباتی قدس سرہ کا وصال ۷ ذی القعدہ، ۲۱ اکتوبر ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء کو ہوا۔ آپ کا مزار انور کلاچور متصل جلالپور جٹاں (ضلع گجرات) میں ہے [له]

له قریشی احمد حسین، پروفیسر : پیر خرابات، ۳۳

زبدۃ الاصفیا حضرت مولانا الحاج سید احمد ہری کوٹی قدس سرہ (ہری پور ہزارہ)

حضرت مولانا سید احمد ہری کوٹی ابن سید صدر شاہ رحمہما اللہ تعالیٰ اپنے وقت کے اجل عالم اور نہایت متقی اور پرہیزگار تھے، علم و فضل کے باوجود اپنے شیخ طریقت غوث زماں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی قدس سرہ العزیز بانی دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اسی لئے آپ اپنے مرشد کامل کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔

آپ ہری پور سے اٹھارہ میل مغرب کی جانب واقع موضع سری کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً تجوید کے ساتھ قرآن کریم حفظ کیا، بعد ازاں اپنے علاقہ کے جید فضلاء سے تحصیل علم کی اور دیوبند جا کر درس حدیث لیا لیکن اس کے باوجود دیوبندی معتقدات و نظریات کا بڑی شدت سے رد کیا کرتے تھے۔ تکمیل علوم کے بعد ایک مدت تک افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن، زنجبار اور ممباسہ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ وہاں سے واپس آئے پر غوث زماں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی قدس سرہ کے دست اقدس پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں پھر تبلیغ دین کے لئے رنگون تشریف لے گئے اور مرکزی مسجد مسجد ناخدا میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ آپ کی شخصیت اس قدر پرکشش تھی کہ وہاں کے لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر راہ ہدایت سیکھنے لگے۔ آپ کی تبلیغ و تلقین کا اثر یہ ہوا کہ شراب کباب کے رسیا نہ صرف فسق و فجور سے تائب ہو گئے بلکہ نمازی اور تہجد گزار بن گئے [له]

حضرت مولانا سید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے شیخ سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ آپ اکثر و بیشتر محبت بھرے الفاظ میں مرشد کامل کا تذکرہ فرماتے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت خواجہ چھوہروی قدس سرہ کو دعوت دیں تاکہ ہم ان کی زیارت

له تاریخ محمد مظہر صدیقی قادری، مولانا : مجموعہ [illegible] عالیہ قادریہ [illegible] مطبوعہ [illegible] ص ۹

سے مشرف ہوں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ آپ نے یہ صورتِ حال حضرت خواجہ چھوہروی قدس سرہ کی خدمت میں لکھ بھیجی، انہوں نے جواباً اپنا ایک رومال بھجوا دیا اور فرمایا جو شخص سحری کے وقت باوضو ہو کر اس پر ہاتھ رکھے گا وہ میرا مرید بن جائے گا۔ اس طرح بے شمار افراد حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، تین سال بعد آپ نے اجازت و خلافت سے مشرف فرمایا[1]

اس دوران آپ نے اپنے مرشد کامل کی تصنیفِ جلیل مجموعہ صلوات الرسول شریف تیس ضخیم جلدوں میں شائع کروائی، پاکستان کے مغربی اور مشرقی حصوں میں تقسیم کی اور اس پر تفصیلی مقدمہ لکھا جس میں حضرت خواجہ چھوہروی کے حالات شرح و بسط سے تحریر کئے۔ پہلا ایڈیشن ختم ہونے پر آٹھ ہزار روپے کی لاگت سے طبع ثانی کا انتظام کیا اور اپنے دور کی عظیم الشان کتاب کو منظرِ عام پر لانے کے اسباب فراہم کئے۔

۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں آپ نے چاٹگام میں انجمن شوریٰ قائم کی اور جامعہ احمدیہ سنیہ کی بنیاد رکھی۔ جامعہ کی سہ منزلہ حسین و جمیل عمارت میں سینکڑوں طلباء کیلئے رہائش کا انتظام کیا جہاں جدید نصاب کے مطابق علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعد ازاں آپ کے فرزند ارجمند حضرت الحاج صاحبزادہ محمد طیب زید مجدہ (شتالو شریف، سرکوٹ ہری پور ہزارہ) کی سرپرستی میں ڈھاکہ جامعہ طیبیہ کی تعمیر بڑی تیزی سے جاری تھی کہ غداروں کی غداری کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو گیا، نہ معلوم اس وقت وہاں دینی مدارس اور مساجد کی کیا حالت ہو گی۔

مولانا سید احمد قدس سرہ چاٹگام میں مدرسہ قائم کرنے کے باوجود اپنے شیخ و مرشد کے قائم کردہ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور میں پوری دلچسپی لیتے رہے چنانچہ دارالعلوم کی موجودہ بلند و بالا عمارت میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ نے تقریباً سولہ سال تک مشرقی پاکستان میں قیام کیا، اس عرصہ میں بلا مبالغہ لاکھوں افراد حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ کے مریدین کا امتیازی نشان مسلکِ اہل سنت پر ثابت قدمی، ایک پاکستان سے سچی محبت اور

[1] محمد امیر شاہ، مولانا سید: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج ۲، ص ۲۹۰

دین متین کے ساتھ گہرا لگاؤ ہے۔ اس جگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ شہید وفا جناب فضل القادر چودھری (خدا انہیں غریق رحمت کرے) آپ کے نیازمندوں میں سے تھے[1]

مجاہد دین کا یہ جانباز مجاہد اپنی تمام عمر اشاعتِ اسلام میں صرف کر کے ۱۷ ذیقعدہ، ۱۲ اپریل (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) بروز جمعرات عازم فردوس ہوا[2] ہری پور سے مغرب کی جانب اٹھارہ میل کے فاصلہ پر شتالو شریف سرکوٹ میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے جہاں آپ کے فرزند ارجمند حضرت الحاج محمد طیب قادری مدظلہ مہتمم دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور کی سرپرستی میں ہر سال عرس منایا جاتا ہے جس میں بکثرت عقیدتمند شمولیت کرتے ہیں اور فیضِ قادری کا اکتساب کرتے ہیں۔

[1] محمد عبد الحکیم شرف قادری: آغاز شرح الحقوق (مطبوعہ ہری پور ہزارہ، مارچ ۱۹۷۰ء)

[2] محمد احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۴۸

عارفِ کامل مولانا سید امیر علوی اجمیری قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا سید امیر علوی اجمیری ابن حافظ غلام رسول قدس سرہا چھپڑ شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ چونکہ وصال کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۹۷ سال تھی اس لئے غالب گمان ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں ہوئی ہوگی۔

سات سال کی عمر میں ایک مجذوب نے ملتان جانے کا اشارہ کیا، چنانچہ رات کی تاریکی میں خاموشی سے ملتان روانہ ہو گئے اور گکھڑ ضلع ملتان میں ایک بزرگ حضرت مولانا حافظ جمال الدین قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر کئی سال تک صرف و نحو کی تکمیل کی اور استاذِ گرامی سے امام النحو کا لقب حاصل کیا۔

کچھ عرصہ گکھڑ رہنے کے بعد پھر ملتان شریف چلے گئے اور غوث عالم حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا قدس سرہ کے مزارِ اقدس پر باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے۔ یہ معمول بارہ سال تک جاری رہا۔ اسی اثنا میں ایک نابینا متبحر عالم سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو نحو کی ایک کتاب پڑھا دیں، میں آپ کو فلاں کتاب پڑھا دوں گا۔ پھر انہی کے ایماء پر اجمیر شریف حاضر ہو کر مدرسہ معینیہ میں مولانا علامہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہو گئے۔

ایک سال بعد جذبہ محبتِ الٰہیہ کی فراوانی کی بناء پر تمام مصروفیات سے دستبردار ہو کر خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہِ اقدس میں گوشہ نشین ہو گئے۔ ۵۳ سال تک یہ معمول رہا کہ خواجہ کی چوکھٹ پر نگاہ جمائے مختصر سے حجرے میں بیٹھے رہتے اور حضرت خواجہ کے انوار و برکات سے بہرہ ور ہوتے رہتے تھے۔ سلسلہ طریقت میں امام العارفین حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ کے مرید تھے۔

آپ کے تلامذہ میں سے یہ حضرات بڑے قابلِ ذکر ہیں :-

۱۔ محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بانی دار العلوم مظہر الاسلام لائل پور۔

۲۔ حضرت محقق علامہ مولانا سید غلام جیلانی مدظلہ العالی صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ میرٹھ (بھارت)

حضرت مولانا سید امیر اجمیری قدس سرہ نے تبلیغ اسلام، اصلاح عقائد اور بدمذہبوں کے رد میں متعدد رسائل تالیف فرمائے بعض کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

۱۔ بیعتِ مشائخ	۷۔ سماعِ موتٰی
۲۔ اہلاک الوہابیین	۸۔ آدابِ زیارت (قبور)
۳۔ کشف القناع عن وجہ السماع	۹۔ ارشاد الحق
۴۔ رسالۂ نور	۱۰۔ رسالۂ حاضر و ناظر
۵۔ ماہ حق نما	۱۱۔ کلمۃ الحق
۶۔ مسئلۂ وحدۃ الوجود والشہود	۱۲۔ کشف الحجاب عن مسئلۃ ایصال الثواب

وغیرہ وغیرہ

قیام پاکستان کے بعد آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے چلے گئے اور واپسی پر چھپڑ شریف میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ نے تین مسجدیں تعمیر کرائیں اور خوشاب میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ راوی ہیں کہ غالباً جنوری ۱۹۶۲ء کو خبر ملی کہ حضرت مولانا بعارضۂ فالج بیمار ہیں، نومبر ۱۹۶۲ء کو اچانک میرے پاس تشریف لے آئے، بغور دیکھنے کے باوجود جسم کے کسی حصہ پر فالج کا اثر نظر نہ آیا البتہ زبانی گفتگو کی بجائے اشاروں سے بات چیت کر رہے تھے۔ کاغذ اور قلم پیش کیا لیکن گرفت بالکل صحیح ہونے کے باوجود ایک لفظ بھی نہ لکھ سکے۔ میں نے (حکیم صاحب زید مجدہ نے) پوچھا کہ حضرت کسی وقت کوئی لفظ زبان سے ادا ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ تو آپ نے بغیر کسی لکنت

کے صاف طور پر پڑھا :

"الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ"

گویا اللہ تعالےٰ نے ان کی زبان کو اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے لئے مختص فرما دیا تھا ورنہ اگر مرض ہوتا تو دنیاوی باتوں کی طرح درود شریف کی ادائیگی پر بھی قدرت نہ ہوتی ، اور یہ حالت آخری دم تک رہی۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کی مجلس میں بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے اور سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے۔

۴ر شعبان المعظم، ۶ر اکتوبر (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) بروز منگل نمازِ ظہر کے بعد نفل پڑھتے ہی سفرِ آخرت فرمایا۔ مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے سرپرست مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے تاریخِ وصال کہی :

"شمعِ ہدیٰ خموش ہے" [1]

۱۳۹۰ ھ

[1] محمد موسیٰ امرتسری، حکیم اہلسنت : مولانا سید امیر طلوی اجمیری ' ماہنامہ ضیائے حرم جولائی ۱۹۷۲ء، ص ۳۷، ۴۳۰

شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ العزیز

برہان العاشقین، شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی ابن حضرت خواجہ محمد یار ابن میاں محمد شریف ابن میاں برخوردار ابن میاں تاج محمود ابن میاں شیر کرم علی (فہرست اسرار رحیم) ۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء واجداد کئی پشتوں سے دنیاوی عزوجاہ اور علم و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت شیر کرم علی قدس سرہ اپنے دور کے باکمال بزرگ اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کے عظیم مقتدا حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی قدس سرہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب پچاس واسطوں سے حضرت عباس علمدار شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے [1]

حضورِ اعلیٰ سیالوی قدس سرہ ساڑھے چار سال کی عمر میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے مکتب میں بٹھائے گئے ، سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ علمِ دین کی تحصیل کے لئے علاقہ پنڈی گھیپ کے ایک گاؤں مکی ڈھوک میں گئے ، ابھی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں کہ استاذِ گرامی کا وصال ہو گیا اس لئے وہاں سے حضرت مولانا محمد علی قدس سرہ کی خدمت میں مکھڈ شریف حاضر ہوئے اور تیرہ سال تک ان سے کسبِ فیض کیا ، اسی اثنا میں مکھڈ شریف کے ایک تاجر میاں محمد امین نے حضرت مولانا سے گزارش کی کہ میں تجارتی مقاصد کے لئے افغانستان جا رہا ہوں اس لئے آپ کسی متقی شاگرد کو میرے ساتھ روانہ کریں تاکہ اس کی معیت باعثِ برکت ہو۔ استاذِ کامل کی نگاہِ انتخاب حضور خواجہ سیالوی پر پڑی چنانچہ آپ اس تاجر کے ساتھ تشریف لے گئے ، تاجر موصوف کو وہاں کافی عرصہ رکنا پڑا ، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فاضلِ یگانہ مولانا محمد حافظ دراز قدس سرہ سے فقہ وحدیث کا درس لیا۔ ہدایہ شریف مکمل پڑھا

[1] محمد کرم شاہ الازہری، علامہ پیر : ماہنامہ ضیائے حرم ، مارچ ۱۹۷۳ء ، ص ۳۷، ۳۹

اور سند حدیث حاصل کی، واپس آکر پھر استاذ مشفق مولانا محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔[1]

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے متبحر فاضل اور صاحب دل بزرگ تھے بایں ہمہ انھیں ایسے رہبر کامل کی تلاش تھی جو ایک ہی نگاہ میں دل کی دنیا کو دولت سکون سے مالا مال کر دے۔ ایک دن کسی زائر و شوق نے پیر پٹھان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کا ذکر خیر کچھ اس انداز سے کیا کہ آپ کا دل اس بارگاہ کی حاضری کے لئے بے قرار ہو گیا، اپنے شاگرد رشید حضرت خواجہ سیالوی کو ساتھ لے کر بارگاہ سلیمانی میں حاضر ہوئے۔ استاذ شاگرد شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مولانا کچھ ماہ تک دربار مرشد میں رہے اور باطنی توجہات سے مستفیض ہوئے، بعد ازاں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہو کر شیخ کامل کے ایماء پر واپس مکھڈ شریف تشریف لائے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، انھیں خیال ہوا کہ حضرت خواجہ سیالوی قدس سرہ کو اپنا جانشین بنا لیں ویسے بھی آپ کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ والدین کو جب اس ارادے کا علم ہوا تو بے قرار ہو گئے اور بجانب سیال حضرت خواجہ

---

[1] امیر بخش مولانا : انوار شمسیہ المعروف بہ تذکرہ چشتیہ، مطبوعہ مفید عام پریس لاہور ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء، ص [illegible]

[2] حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے اکثر و بیشتر سوانح نگار حضرات (خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت، ص [illegible]، مولانا مستفیض احمد [illegible] اولیائے چشت ص ۲۱۲، پیر محمد کرم شاہ [illegible] ماہنامہ ضیائے حرم مارچ ۱۹۷۳ء، انوار شمسیہ [illegible]) سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے [illegible] مولانا محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible] خوشاب پنجاب کے رہنے والے تھے اور پشاور میں مستقل قیام پذیر ہو گئے تھے [illegible] تذکرہ [illegible] مشائخ [illegible] خوشاب پنجاب کے رہنے والے تھے مگر مستقل طور پر پشاور [illegible] مولانا [illegible] حافظ محمد [illegible]

محمد سلیمان قدس سرہ کی خدمت میں ماجرا عرض کیا، حضرت پیر پٹھان قدس سرہ نے مولانا کو لکھا:

"آپ نے اس فقیر کو اسیر بنا رکھا ہے اس کو باپ کے پاس بھیج دو اور ساتھ ہی حضرت خواجہ شمس العارفین کو فرمایا وہ والدین کے پاس جائیں اور فریضۂ نکاح ادا کریں۔"[1]

۲۲ سال کی عمر میں حضرت خواجہ شمس العارفین کا نکاح ان کے چچا میاں احمد یار کی دختر نیک اختر سے پڑھایا گیا۔ ان حالات میں آپ نے سیال شریف میں قیام کا ارادہ فرمایا اور ارشاد مرشد کے مطابق تمام اوراد و اذکار ادا کرنے کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، سال میں کئی دفعہ پا پیادہ مرشد کامل کے دربار میں حاضری دیتے اور کم و بیش چالیس دن تک وہاں قیام کرتے۔ چودہ مرتبہ حضرت پیر پٹھان کی معیت میں تونسہ شریف سے مہار شریف کا سفر اس شان نیاز سے کیا کہ مرشد کامل گھوڑی پر سوار ہوتے اور آپ آنحضور کا قرآن مجید، رحل اور دیگر وظائف سر پر رکھے، پانی کا کوزہ دائیں ہاتھ میں، مصلّی اور عصا بغل میں دبائے ساتھ ساتھ دوڑتے جاتے تھے، دیکھنے والے اس پیکر حسن و جمال کی جفاکشی اور عقیدت کیشی کو دیکھ کر محو حیرت رہ جاتے اور اہل نظر اس شہباز معرفت کی قوت پرواز کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے۔

۲۶ سال کی عمر میں جب آپ کا قلب انور عبادت و ریاضت اور پیر کامل کی نگاہ کیمیا اثر کی برکت سے رشک شمس و قمر بن چکا تھا، حضرت پیر پٹھان سلیمان زماں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ نے خرقۂ خلافت عطا کیا اور فرمایا:

"جو شخص بیعت کی تمنا لے کر حاضر ہو اس کی مراد بر لائی جائے اور اپنے اشغال میں مصروف ہو کر اسے نظر انداز کر دینا۔"[2]

---

[1] خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت، ص [illegible]

[2] محمد کرم شاہ، پیر : ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، مارچ ۱۹۷۳ء، ص [illegible]

سب سے پہلے آپ کے دستِ اقدس پر والدین کریمین بیعت ہوئے اس کے بعد
میاں چوہڑ کسب دار، شیخ عبد الجلیل قریشی، عبد اللہ دین لالہ اور میاں فضل احمد قریشی مرید ہوئے [1]
مرشدِ اکمل سے عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک نورانی پیکر بزرگ حضرت میر
پٹھان قدس سرہ کے پاس تشریف لائے اور کچھ دیر گفتگو ہو کر رخصت ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد
حضرت نے فرمایا: "یہ حضرت خضر تھے جو شخص ان کی زیارت کرنا چاہتا ہے جائے اور زیارت
کرے" تمام حاضرین دیوانہ وار ان کے پیچھے چلے گئے مگر حضرت خواجہ شمس العارفین وہیں بیٹھے
رہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: "مولوی! تمہیں حضرت خضر کی زیارت کا اشتیاق نہیں!"
عرض کی میرے لئے اسی کی زیارت کافی ہے جس کی ملاقات کے لئے حضرت خضر علیہ السلام تشریف
لاتے ہیں ؎

همه شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم خوش بیں نکند بہ کس نگاہے

اس خلوص و محبت پر حضرت میر پٹھان بہت خوش ہوئے اور دعا کی "اللہ سائیں میرے
میاں کوں رنگ لائیں" اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ چار دانگ عالم سے جام عرفان کے متلاشی پروانہ وار
آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تسکین دل و جان اور منزل مراد حاصل کرتے۔
آپ ملکوتی صفات اور قدسی اخلاق کے پیکر تھے۔ آپ کے قائم کردہ لنگر سے ہر مسافر و مفلس
و مسکین بہرہ ور ہوتا اور آپ ہر درد مند کی دکھ بھری داستان سنتے اور حسب حال اس کا مداوا
فرماتے۔ شریعت مقدسہ کی اتباع اور پیروی میں اپنی مثال آپ تھے۔ نماز با جماعت ادا کرتے اور
مریدین کو بھی اتباع سنت مطہرہ کا سختی سے حکم دیتے۔ آپ نے رشد و ہدایت کا پیغام اعلیٰ چلانے پر
[illegible] تک پہنچایا اور بے شمار مریدین کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ تاریخ مشائخ چشت میں آپ
کے [illegible] خلفاء کے نام درج ہیں۔ آپ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل حضرات آسمان علم و عرفان پر مہر و ماہ
بن کر چمکے جن کے ذکر اور فیض سے قیامت تک دلوں کی دنیا منور ہوتی رہے گی [2]۔

[1] [illegible] انوار شمسیہ [illegible] تاریخ مشائخ چشت ص [illegible]
[2] [illegible] ماہنامہ [illegible] فروری ۱۹۷۳ء [illegible]

۱۔ حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی (فرزند ارجمند)
۲۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی۔
۳۔ حضرت پیر غلام حیدر شاہ جلالپوری۔
۴۔ حضرت پیر معظم الدین مرولوی (وغیرہم قدست اسرارہم)

حضور خواجہ شمس العارفین قدس سرہ کا وصال ۲۴ صفر، جنوری (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) بروز
جمعہ صبح صادق کے وقت ہوا۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک ۲۲، ۲۳، ۲۴ صفر المظفر کو آستانہ عالیہ
سیال شریف پر موجودہ سجادہ نشین حضرت شیخ الاسلام والمسلمین الحاج علامہ حافظ محمد قمر الدین
دامت برکاتہم العالیہ کے زیر اہتمام منعقد ہوتا ہے جس میں ہزاروں ارادت مند حاضر ہو کر فیضیاب
ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مزار مقدس پر حاضر ہونے والا اپنے دل میں جلال و جمال کی
ملی جلی کیفیت محسوس کرتا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ وصال کہی ؎

دریغا صد دریغا صد دریغا — کہ شمس الدین امام العارفین رفت
ہزار افسوس کیں مہر جہاں تاب — بہ اوج عرش از فرش زمیں رفت

چو سرور جست تاریخش ز ہاتف
بگفتا "شمس اوج علم و دین رفت" [1]
۱۳۰۰ھ

[1] امیر بخش، مولانا : انوار شمسیہ، ص ۸۲
نوٹ: انوار شمسیہ اور تاریخ مشائخ چشت میں علم اور دین کے درمیان واؤ نہیں ہے [illegible]
کا عدد پورا نہیں ہوتا۔ مرتب

آفتابِ ولایت حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ العزیز

شیرِ ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری ابن حضرت میاں عزیز الدین شرقپوری قدس سرہما ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۵ء۔ ۲ میں شرقپور شریف میں پیدا ہوئے سلہ آپ کی ولادت سے پہلے حضرت ثانی حاجی امیر الدین قدس سرہ (پیر و مرشد حضرت میاں صاحب) نے شرقپور میں آمد و رفت شروع کر دی تھی کیونکہ انہیں کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس جگہ ایک ولی اللہ پیدا ہوگا سلہ بچپن ہی میں آپ پر محبتِ الٰہیہ کا غلبہ تھا جس کا یہ عالم تھا کہ گلی کوچے میں چادر اوڑھ کر گزرتے۔ محلے کی عورتیں کہا کرتی تھیں ہمارے محلہ میں لڑکی پیدا ہوئی ہے ختمِ قرآن پاک کے بعد مڈل سکول شرقپور میں پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی سکول سے واپس آ کر مسجد کے کسی کونے میں بیٹھ جاتے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ بعد ازاں فارسی کی کچھ کتابیں اپنے چچا حضرت حافظ حمید الدین سے پڑھیں حکیم شیر علی سے بھی کچھ پڑھا۔ پھر خوشنویسی کا شوق پیدا ہوا اور اس فن میں کمال حاصل کیا کئی قرآن پاک جن کے ابتدائی اور آخری پارے بوسیدہ ہو گئے تھے، انہیں خود لکھ کر مکمل کیا۔

ظاہری طور پر صرف اسی قدر تعلیم حاصل کی لیکن قدرتِ ایزدی نے آپ کو علمِ لدنی کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تو خمیدہ سر دو زانو ہو کر بیٹھتے اور آپ کے علوم و معارف سے مستفید ہوتے۔

جود و سخا کی یہ کیفیت تھی کہ جو ضرورت مند حاضر ہوتا اس کی حاجت روائی فرماتے۔

حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ (کوٹلہ شریف) کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے سلہ

سلہ محمد صادق قصوری: تذکرۂ معرفت (دوسرا ایڈیشن) ص ۹۳ (نوٹ: مکتبہ ... قصوری ... ۱۹۸۳ء)
سلہ ... حیاتِ جاوید (مطبوعہ رفیق عام پریس لاہور) ص ۱۰
ص ۱۲-۲۰

حضرت میاں صاحب قدس سرہ کی پرکشش شخصیت سے فیضیاب ہونے کے لئے دور دراز سے لوگ حاضر ہوتے اور رشد و کام واپس جاتے۔ آنے والے پر عقیدت مند کو شریعتِ مطہرہ کی پیروی کا حکم دیتے۔ بعض اوقات خلافِ شریعت صورت و سیرت رکھنے والے افراد کو صرف زبانی سمجھانے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ تھپڑ تک رسید کر دیتے، کیا مجال کہ کوئی اُف بھی کر جائے، ایسے افراد نادم ہو کر تائب ہو جاتے اور عمر بھر میاں صاحب کے ممنون رہتے، حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری لکھتے ہیں :-

" چچا لیپ کے غلام رسول صاحب نے اپنی پہلی ملاقات کا حال بیان کیا کہ ۱۹۲۴ء میں سرہند شریف جاتے ہوئے حضرت میاں صاحب کی زیارت کے لئے شرقپور شریف حاضر ہوا، کچھ اور افراد بھی موجود تھے، ان سے گفتگو فرمانے کے بعد مجھ سے پوچھا یہ بزرگ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا چچا لیپ سے، فرمایا مویشیوں میں وقت گزارتے ہو لیکن نماز کا خیال تک نہیں کرتے، میرا نام پوچھ کر فرمایا کیسا اچھا نام ہے اور شکل کیسی بنا رکھی ہے۔ پھر فرمایا چھوٹے بھائی کا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، نبی بخش، اس پر بندہ کو ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا پھر آؤ تو غلام رسول بن کر آنا، نماز پابندی سے ادا کیا کرو۔ (کچھ وظائف بتا کر) اسلام کی پہلی کتاب (تالیف لطیف مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ) اور تواریخ حبیب اللہ (تالیف مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی قدس سرہ) کے مطالعہ کی تاکید کی اور رخصت عطا فرمائی سلہ (ملخصاً)

حضرت مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری (مرید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ) جامعہ نعمانیہ میں مدرس تھے، انہوں نے حضرت میاں صاحب کا بڑا چرچا سنا پھر یہ بھی پتہ چلا کہ امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ ان کی ملاقات کے لئے

سلہ ماہنامہ نورِ اسلام، شیرِ ربانی نمبر، شرقپور جون جولائی ۱۹۶۹ء ص ۱۰۲-۱۵۱

گئے تھے، واپسی پر ان سے بھی میاں صاحب کی تعریف سنی تو زیارت کا شوق لئے شرقپور شریف پہنچ گئے۔ مشتاقانِ زیارت پہلے سے موجود تھے یہ بھی بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے میاں صاحب کی زیارت نہیں کی تھی چنانچہ جب میاں صاحب تشریف لائے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی درویش ہوں گے۔ میاں صاحب نے پوچھا، آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیا شغل ہے؟ مفتی صاحب نے بتایا لاہور سے آیا ہوں اور جامعہ نعمانیہ میں پڑھاتا ہوں۔ میاں صاحب نے فرمایا کیسے آئے؟ عرض کی، قبلہ میاں صاحب کی قدمبوسی کو آیا ہوں۔ فرمایا، میاں صاحب کو مل کر کیا کرو گے تم خود عالم ہو، تمہیں فقیروں سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟ مفتی صاحب نے غصے میں پوچھا کیا فقیروں کو ملنا گناہ ہے؟ تم فقیروں کے پاس رہ کر ایسے گمراہ ہو کہ فقیروں سے ملنا گناہ سمجھتے ہو! میاں صاحب نے فرمایا مولوی احمد علی (شیرانوالہ دروازہ لاہور) اور مولوی غلام مرشد کیسے ہیں؟ مفتی صاحب نے کہا وہ بھی تمہاری طرح گمراہ ہیں جو فقراء کے قائل نہیں۔ فرمایا تو تم غصے میں آگئے ہو۔ مفتی صاحب نے کہا تم خود غصے کی باتیں کر رہے ہو! میاں صاحب سے عرض کروں گا کہ آپ نے ایسے گمراہ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

میاں صاحب آگے بڑھ گئے اور ایک ڈاڑھی منڈے سے فرمایا تم نے ڈاڑھی کیوں منڈوائی ہے، اگر تیری بیوی کا سر مونڈ دیا جائے تو اچھی معلوم ہوگی؟ اس نے کہا نہیں، اور شرمسار ہو کر ڈاڑھی نہ منڈوانے کا عہد کیا۔ اسی طرح میاں صاحب ایک ایک آدمی کو ہدایت کرتے گئے۔ اتنے میں کسی نے مفتی صاحب کو اشارۃً بتا دیا کہ یہی میاں صاحب ہیں۔ مفتی صاحب کو بڑی ندامت ہوئی اور رقت طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد میاں صاحب تشریف لائے اور کشف المحجوب لا کر دی جس میں تین جگہ نشانی رکھی ہوئی تھی۔ حضرت میاں صاحب گھر تشریف لے گئے اور واپسی پر مفتی صاحب کے لئے تقریباً آدھ سیر گڑ بھی لے آئے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں جن تین عقدوں کے حل کے لئے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کشف المحجوب کے مطالعہ سے تینوں حل ہو گئے۔ میاں صاحب [illegible] ان پر عمل کرنا، پھر فرمایا مولوی احمد علی (شیرانوالہ دروازہ [illegible]

لاہور گذشتہ جمعہ یہاں آیا تھا، وہ یہاں جمعہ پڑھانا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کی بدعقیدگی کی بنا پر پڑھانے نہیں دیا۔ واپسی پر جب مفتی صاحب بس پر سوار ہوئے تو دیکھا رومال کے کونے میں ایک روپیہ بندھا ہوا تھا جو آمد و رفت کا کرایہ تھا۔[1]

حضرت میاں صاحب قدس سرہ دورِ آخر میں صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی بہت بڑی کرامت یہ تھی کہ بے شمار افراد آپ کی ہدایت پر صورت و سیرت میں متبعِ شریعت بن گئے۔ آپ کے مریدین اور معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ آپ نے کئی کتابیں چھپوا کر تقسیم کیں اور متعدد مسجدیں بنوائیں۔

آپ کے بعد آپ کے برادرِ حقیقی حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوری قدس سرہ جانشین ہوئے، انہوں نے میاں صاحب کی روایات کو پوری آب و تاب سے باقی رکھا۔ اب حضرت ثانی لاثانی کے فرزند ارجمند حضرت الحاج میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ صاحبِ سجادہ ہیں اور مسلکِ اہل سنت اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۳ ربیع الاول / ۲۰ اگست (۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) بروز جہاں افروز سوموار شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ کا وصال ہوا۔[2] شرقپور شریف میں آپ کے مزار پر انوار پر گنبد تعمیر ہو چکا ہے، ہر سال بڑے اہتمام سے آپ کا عرس ہوتا ہے۔

قطعہ تاریخ وصال یہ ہے ؎

چو مولانائے قبلہ شرقپوری ز دنیا شد روان با کام و آرام
"وصالِ شیرِ حق، بشیر محمد" شدہ سالِ وصالش اے نکونام [3]
۱۳ ۔ ۴۷

---

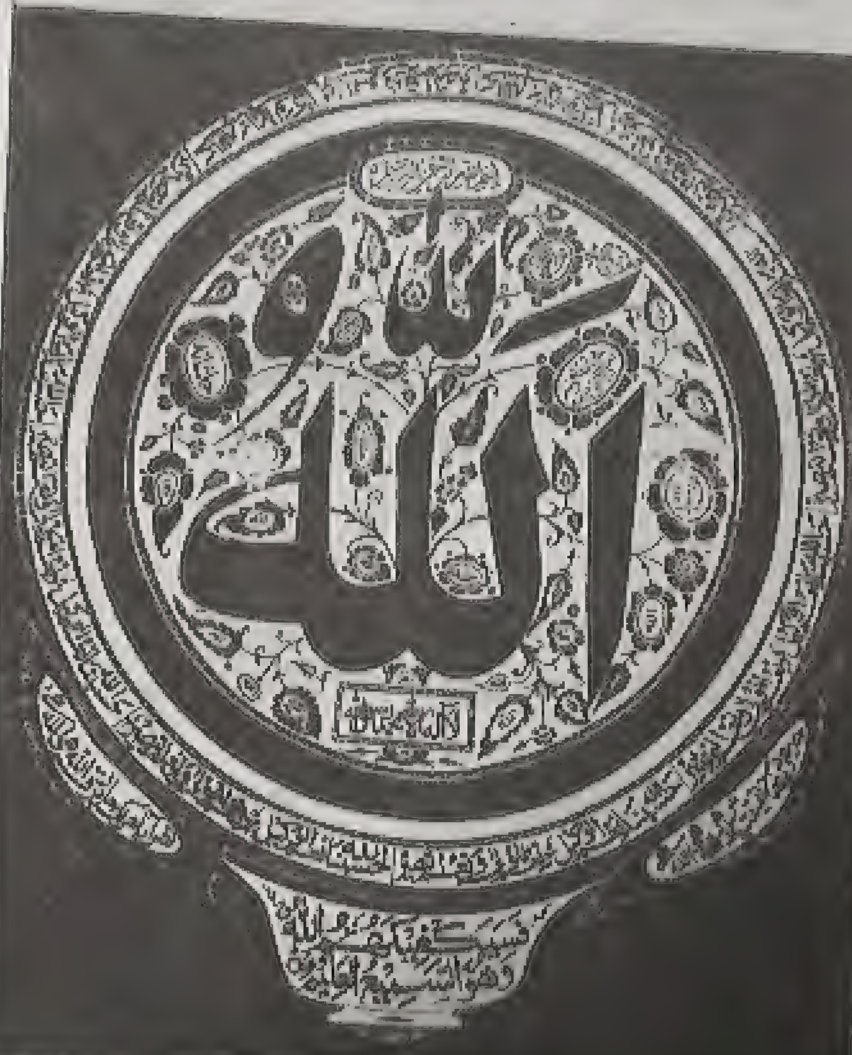
[1] قلمی یادداشت حضرت مولانا مفتی غلام جان ہزاروی، مملوکہ مولانا محمد مظفر اقبال رضوی زید مجدہ

[2] احمد علی شرقپوری : آفتاب ولایت ، ص ۱۲۰

[3] ماہنامہ نورِ اسلام ، شیر ربانی نمبر ، جون و جولائی ۱۹۶۹ء ، ص ۱۲۴

اسم ذات شیر ربانی حضرت میاں شیر محمدؒ

نے اپنے دست مبارک سے رقم فرمایا،



حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حکیم مظفر حسین قریشی (موضع اجنکے ضلع گوجرانوالہ) نے ایک عریضہ کے ذریعے وظیفہ "یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" (جس کے پڑھنے پر مولوی ثناء اللہ امرتسری اور دیگر علماء نے فتویٰ کفر و شرک دیا تھا) کے جواز کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ آپ نے جو جواب دیا، درج ذیل ہے:۔

خداوند کریم فضل و کرم سے انجام خیر کریں،

ہر حال شکر اور ذکر فکر بہت ضروری ہے سو آجکل محال ہے، اس دوسوسہ میں پڑنا زیبا نہیں، مقرب تو پڑھا کرتا ہے بلکہ کل ولی سے امداد لینا جائز ہے۔ آپ کا دل چاہے تو خیر پڑھا کریں۔ حضرت میراں محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ عجیب طرز کی توحید میں فنا تھے اس لئے جو لوگ ان کو یاد کرتے ہیں انہوں کو خداوند کریم کی محبت کامل ہو جاتی ہے، آخر سب کا رجوع رب کریم کی جانب ہے، واللہ خیر حفظاً و ہو ارحم الراحمین آپ کے وجود غیر خدا سے نہیں بنا ہے، اس کا ثبوت قادری قلندروں سے لیں، اگر کوئی نہ پڑھے تو خیر۔

خداوند کریم کی سنت جاری ہے ہر ایک کو ایک کام سپرد کیا ہے، جیسا ہر ایک چیز سے کام لیا جاتا ہے، ویسا یہی ہے:

در دلم ہزار درد است لاکن با کس نگویم

بہر حال جمال اللہ بینم	بہر قال جمال اللہ بینم
بجز روئش نخواہم ہیچ چیزے	ز شوق جمال جمال اللہ بینم

فرصت کم، خط کی رسم ہی نہیں۔

(آئندہ صفحات میں اصل سوال و جواب کا عکس دیا جا رہا ہے)

قدوۃ الفضلا، حضرت علامہ مفتی محمد صاحبداد خاں قدس سرہ العزیز

امام الفقہاء، قدوۃ الفضلا حضرت علامہ مفتی محمد صاحبداد خاں رحمہ اللہ تعالے ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں بمقام لونی (مضافات سبی صوبہ بلوچستان) پیدا ہوئے۔ قرآن مجید خواجہ محمد شاہ رحمہ اللہ تعالے سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تعالے (لاڑکانہ مضافات جاگ، قلات) سے پڑھیں، پھر مدرسہ قاسمیہ (گڑھی یاسین مضافات سکھر) میں مولانا محمد قاسم سے علوم و فنون کی تحصیل کی اور ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔ بعد ازاں کچھ عرصہ دانی پور اور کچھ زمانہ سلطان کوٹ (مضافات سکھر) میں مدرس رہے۔ ایک مدت تک قلات کے قاضی القضاۃ رہے بعد ازاں پیر پگارا حضرت پیر سید محمد صبغۃ اللہ رحمہ اللہ تعالے کے طلب فرمانے پر پیر گوٹھ (ضلع خیرپور، میرس سندھ) تشریف لے گئے اور جامعہ راشدیہ میں صدر المدرسین مقرر ہوئے اور علم و فضل کے پیاسوں کو خوب خوب

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے مسلک اہل سنت و جماعت کی بے مثال خدمات دیں۔ فن افتاء میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، دور دراز سے لوگ دینی و علمی مسائل میں رجوع کیا کرتے تھے۔ سواد اعظم لاہور میں راقم کی نظر سے مدینہ طیبہ سے آیا ہوا استفتاء گزرا ہے جس کا مبسوط جواب مفتی صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالے عموماً اپنے فتاوی میں بہار شریعت (از صدر الشریعہ مولانا امجد علی قدس سرہ) کا حوالہ دیا کرتے تھے، اس طرح ایک تو ماخذ کی نشاندہی ہو جاتی اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا کہ بہار شریعت کا مستند ہونا عوام و خواص پر ظاہر ہو جاتا۔[2]

---

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ، ص ۱۵۳

[2] [illegible] ۲ اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۲۱

مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالے نے وقتی ضروریات کے پیش نظر متعدد کتابیں رقم فرمائیں فی الحال جن تصانیف کے نام ہمارے سامنے آئے ہیں، یہ ہیں:

۱. المقول المقبول فی عظمۃ قول اللہ والرسول : لاؤڈ سپیکر کی آواز پر امام کے انتقال کی پیروی کرنے کے ناجائز ہونے پر مبسوط فتویٰ۔

۲. الہام التقدیر فی مسئلۃ التقدیر : مسئلہ تقدیر کی وضاحت اور شکوک و شبہات کا ازالہ۔

۳. سبیل النجاح فی مسائل الیمین والنکاح : نکاح و طلاق کے مسائل اور عائلی قوانین پر تبصرہ۔

وغیرہ وغیرہ

حضرت مفتی محمد صاحبداد خاں قدس سرہ ۳ جمادی الاولی/۲۹ اگست (۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) اتوار کی شب اس دار فانی سے انتقال فرما گئے اور سلطان کوٹ (مضافات شکارپور) میں مدفون ہوئے۔[1]

---

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ، ص ۱۵۳۔

مجاہدِ اسلام حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ

شیخِ طریقت، مجاہدِ جلیل حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ابن حضرت خواجہ محمد الدین ابن حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی (قدست اسرارہم) ۱۳۰۴ھ/ ۷-۱۸۸۶ء میں سیال شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے[۱] "مظہرِ حق" (۱۳۰۴ھ) مادۂ تاریخ ہے۔ آپ کو بچپن ہی سے علومِ دینیہ کا بے حد شوق تھا، قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد ممتاز فاضل سے علمِ دین کی تعلیم حاصل کی اور والد ماجد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نہ صرف قرآن کریم کے حافظ تھے بلکہ بائیبل پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے، مطالعۂ کتب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ اکثر و بیشتر شام کا کھانا رات کے دو تین بجے تناول فرماتے، ملک اور بیرونِ ملک سے کتبِ دینیہ کا بہت بڑا ذخیرہ منگوا کر کتب خانہ میں خاصی توسیع کی۔ آستانہ عالیہ پر قائم شدہ دار العلوم کو خاطر خواہ ترقی دی۔ علامۂ زماں مولانا معین الدین اجمیری اور ان کے جلیل القدر شاگرد مولانا محمد حسین اور دیگر اجلہ فضلاء کو آپ ہی کی کشش سیال شریف کھینچ لائی تھی، علم دوستی کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند ارجمند شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین مدظلہ العالی کو تحصیلِ علم کے لئے اجمیر شریف مولانا معین الدین اجمیری کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کا کمالِ علمی اور علومِ دینیہ سے لگاؤ آپ ہی کا مرہونِ منت ہے[۲]

آپ کے دل میں ملتِ اسلامیہ کا بے پناہ درد اور فرنگی سے حد درجہ متنفر تھا۔ آپ نے تمام عمر انگریز کو زمین کا لگان نہ دیا۔ ملتِ مسلمہ کی اس خیر خواہی اور انگریز دشمنی کے تحت آپ نے تحریک

---

[۱] [illegible] ، انوارِ قمریہ ، ص ۱۰۵۔
[۲] [illegible] ماہنامہ الحبیب (اکتوبر ۱۹۷۱ء)، ص ۲۵۔
ص ۱۰۰

"ترکِ موالات"[۱] کی حمایت کی اور تین سال تک فوج اور پولیس میں ملازم مریدین سے نذرانہ قبول نہ کیا، آپ نے نہ صرف خود انگریز کی مخالفت میں حصہ لیا بلکہ دیگر مشائخ کو بھی اس مخالفت میں بھرپور حصہ لینے کی طرف رغبت دلائی[۲] آپ نے ۱۹۲۳ء میں دربارِ رسالت میں منظوم استغاثہ پیش کیا جس کے ایک ایک مصرعہ سے درد و کرب کا اظہار ہوتا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

آپ کی امت سا دنیا میں نہیں کوئی ذلیل — اے ہمارے آنکھ او شاہ بے خبر زاہم الکتاب
قومِ مسلم دین کی علت میں ہے اب مبتلا — نسقنا کو شفا شفا تیرے لئے یا مستجاب
عقلِ مسلم کی ہوئی گم اس کا سر اب پھرا — لیک راہی شمارہ فتح را دانہ صواب
رحم کر ہم پر جو ہے تو رحمۃ للعالمین — چہرۂ پرنور تاباں را نمائی بے نقاب

بہرِ خدا یا بخش قسمت ہم کو ضیاء مفلس ذلیل
سرخرو باشیم و شاداں پیش تو یوم الحساب[۳]

ایک مرتبہ انگریز کمشنر نے حاضر ہو کر ۲۵ مربع اراضی کی منظوری کے لئے پیشکش کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ:

"اگر انگریز اپنی تمام حکومت بھی مجھے دیدے تو میرا ایمان نہیں خرید سکتا،
فقیر شاہی خزانہ کا مالک ہے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔" ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

تحریکِ خلافت کے سلسلے میں جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ضلع سرگودھا کے قریباً ۵۲ افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں سیال شریف کے دار العلوم کے صدر مدرس مولانا محمد حسین اور دیگر علماء بھی تھے، حضرت خواجہ ضیاء الدین قدس سرہ کے وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہوئے لیکن ٹوانہ قوم کے دو سرکردہ نواب اللہ بخش اور خدا بخش وغیرہ نے انگریز کمشنر کو ان الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر

---

[۱] ۱۹۲۰ء میں [illegible] ۱۹۷۲ء
اور اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت [illegible] ۱۹۷۵ء
[۲] سلطان محمد [illegible] ، تذکرہ اولیائے چشت ، ص ۲۴۳۔
[۳] " ماہنامہ الحبیب ، اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۳۶

حضرت کی عزت پر بری نگاہ سے دیکھا گیا تو ان سے پہلے ہم جیل میں جائیں گے اور گورنمنٹ کے مخالف ہو جائیں گے، چنانچہ حالات کے خطرناک تیور دیکھ کر آپ کو گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ آپ نے خونی تحریک کے دوران علاقہ سے وہ چندہ اکٹھا کر کے ایک دیا جس پر انگریزوں کے خلاف داد شجاعت دینے والے فوجیوں کے نام کندہ تھے آپ نے فرمایا:

"ہم ان بدبختوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے جنہوں نے عربوں پر گولیاں چلائی تھیں"۔[1]

آپ نے رد مرزائیت میں ایک رسالہ معیار المسیح تحریر کیا جو ۱۳۲۹ھ میں چھپا۔[2]

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کے ساتھ بڑے والہانہ تعلقات تھے عید کے موقع پر آپ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

عید شد، ہر کس زیار خویش دارد ہوس   عید ما و عیدی ما دیدن روئے تو بس
عید مردم دیدن ہر ماعید ما دیدار تو   ای چنیں عیدے نہ بیند در دو عالم ہیچ کس[3]

۱۳ محرم الحرام، ۲۲ جون (۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) کو آپ کا وصال ہوا اور آپ سیال شریف میں اپنے جد امجد حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔ موجودہ صاحب سجادہ عالیہ سیال شریف شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین دام ظلہ الاقدس تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد، اسلاف کی یادگار اور موجودہ دور کے اعتقادی فتنوں کے لئے شمشیر براں ثابت ہیں۔ مولیٰ کریم قوم کو ان سے بیش از بیش مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔[4]

---

[1] سلطان محمد فاروق، مولانا : تذکرہ مشائخ چشت ، ص ۲۲۴-۲۲۵
[2] فیض احمد، مولانا : مہر منیر ، ص ۳۹۹
[3] ایضاً   ایضاً
[4] سلطان محمد فاروق، مولانا : ماہنامہ الحبیب اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۲۹۰

استاذ الافاضل مولانا سید ضیاء الدین سلطان پوری قدس سرہ

عالم باعمل، فقیہ زماں مولانا سید ضیاء الدین ابن مولانا سید حمید شاہ قدس سرہما قریباً ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴-۵ء میں سلطان پور ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری میں مشہور و معروف تھا۔ الحمد للہ یہ خاندان آج بھی اسی بزرگی اور فضیلت کا حامل ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا احمد دین قدس سرہ (والد ماجد استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی دامت برکاتہم العالیہ) سے حاصل کی۔ ترکیب پڑھنے کے لئے موضع شالرلی (ضلع کیمبل پور) میں صرف و نحو کے مشہور آفاق استاذ (نام معلوم نہیں ہو سکا) کی خدمت میں حاضر ہوئے بعد ازاں مختلف اساتذہ سے استفادہ کرتے ہوئے اہل سنت کے مایہ ناز فاضل مولانا مشتاق احمد کانپوری ابن مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہما کی خدمت میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور معقول و منقول کی منتہی کتب کا درس لیا۔ دورۂ حدیث شریف دہلی میں غالباً جامع مسجد میں پڑھا۔ مولانا سید ضیاء الدین حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہما کے مخلص مریدین میں سے تھے، بارہا سیال شریف کے سفر میں حضرت پیر صاحب کے ہم سفر رہے۔

حضرت مولانا سید ضیاء الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فراغت کے بعد ۱۳۳۲ھ میں سلطان پور میں دارالعلوم حمیدیہ کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا اور وصال سے دو، تین سال پہلے تک علوم دینیہ کا درس فی سبیل اللہ دیتے رہے۔ ویسے تو تمام علوم میں دسترس رکھتے تھے لیکن فقہ، اصول فقہ اور میراث میں خاص مہارت اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔ استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی دامت برکاتہم العالیہ ان کی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے فقہی جزئیات کا ایسا ماہر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ علم و فضل کے باوجود آپ سراپا اخلاق، پیکر شفقت، متواضع اور حلیم الطبع شخصیت کے مالک تھے، سحری کے وقت طلباء کو درس دیتے اور نماز کے بعد چل جاتے، آخر دم تک نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

۱۔ مولانا سید غلام محی الدین مدظلہ مہتمم ضیاء العلوم جامعہ رضویہ سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔

۲۔ مولانا سید عبد الرحمٰن شاہ مدظلہ خطیب جامع مسجد ہری پور۔

۳۔ مولانا سید حسین الدین شاہ ناظم اعلیٰ ضیاء العلوم جامعہ رضویہ سبزی منڈی راولپنڈی۔

۴۔ مولانا عبد الحق مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم بنگی (حضرو)

۵۔ مولانا حافظ عبد الغفور مہتمم جامعہ غوثیہ چھاچھ بازار راولپنڈی (وغیرہم)

اول مذکور تین حضرات مولانا سید ضیاء الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزندانِ گرامی ہیں ان کے افکار و کردار کی بلندی کو دیکھ کر ان کے والد ماجد کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جن کے فیض صحبت سے ایسے صاحبزادے آج دنیائے سنیت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ راولپنڈی کی مشہور دینی درسگاہ ضیاء العلوم جامعہ رضویہ (سبزی منڈی) مولانا سید ضیاء الدین قدس سرہ کے نام ہی کی طرف منسوب ہے۔

۱۷ جمادی الثانیہ ۱۹ جولائی (۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) بروز جمعرات حضرت مولانا سید ضیاء الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا، دوسرے دن بارش کے باوجود جم غفیر نے نماز جنازہ میں شرکت کی، سلطان پور میں آپ کے آبائی قبرستان میں آخری آرامگاہ بنائی گئی۔ راقم الحروف ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔[1]

[1] یہ حالات مولانا سید حسین الدین شاہ مدظلہ نے فراہم کئے۔

حضرت ابو المخدوم سید محمد طاہر اشرف شاہ جیلانی قدس سرہ

حضرت ابو المخدوم سید محمد طاہر اشرف شاہ اشرفی جیلانی ابن حضرت سید حسین اشرف شاہ جیلانی قدس سرہما (م ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ/۲۸ نومبر ۱۸۸۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد سے حاصل کی، تزکیۂ نفس کے ابتدائی مراحل بھی انہی سے طے کئے۔ والد گرامی کے وصال کے بعد جامع فتحپوری کے مدرسہ میں مولانا مفتی غلام حبیب احمد دہلوی سے دینی علوم کی تکمیل کی، مفتی صاحب نے آثار نجابت و سعادت دیکھتے ہوئے اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا۔ اسی دوران ایک بزرگ کمبل پوش نے باطنی تربیت میں آپ کی رہنمائی فرمائی لیکن بیعت نہیں کیا بلکہ مرشد کامل کے ملنے کی بشارت دی، چنانچہ مرجع المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین شاہ اشرفی قدس سرہ دہلی تشریف لائے تو آپ کو بیعت کیا، سلسلۂ عالیہ قادریہ سراجیہ اشرفیہ میں اجازت و خلافت سے مشرف فرما دیا۔

مرشد کامل کے ارشاد پر عازم کشمیر ہوئے اور بارہ سال تک ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے، واپس تشریف لانے پر لاکھوں مسلمان آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اور صدہا غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ چار دفعہ حرمین شریفین کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک پر اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آئے، ابتداءً کمپاؤنڈ ڈسٹرکٹ ہاسپیٹل کی بارکوں میں قیام رہا بعد ازاں فردوس کالونی میں مسکن سادات اشرفیہ کی بنیاد ڈالی، آپ کی طبیعت سادگی اور نفاست کا بہترین مرقع تھی۔ اقوال و افعال اور نشست و برخاست میں سنت مبارکہ کی پیروی کو مدنظر رکھتے۔ آپ کے مریدین کا وسیع سلسلہ پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ ہر شخص کی بات پوری توجہ سے سنتے اور اس کی تسکین کے لئے ہر امکانی سعی فرماتے یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں حاضری دینے والا ہمیشہ کے لئے آپ کا عقیدت کیش بن جاتا تھا [1]

اوراد و وظائف ادا کرنے کے علاوہ پابندی کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کی محفل منعقد فرماتے، دعا، تعویذ اور دم کے ذریعے اہل حاجت کی دستگیری فرماتے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ آپ کلکتہ میں تشریف فرما تھے کہ بستی ونگر (صوبہ بہار) کے چند سرکردہ افراد لے آگئے ایک ہندو جادوگر کے مظالم کی داستان سنائی اور اس کا شر دفع کرنے کی درخواست کی۔ آپ اس بستی میں تشریف لے گئے۔ جادوگر کو پتہ چلا تو ایسا افسوں پھونکا کہ بستی کے گرد شعلے بھڑکنے لگے لیکن آپ کی برکت سے کوئی نقصان نہ ہوا، جادوگر نے آپ کو چیلنج کیا کہ اگر کوئی کمال ہے تو دکھاؤ! آپ نے فرمایا ہم کوئی جادوگر نہیں ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے تمہارا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوگا۔

آپ نے کھیت میں ایک چارپائی بچھوائی اور اسے وار کرنے کے لئے کہا۔ اس کے جادو سے ایک آتشیں دائرہ پیدا ہوا جس کی تپش دور دور تک پہنچی تھی آپ کے سر پر جاکر شعلہ بار ہوا، آپ نے انگلی کا اشارہ کیا تو وہ آتشیں دائرہ جادوگر کی طرف چلا اور بم کی طرح زمین میں دھنس گیا جہاں سے پانی اُبل پڑا۔ یہ صورت حال دیکھ کر نہ صرف وہ جادوگر مسلمان ہو گیا بلکہ اس آبادی کے پانچ سو ہزار غیر مسلم دولت اسلام سے مشرف ہو گئے [2]

آپ کے ایک صاحبزادے مخدوم اشرف شاہ جیلانی آپ کی زندگی ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ آپ نے وصال کے وقت دو صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے یادگار چھوڑے صاحبزادگان کے نام یہ ہیں :-

---

[1] [illegible] روزنامہ [illegible] کراچی ، ۲۱ر جولائی ۱۹۷۰ء

[2] طیب اشرف جیلانی، سید، قطب ربانی (مطبوعہ جمعیت اشرفیہ پاکستان [illegible] کراچی) ص ۴۰-۴۲

[3] ایضاً ، ص ۱۰۵

۱۔ حضرت ابو محمد سید احمد اشرف شاہ جیلانی سجادہ نشین درگاہ عالیہ اشرفیہ۔

۲۔ سید طیب اشرف جیلانی ۔ ۳۔ سید مظاہر اشرف جیلانی ۔

۱۷ر جمادی الاولیٰ، ۲۷ر اکتوبر (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کو حضرت سید محمد طاہر اشرف جیلانی قدس سرہ کا وصال ہوا اور فردوس کالونی (کراچی) میں محو استراحت ابدی ہو گئے۔ مولانا سید حامد حسن قادری نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا

مخدوم جناب طاہر اشرف ۔ دین و دنیا میں فرد کامل
اشرفی و قادری و چشتی ۔ اہل تقویٰ و صاحب دل
پردہ فرما کے اس جہاں سے ۔ اب ہو گئے اپنے رب سے واصل
ہو روح پہ ان کی رحمت حق ۔ گلزار ہو ان کی پہلی منزل
تاریخ یہ قادری نے لکھی
"جاوید وصال ذات حاصل" [1]
۱۳۸۱

---

[1] طیب اشرف جیلانی، سید ؛ قطب ربانی ، ص ۵۵

حضرت مولانا پیر سید ظہور شاہ رحمہ اللہ تعالےٰ

مجمع جمال صوری و معنوی، صاحب کمال ظاہری و باطنی حضرت مولانا پیر سید ظہور شاہ ابن مولانا پیر سید محمد شاہ قادری رحمہ اللہ تعالےٰ جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد کشمیر سے آکر جلال پور میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو قرآن پاک مولانا حافظ نور الدین رحمہ اللہ تعالےٰ سے جلال پور میں پڑھا اور کچھ درسی کتابیں بھی انہی سے پڑھیں۔ بعد ازاں کچھ عرصہ برادر مکرم مولانا سید اعظم شاہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے پاس جہلم میں استفادہ کرتے رہے، پھر کچھ وقت پشاور میں رہے اور آخر میں بریلی شریف جا کر کسب فیض کیا اور فراغت حاصل کی۔ اپنے والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ ان کے علاوہ شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ تعالےٰ سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت پیر صاحب اپنے دور کے مقبول ترین مقرر تھے۔ آپ جہاں وعظ فرماتے، ہزاروں کا اجتماع ذوق و شوق سے شریک مجلس ہوتا۔ آپ کا خصوصی وصف یہ تھا کہ عوام الناس کو عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح کی بھرپور تلقین کے ساتھ ساتھ کلمہ طیبہ کا ذکر کرایا کرتے تھے جس کا حاضرین کے دل پر نہایت خوشگوار اثر پڑتا تھا اور بہت سے لوگ راہ راست پر آجاتے۔ قدرت ایزدی نے آپ کو زور بیان، وجد آور خوش الحانی اور حسن سیرت و صورت کا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا۔

آپ مسلک اہل سنت و جماعت کو بڑے مدلل طریقے سے بیان فرمایا کرتے تھے اور عقائد باطلہ خاص طور پر اہل التشیع کا رد بڑی خوبی سے فرمایا کرتے تھے۔ انسان تو انسان، حیوان بھی آپ کے حسن بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

ایک دفعہ موضع کند وال (ضلع جہلم) میں بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرما رہے تھے کہ ایک اونٹ سوار اگر محفل میں شریک ہوا جب اس نے اونٹ کو باندھنا چاہا تو اس نے

شور مچا دیا۔ حضرت پیر صاحب نے فرمایا:

"اسے چھوڑ دو، یہ بھی کالی کملی والے آقا (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کا ذکر سننا چاہتا ہے۔"

چنانچہ وہ اونٹ خاموشی سے بیٹھ گیا اور جب تک تقریر جاری رہی خاموشی سے بیٹھا سنتا رہا۔

حضرت پیر صاحب شریعت مطہرہ کی سختی سے پابندی فرمایا کرتے تھے، کوئی کام خلاف شریعت دیکھتے تو بر وقت اس کی مخالفت کرتے۔ موضع لوہچال کلاں (ضلع جہلم) میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرما رہے تھے کہ انگریز ڈپٹی کمشنر سر راہ گزرتے ہوئے انبوہ کثیر دیکھ کر رک گیا در جلسہ گاہ میں جا کر مجمع کی تصویر اتارنے لگا۔ آپ نے فوراً منع فرما دیا اور فرمایا: ہمارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔ وعظ ختم ہونے پر وہ انگریز آپ کی خدمت میں بڑے احترام سے حاضر ہوا اور معذرت کر کے رخصت ہوا۔

آپ نے تقریباً چالیس برس تک وعظ و ارشاد کے ذریعے عوام الناس کے دلوں کو نور ایمان سے گرمائے رکھا اور دور دراز علاقوں میں جا کر دین کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ خاص طور پر جہلم، گجرات اور سرگودھا کے قصبوں اور دیہاتوں میں آپ کا دورہ اکثر ہوا کرتا تھا۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں آپ نے بڑی بڑی صعوبتوں کو برداشت کیا اور کسی بھی موقع پر آپ کے عزم میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ ایک شیعہ نے آپ کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور الزام لگایا کہ یہ اہل تشیع کو برا بھلا کہتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ کے صاحبزادے سید فخر الزمان شاہ قادری (جن کی عمر اس وقت چھ سات سال کی تھی) نے جب آپ کو ہتھکڑی پہنے ہوئے دیکھا تو رو دئے اور پوچھا: آپ کو یہ زنجیر کس نے لگائی ہے؟ آپ نے انہیں دلاسہ دیا اور فرمایا: بیٹا! یہ اسلام کی خاطر میرا زیور ہے۔ یہ کیس تین ماہ تک چلتا رہا۔ بالآخر ہندو جج کنول نین نے آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا، اور فیصلے میں لکھا کہ میں ایسے شخص کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کسی

کو گالی دے، یا خلافِ شائستگی کوئی بات زبان پر لائے۔

حضرت پیر صاحب کامیاب مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر بھی تھے۔ آپ کے کلام میں بڑا اثر تھا۔ آپ کے کلام کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دیہاتی عورتیں بھی دودھ بلوتی اور آٹا پیستی ہوئی آپ کے اشعار پڑھا کرتی تھیں اور کلمہ طیبہ کا ورد کیا کرتی تھیں۔

آپ نے وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی نہایت خوش اسلوبی سے جاری رکھا اور نہایت مفید اور مقبولِ عام تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا جن میں اصلاحِ اعمال کے علاوہ عقائد کا بالخصوص طور پر مرزائیت اور تشیع کی مدلل تردید کی ہے۔ آپ کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:۔

۱۔ ظہورِ صداقت در ردِ مرزائیت
۲۔ قہرِ یزدانی بر سرِ دجال قادیانی۔
۳۔ نورِ ہدایت
۴۔ ظہورِ ہدایت
۵۔ شمشیر پیر بر گردنِ شریر
۶۔ وظائفِ حضوری
۷۔ چہرۂ ظہوری
۸۔ خطباتِ ظہوری
۹۔ سیفِ مرید بر فرقۂ یزید
۱۰۔ صمصامِ حنفیہ
۱۱۔ سیف الحق دین علی رؤس الفاسقین۔
۱۲۔ مرغوب الطالبین المعروف بہ محبوب العاشقین۔
۱۳۔ ظہورِ کرامت

وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے ہاں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے سید قمر الزمان شاہ، سید فخر الزمان شاہ (فاضل حزب الاحناف لاہور) سجادہ نشین دربار شریف ظہوری منارہ ضلع جہلم، سید محبوب الزمان شاہ اور سید عادل مسعود شاہ تولد ہوئے۔

حضرت پیر سید ظہور احمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲ جمادی الاولیٰ، ۱۰ فروری (۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء) اتوار اور پیر کی درمیانی رات کو وصال فرمایا۔ مزارِ پُرانوار منارہ ضلع جہلم میں ہے۔ آپ کے خلفِ الرشید مولانا سید فخر الزمان شاہ قادری مدظلہ ہر سال آپ کا عرس باقاعدگی سے کرتے ہیں۔

---

[1] یہ تمام حالات انہوں نے ہی فراہم کئے ہیں۔

مولانا حکیم سید ظہور اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ

واعظِ خوش بیان، طبیبِ حاذق مولانا حکیم سید ظہور اللہ ابن مولانا سید چراغ شاہ ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ علومِ دینیہ کی تکمیل اپنے برادرِ معظم مولانا حافظ سید عبد اللہ شاہ سے کی، فنِ طب کی تکمیل حکیم فضل دین سیالکوٹی سے کی۔ آپ بہترین خوشنویس اور جید عالمِ دین تھے، پندرہ سولہ سال تک جامع مسجد دربار امام علی الحق قدس سرہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مکرمی سید نور محمد قادری مدظلہ العالی کے پاس آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی شمائل شریف موجود ہے جو آج سے ستر سال پہلے اتحاد پریس سیالکوٹ میں طبع ہوئی تھی۔

عارف طبیب مولانا حکیم خادم علی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کے مخلصانہ روابط تھے۔ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں جب آپ کا وصال ہوا تو متعدد شعراء نے مرثیے لکھے۔ حضرت حکیم خادم علی قدس سرہ کے مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سید والاحسب عالی نسب ۔۔۔ صاحبِ زہد و ورع، علم و ادب
وہ طبیب حاذق و مردِ خلیق ۔۔۔ تھا غریبوں کا ہی خواہ اور رفیق
تھا وہ شاگردِ حکیم فضل دیں ۔۔۔ طب و حکمت میں جو تھا مردِ گزیں
اس کی فرقت میں ہے اب تمام و بیگاہ ۔۔۔ زار و نالاں شاہ نور اللہ شاہ
وہ رہا یادِ خدا کے شوق میں ۔۔۔ عمر ساری کی بسر اس ذوق میں
مرنے والے کا ہو جنت میں مقام ۔۔۔ صبر کی دولت سے ہوں سب شاد کام

ختم کر خادم دعا پر اب یہیں
اس کو بخشے ذاتِ رب العالمیں

آپ حضرت شاہ شہید امیر و مرشد حضرت شاہ دولہ دریائی قدس سرہما کی درگاہ میں مدفون ہیں۔[1]

---

[1] یہ حالات مکرمی سید نور محمد قادری ایم اے (گجرات) نے فراہم کئے۔

مجاہدِ ملت مولانا شاہ محمد عبد الحامد قادری بدایونی قدس سرہ

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما حضرت مولانا شاہ محمد عبد الحامد قادری بدایونی ابن مولانا حکیم عبد القیوم شہید (م ماہ رجب ۱۳۱۸ھ) ابن مولانا حافظ فرید جیلانی ابن مولانا محی الدین ابن مولانا سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی قدست اسرارہم ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں دہلی میں اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوئے۔ محمد ذوالفقار حق (۱۳۱۸ھ) تاریخی نام تجویز ہوا۔ ابھی آپ کی عمر بیس دن ہی کی تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے وصال کا واقعہ بڑا روح پرور ہے۔ پٹنہ، بہار میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہو رہا تھا جس میں شرکت کے لئے آپ تین سو علماء کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک اسٹیشن پر عصر کی نماز ادا کی اتنے میں گاڑی چل دی، آپ سوار ہوتے ہوئے پہیوں میں پھنس گئے، زخم اس قدر تھے کہ ستر ٹانکے لگائے گئے، اسی حالت میں اجلاس میں شریک ہوئے، تمام تقریریں سنیں، اختتام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے، رقت کے عالم میں ٹانکے ٹوٹ گئے اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے[1]

آپ کا خاندان شریعت و طریقت کے اعتبار سے نہ صرف بدایوں بلکہ پورے ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت اور فرقِ باطلہ کی تردید میں اس خاندان کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہیں۔

مولانا عبد الحامد بدایونی اور ان کے بڑے بھائی مولانا عبد الماجد بدایونی کی تعلیم و تربیت کا تمام تر انتظام ان کی والدہ ماجدہ (سید بہار الدین دہلوی کی ہمشیرہ) نے کیا۔ ابتداءً اپنے آبائی

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر : مدرسہ شمس العلوم بدایوں، مجلہ علم و آگہی کراچی، شمارہ ۷۵-۱۹۷۴ء، ص ۹۴

[2] محمود احمد قادری، مولانا : تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۱۵۹

[3] محمد فاروق احمد سعید : گلدستۂ عقیدت (مرتبہ محمد عابد القادری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء) ص ۴۱-۴۰

مدرسہ عالیہ قادریہ میں تعلیم حاصل کی، آخری دو سال الٰہیات کی تکمیل اور فن قرأت کی تحصیل کے لئے مدرسۃ الٰہیات کانپور میں رہے۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے مرشد برحق حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی قدس سرہ کے علاوہ حضرت مولانا محب احمد قادری، مولانا حافظ بخش بدایونی، مولانا قدیر بخش بدایونی، مولانا مفتی محمد ابراہیم، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا واحد حسین اور مولانا عبد السلام فلسفی کے نام ملتے ہیں۔

تکمیل کے بعد مدرسہ شمس العلوم، بدایوں کے نائب مہتمم مقرر ہوئے اور تین سال تک مدرسہ کے انتظام و انصرام اور ترقی میں کوشاں رہے۔ اسی زمانے میں تحریک خلافت شروع ہوئی تو مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے لکھنؤ سے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی کی خدمت میں بدایوں بھیجا، انہوں نے مہمانوں کی خوب خاطر مدارات کی اور اپنے خاندان کے تمام افراد کو خصوصاً مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا عبد الماجد بدایونی کو حکم دیا کہ انگریزی استعمار کے خاتمے کے لئے علی برادران اور ان کے رفقاء کا ساتھ دیں۔ پیر و مرشد کے حکم کے مطابق مولانا عبد الماجد بدایونی اور مولانا عبد الحامد بدایونی نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جا کر تحریک خلافت کا پیغام پہنچایا۔ مولانا عبد الحامد بدایونی، ڈسٹرکٹ خلافت کمیٹی، بدایوں کے جنرل سیکرٹری رہے، خلافت پراونشل کمیٹی اور سنٹرل خلافت کمیٹی بمبئی کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔

گاندھی نے تحریک خلافت میں شریک ہو کر قائدانہ پوزیشن حاصل کر لی تھی، مسلمان اپنی سادہ لوحی کی بنا پر ہندوؤں کو اپنا ہمدرد تصور کر بیٹھے تھے لیکن شدھی تحریک شروع ہونے پر منکشف ہوا کہ ہندو کے عیار ذہن میں مسلمانوں کے خلاف کیا کیا منصوبے پرورش پا رہے ہیں۔ مولانا عبد الحامد بدایونی شدھی تحریک کے شروع ہوتے ہی کانگریس سے الگ ہو گئے اور مرکزی تبلیغ الاسلام، انبالہ اور آگرہ میں شریک ہو کر اس جگہ میں پہنچے جہاں شدھی تحریک کام کر رہی تھی[1]

[1] محمد فاروق احمد سعید : گلدستۂ عقیدت ، ص ۴۳-۴۲

ہندوؤں کی تنگ نظری اور اسلام دشمنی کے پیشِ نظر ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کی الگ جماعت قائم ہونی چاہیئے چنانچہ جب مسلم کانفرنس قائم کی گئی تو مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریکِ خلافت کے کارکن مسلم رہنما مسلم کانفرنس میں شریک ہو گئے۔ لندن کانفرنس کے بعد دہلی میں مولانا شوکت علی کی قیام گاہ پر مسلم زعماء کا اجلاس ہوا تو مولانا عبدالحامد بدایونی نے بھی اس میں شرکت کی۔ اس اجلاس میں طے ہوا کہ آئندہ انتخابات میں صرف مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرے گی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے یوپی، سی پی، بہار، اڑیسہ، بنگال، آسام، بمبئی، کراچی، سندھ، بلوچستان اور پنجاب کے دور افتادہ علاقوں میں جا کر عامۃ المسلمین کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے پر تیار کیا۔ پیر صاحب مانکی شریف کے ایماء پر قائدِ اعظم نے انہیں صوبہ سرحد میں بھیجا، جہاں آپ نے خان برادران کے اثرات کو زائل کر کے مسلم لیگ کی مقبولیت کو چار چاند لگا دیئے، انہی خدمات کی بناء پر آپ کو فاتحِ سرحد کا لقب دیا گیا تھا۔ سلہٹ اور بنگال میں مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا بڑا اثر و رسوخ سمجھا جاتا تھا، مولانا بدایونی کی ولولہ انگیز تقریروں نے کانگریسی طلسم کو توڑ کر مسلم لیگ کے نمائندہ کو کامیاب کرایا[1]

حافظ بشیر احمد غازی آبادی لکھتے ہیں :-

" آج کے بہت سے کانگریسی علماء جو پاکستان میں نظریۂ پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں اور مختلف سیاسی پلیٹ فارموں سے اپنی حب الوطنی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے ہمنوا تھے اور آل انڈیا مسلم لیگ اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کے مقابلے میں حریفانہ سیاسی چالیں چل رہے تھے، خدا مولانا عبدالحامد بدایونی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے انہوں نے اس محاذ پر نیشنلسٹ علماء کا مقابلہ کیا اور مسلم لیگ میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔"[2]

---

[1] محمد فاروق احمد مسیر : گلدستۂ عقیدت ص ۴۳

[2] بشیر احمد غازی آبادی، حافظ : گلدستۂ عقیدت ص ۳۲

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک لاہور کے تاریخی اجلاس میں قرار دادِ پاکستان پیش کی گئی تو مولانا عبدالحامد بدایونی مسلم لیگ کے ان زعماء میں شامل تھے جنہوں نے قرار داد کی تائید میں تقریر کی۔ ۳۰ اگست ۱۹۴۰ء کو کانپور میں آپ کی صدارت میں پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں آپ نے پاکستان کے حق میں بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو بعد میں نظامی پریس بدایوں سے چھپ کر ملک بھر میں تقسیم ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں قائدِ اعظم اور میر عثمان علی خاں فرمانروائے دکن کے باہمی اختلافات نازک صورت اختیار کر گئے تو قائدِ ملت خان لیاقت علی خان نے مولانا عبدالحامد بدایونی کو منتخب کیا تاکہ اختلافات ختم کرانے کے لئے دونوں راہنماؤں کی ملاقات کا راستہ ہموار کریں۔ والئ دکن مولانا بدایونی کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور اسلامیہ جلسوں میں تقاریر کے لئے مدعو کیا کرتے تھے۔ مولانا نے فرمانروائے دکن سے ملاقات کی اور طویل گفتگو کے بعد انہیں قائدِ اعظم سے ملاقات کرنے پر آمادہ کیا[1]

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ اسے کامیاب بنانے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۶ء میں علماء کا ایک وفد حجازِ مقدس گیا جس کے قائد مبلغ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور جنرل سیکرٹری مولانا بدایونی تھے۔ اس وفد نے نہ صرف حجاج پر عائد کردہ ٹیکس ختم کرنے کے سلسلے میں حکومت سعودیہ سے مذاکرات کئے بلکہ عالمِ اسلام کے دینی اور سیاسی راہنماؤں کے سامنے نظریۂ پاکستان کو مؤثر طور پر پیش کر کے پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لائے تو زعماءِ پاکستان کے اصرار پر مستقل طور پر یہیں قیام پذیر ہو گئے[2] جب آپ نے دیکھا کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان کسمپرسی میں مبتلا ہیں تو آپ نے ایک اجلاس میں ہندوستان کے تمام صوبوں اور مقامی نمائندوں پر مشتمل "مرکزی مہاجرین

---

[1] امیر علی امام سید : مولانا عبدالحامد بدایونی پر ایک نظر (مطبوعہ مضمون)

[2] ایضاً۔

"کمیٹی" کی بنیاد ڈالی جو عوامی اور سرکاری سطح پر مہاجرین کی آبادکاری اور ان کی ضروریات کی فراہمی کے لئے مسلسل کوشش کرتی رہی۔

۱۹۴۹ء میں آپ کی تحریک پر پہلی بار کراچی میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عظیم الشان جلوس نکلا جس میں اس وقت کے وزیر اعلیٰ سندھ محمد ایوب کھوڑو بھی پاپیادہ شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ خلفاء راشدین اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایام شان و شوکت سے منانے کا اہتمام بھی آپ ہی نے شروع کیا۔ ان اجتماعات میں پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم نے بھی شرکت کی۔

۱۹۴۸ء میں مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی کی قیادت میں سندھ کے علماء و مشائخ کے ایک وفد نے قائد اعظم سے ملاقات کی جس میں مولانا بدایونی بھی شریک تھے اور تفصیلی یادداشت پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا:

"ملک پاکستان کا دستور کتاب و سنت کی روشنی میں تیار کیا جائے اور دیگر اسلامی ممالک کی طرح پاکستان میں بھی وزارت امور مذہبیہ قائم کی جائے" [1]

جمعیۃ العلماء پاکستان کے قیام اور استحکام کے لئے ابتداء ہی سے آپ نے اپنی کوششیں وقف کر رکھی تھیں، حضرت علامہ ابوالحسنات قادری کے وصال کے بعد جمعیۃ کے مرکزی صدر بنے اور اپنی شبانہ روز محنتوں سے جمعیۃ کو چار چاند لگا دیئے۔ مولانا ان علماء میں شامل تھے جنہوں نے ۲۲ نکات پر مشتمل دستور کا خاکہ مرتب کیا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو اس میں آپ نے کھل کر حصہ لیا اور انتہائی علالت کے باوجود فروری ۱۹۵۳ء سے جنوری ۱۹۵۴ء تک کراچی اور سکھر کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

۱۹۶۲ء میں اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن نامزد ہوئے، اس ضمن میں انہوں نے

---

[1] امیر علی امام حسینی: مولانا عبدالحامد بدایونی پر ایک نظر

کونسل کو اہم سفارشات پیش کیں۔ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ چھڑی تو آپ نے علماءِ اہل سنت کی ایک جماعت کے ساتھ ملک بھر کا دورہ کیا اور تین لاکھ روپے کے کپڑے اور دیگر ضروری ساز و سامان مہاجرین کشمیر میں تقسیم کیا۔

مولانا عبدالحامد بدایونی نے قدیم اور جدید علوم کے ساتھ ساتھ دنیا کی اہم زبانوں کی تعلیم کے لئے کئی لاکھ روپے صرف کر کے منظور پیر روڈ، کراچی میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے نام سے عظیم درسگاہ قائم کی۔ آپ کی اپیل پر صدر مملکت اور اسلامی ممالک کے سربراہوں نے دل کھول کر امداد کی۔ یہ ادارہ آج بھی علوم دینیہ کی خدمت میں مصروف ہے۔

آپ چین، روس، مصر، ترکی، تیونس، نائجیریا، کویت، عراق، ایران اور حجاز مقدس گئے[2] اور مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو واضح کیا۔ آپ نے بائیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت حاصل کی۔ شاہ فیصل، صدر ناصر، ڈاکٹر محمد جمیل، عبدالسلام عارف (عراق) مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی اور مسلمانان روس کے مفتی اعظم سے ذاتی مراسم تھے اور ان حضرات نے آپ کی وفات پر تعزیتی پیغامات میں آپ کی دینی اور علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا[3]

آپ نے بے اندازہ ملی مشاغل کے باوجود قابل قدر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ فلسفۂ عباداتِ اسلامی
۲۔ تصحیح العقائد
۳۔ نظام عمل
۴۔ کتاب و سنت غیروں کی نظر میں
۵۔ اسلام کا زراعتی نظام
۶۔ اسلام کا معاشی نظام
۷۔ مرقع کانگریس (مطبوعہ ۱۹۳۸ء)
۸۔ مشرقی کا ماضی و حال

---

[1] امیر علی امام حسینی: مولانا عبدالحامد بدایونی پر ایک نظر
[2] بشیر احمد غازی آبادی: گلدستۂ عقیدت، ص ۳۵
[3] امیر علی امام حسینی: مولانا عبدالحامد بدایونی پر ایک نظر

۹۔ انتخابات کے ضروری پہلو	۱۲۔ حرمت سود
۱۰۔ الجواب المشکور (عربی)	۱۳۔ تاثرات دورۂ روس
۱۱۔ اسلامک پیپرز (انگریزی)	۱۴۔ تاثرات دورۂ چین

۱۵۔ مشیر الحجاج [۱]

بحمدہ تعالیٰ کراچی میں مولانا بدایونی اکیڈمی قائم ہو چکی ہے، امید ہے کہ آپ کی تصانیف کو از سرِ نو شائع کرنے کو اولیت دی جائے گی۔

۱۵ر جمادی الاول، ۲۰ر جولائی (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)، کو تحریک پاکستان کے صفِ اول کے مجاہد، عالم باعمل مولانا شاہ محمد عبد الحامد بدایونی قادری قدس سرہ کا جناح ہسپتال کراچی میں وصال ہوا۔ آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ تعلیمات اسلامیہ، منگھو پیر روڈ، کراچی کے احاطہ میں ہی ہے۔ پسماندگان میں اہلیہ محترمہ دو صاحبزادے جناب محمد عابد القادری (جنہوں نے مولانا کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں بڑا کرم فرمایا، راقم ان کا شکر گزار ہے) اور جناب محمد زاہد القادری اور ایک صاحبزادی یادگار ہیں [۲]

حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی کے وصال پر سفیر عراق نے یہ پیغام تعزیت بھیجا:

"مولانا بدایونی کے اچانک انتقال کی خبر مجھے ابھی ابھی معلوم ہوئی ہے، مولانا بدایونی علیہ الرحمۃ جید عالم و فاضل تھے اور مسلمان قوم میں ان کا بہت بڑا احترام تھا، خدا تعالیٰ مولانا کی روح پر فتوح پر اپنے فضل و کرم کی بارش کرے۔"

حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ العالی ابن حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین دامت برکاتہم العالیہ نے برقی پیغام بھیجا:

"افسوس کہ پاکستان اور پاکستانی قوم ایک مقتدر مذہبی پیشوا اور جید عالم اور فاضل سے محروم ہو گئی، باری تعالیٰ مولانا علیہ الرحمۃ کے خاندان کو اس غیر معمولی

[۱] امیر علی امام اسید : مولانا عبد الحامد بدایونی پر ایک نظر

[۲] ایضاً۔

صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت دے، اور مرحوم پر اپنے فضل و کرم کی بارش فرمائے، آمین۔"

مولانا جمال میاں فرنگی محلی ابن حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی (قدس سرہ) نے ان الفاظ میں تعزیت کا پیغام بھیجا:

"علامہ مولانا عبد الحامد القادری البدایونی کے انتقال کی خبر سے میں غیر معمولی طور پر قلبی صدمہ محسوس کرتا ہوں، یہ حادثہ نہ صرف میرے لئے بلکہ پوری ملت پاکستان کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔" [۱]

جناب سید سیفی ندوی نے قطعہ تاریخ کہا ؎

عبد حامد سراپائے جہد و یقیں — عالم دین و سرمایۂ اہل دیں
سرفرازے کہ ملت ازو سربلند — داشت بر آستانِ محمد جبیں
خوش برفت از جہاں سوئے دار البقا — شد جہاں از جدائی و آتش غمیں

ہاتفم گفت سیفی ز سالِ وصال
"منبرِ عبد حامد بہشتِ بریں" [۲]
۱۳ ـ ۹۱

جناب صابر براری قادری نے عیسوی سن قلمبند کیا ؎

سالِ رحلت کو ہے صابر سبز گنبد کی صدا
"عالمِ مشہور، حامد، عازمِ باغِ جناں" [۳]
۱۹ ـ ۷۰

[۱] گلدستۂ عقیدت : ص ۱۱-۱۲

[۲] ایضاً : ص ۲۳

[۳] ایضاً : ص ۲

استاذ الافاضل حضرت مولانا مفتی عبد الحفیظ حقانی قدس سرہ

حضرت علامہ مولانا محمد عبد الحفیظ حقانی ابن مولانا عبد المجید قدس سرہما محلہ مداری دروازہ، بریلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام حفیظ الرحمٰن (۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) تجویز ہوا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے وطن مولد میں ہوئی۔ قرآن پاک کی تعلیم استاذ الحفاظ مولانا حافظ محمد عوض مرحوم سے حاصل کی، بعد ازاں والد ماجد سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی۔ ۱۹۱۳ء میں والد ماجد کے ہمراہ ٹانڈہ چلے آئے۔ والد ماجد جس قدر محنت سے پڑھاتے کہ ریل کے سفر کے دوران بھی سبق جاری رہتا۔ مولانا مفتی عبد الحفیظ حقانی قدس سرہ بے حد ذہین اور محنتی تھے۔ ۱۷ سال کی عمر میں اکثر بیشتر علوم و فنون کی تحصیل کر لی، پھر عازم لکھنؤ میں حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر صدرا، شرح چغمینی اور منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔

۱۹۲۱ء میں حضرت مفتی صاحب مبارک پور، اعظم گڑھ کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ کی شادی بدایوں میں ہوئی، اسی سال والد ماجد نے مدرسہ منظر حق، ٹانڈہ میں اپنے پاس بطور مدرس بلا لیا۔ ۱۹۲۶ء میں مدرسہ حمیدیہ بنارس میں صدر مدرس مقرر ہو گئے۔ ۱۹۳۰ء میں بعض احباب کی درخواست پر قصور (پنجاب) چلے آئے۔ ۱۹۳۴ء میں انجمن تبلیغ الاحناف کی دعوت پر امرتسر تشریف لے گئے اور مسجد سکندر خاں، ہال بازار میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس علاقہ میں مرزائیوں کی سرگرمیاں عروج [illegible] صاحب نے ان کے رد میں ایک جامع کتاب السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ [illegible] الحسنی والمزید لمحب التقلید لکھا جس میں تقلید شخصی کے وجوب پر بہترین [illegible]

[illegible] کا مناظرہ ہوا جس میں آپ کو [illegible] حشمت علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ

مناظرہ مولوی ابو الوفا شاہجہانپوری سے ہوا۔ اہل سنت کی طرف سے مولانا محمد عبد الحفیظ رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیوبندیوں کی طرف سے مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری صدر تھے۔ اس مناظرہ میں بھی مخالفین کو شکست ہوئی۔ اس کامیابی پر مخدوم صدر الدین سجادہ نشین درگاہ حضرت حافظ جمال الدین موسیٰ پاک شہید قدس سرہ (ملتان) نے آپ کو ایک قیمتی تحفہ عطا فرمایا۔

۱۹۳۶ء میں حضرت مفتی عبد الحفیظ رحمہ اللہ تعالیٰ مدرسہ نعمانیہ، فراش خانہ دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ اگست ۱۹۳۹ء میں آپ جامع مسجد آگرہ کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے اور ۱۹۵۵ء تک وہیں رہے۔

آپ کو قدرت نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، تقریر فرماتے تو دلوں کے اندر لگا دیتے، تدریس کے وقت علم و فضل کے دریا بہا دیتے، حکیم عبد الغفور مؤلف سوانحات المناظرین آنولہ لکھتے ہیں:

"(مولوی عبد الحفیظ) مولوی عبد المجید صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں اور ہر بات میں باپ پر سبقت ہے، علم میں، وعظ گوئی میں، جسم کی زینت میں، خوبصورتی میں، غرضیکہ ہر بات میں باپ پر فوقیت حاصل ہے۔"

حضرت مفتی صاحب نے تدریس، خطابت اور مناظرہ کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تکمیل الایمان: عقائد اہل سنت پر مختصر رسالہ (چھپ چکا ہے)
۲۔ السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ: رد قادیانیت پر مدلل کتاب (امرتسر اور لاہور سے چھپ چکی ہے)
۳۔ الحسنی والمزید لمحب التقلید: تقلید شخصی کے وجوب پر بہترین رسالہ (امرتسر سے شائع ہوا)
۴۔ علم غیب: طبع ہو چکا ہے۔
۵۔ عقائد حقہ اہل سنت و جماعت: یہ رسالہ آگرہ سے چھپ چکا ہے۔
۶۔ کنز الاسلام: کلمہ طیبہ کی شرح و تفصیل (انجمن اصلاحی جماعت، آگرہ کی طرف سے شائع ہونے والا پہلا رسالہ جس کے صدر پروفیسر حامد حسن قادری اور نائب صدر

مفتی صاحب نے)

۷۔ عبادت اسلام :- اصلاحی جماعت آگرہ کی طرف سے شائع ہونے والا دوسرا رسالہ جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے۔

۸۔ نشانۂ الوہابیہ :- وہابی اور دیوبندی معتقدات کو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کی روشنی میں باطل و مردود قرار دیا ہے، یہ مفید کتاب آگرہ اخبار پریس، آگرہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۹۔ ریڈیو کے اعلان کا شرعی طریقہ :- رؤیتِ ہلال کے بارے میں مشروط طور پر تائید فرمائی ہے، اسی کے ساتھ دوسرا رسالہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال تحریر فرمایا ہے، یہ دونوں رسالے غیر مطبوعہ ہیں۔

۱۰۔ صیانۃ الصحابہ عن خرافات بابا :- بابا خلیل داس سوانی نے چند چھوٹے چھوٹے رسائل لکھے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں سوءِ ظنی کا اظہار تھا، مفتی صاحب نے ان رسائل کی تردید فرمائی ہے، یہ قابلِ قدر کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

۱۱۔ متروکہ جائیداد پر مساجد :- مضمون کتاب نام سے ظاہر ہے، یہ رسالہ جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے۔

۱۲۔ مجموعہ فتاوٰی :- قیامِ کراچی کے دوران جو فتوے آپ نے تصنیف فرمائے ان کا یہ مجموعہ بھی چھپ چکا ہے۔

۱۳۔ ارغام نادر :- ماہر القادری نے ماہنامہ فاران کراچی کے توحید نمبر اور خاص طور پر اس کے اداریہ میں بڑے شد و مد سے مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کی مخالفت کی، حضرت مفتی صاحب نے اس کا جواب لکھا تھا جسے ملتان سے شائع کیا گیا۔

۱۴۔ مرزائیت پر تبصرہ :- خاتم النبیین کا صحیح مفہوم، یہ رسالہ مرکزی انجمن حزب الاحناف

لاہور کی طرف سے شائع ہوا، راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے۔

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف میں شمع ہدایت [illegible] ملتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب ۱۹۵۵ء میں کراچی تشریف لائے، ابتداءً جامع مسجد [illegible] خطیب رہے پھر مدرسہ دارالعلوم مظہریہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ نومبر ۱۹۵۷ء [illegible] انوارالعلوم ملتان میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لے گئے

۱۹ جون ۱۹۵۸ء کو جامعہ نعیمیہ لاہور کے افتتاحی جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے، ۲۱ جون کو واپسی ہوئی، راستہ ہی میں ریاحی درد شروع ہو گیا، ۵ ذوالحجہ ۲۳ جون (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کو مفتی آگرہ حضرت مولانا محمد حفیظ قدس سرہ کا وصال ہو گیا، ملتان میں قبرستان حسن پرواز میں دفن ہوئے۔ حضرت مولانا محمد حسن حقانی مہتمم دارالعلوم امجدیہ کراچی و ایم۔ پی۔ اے منتخب سندھ آپ ہی کے فرزند ارجمند اور اہلِ سنت کے مایۂ ناز عالم دین ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابوالبرکات مدظلہ الاقدس نے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا :-

> "حضرت مولانا مولوی عبدالحفیظ صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر سے بے حد رنج و ملال لاحق ہوا، مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے، اس پُرفتن اور پُرآشوب زمانہ میں مولانا کا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔
>
> آہ مولوی عبدالحفیظ آپ کی ایمان افروز اور ضلالت سوز تقریریں یاد آ کر دل کو بے چین کرتی ہیں، آپ کی سالہا سال کی محبت بھری صحبتیں یاد آ کر دل کو تڑپاتی ہیں۔"

لہ غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ، ص ۱۵۱

پروفیسر حامد حسن قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ کہا ؂

مفتی عبد الحفیظ صاحب آج	پردہ فرما کے حق سے ہیں واصل
نیک دل نیک طبع نیک اوصاف	سربسر پاک جان و روشن دل
واعظِ خوش بیان و بحرِ علوم	صاحبِ فیض و فاضلِ کامل
تربت پاک ان کی نورانی	رشکِ خلد ان کی اولیں منزل

قادری نے بھی ان کا سالِ وصال
لکھ دیا "وصلِ ذات کا حاصل"
۱۳ ۔ ۷۷

مادۂ دیگر

ذو فضل علی العالمین [1]
۱۹ ۔ ۵۷

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر: قلمی یادداشت

فاضل متبحر مولانا مفتی عبد الحمید قادری قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا مفتی عبد الحمید قادری ابن استاذ الحفاظ حافظ عبد المجید قادری ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں قصبہ آنولہ (ضلع بریلی، یو۔پی) میں پیدا ہوئے، قرآن پاک والد ماجد سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا برکت اللہ اور مولانا رحیم بخش (م ۱۹۲۰ء) سے پڑھیں، بعد ازاں بریلی شریف جاکر مولانا رحم الٰہی، مولانا عبد العزیز خاں، مولانا عبد المجید آنولوی، اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ (شہزادۂ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہما) سے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔

مولانا مفتی عبد الحمید قادری قدس سرہ نے کچھ عرصہ بریلی شریف میں سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھا، بعد ازاں جامعہ حنفیہ رضویہ، بنارس میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے، تقریر و تحریر پر یکساں قدرت رکھتے تھے، کتب درسیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، اعلاء کلمۃ الحق اور تبلیغ دین پوری بے باکی سے انجام دیتے تھے، ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشہور اجلاس کے انعقاد میں حصہ لیا اور اس کے سرگرم رکن رہے، کانگرس کا رد نہایت شدت سے کرتے تھے، غیر مقلدین کے رد میں چند رسائل سپرد قلم کیے،

۱۹۵۰ء میں پاکستان آکر شہداد پور (سندھ) میں قیام پذیر ہوگئے اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، آخر میں جامع مسجد نواب شاہ میں خطیب و مفتی مقرر ہوگئے۔

۴ ربیع الثانی، ۷ مئی (۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) بروز پیر مولانا مفتی عبد الحمید قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا نواب شاہ میں انتقال ہوا [1]

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر: قلمی یادداشت۔

غوثِ زماں حضرت خواجہ محمد عبد الرحمٰن چھوہروی قدس سرہ

حضرت خواجہ عبد الرحمٰن بن خواجہ فقیر محمد المعروف بہ خواجہ خضری قدس سرہما ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء میں ہری پور کے ایک گاؤں چھوہر شریف میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا[1] ابتدا ہی سے آپ کی طبیعت عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ تھی چنانچہ زمانۂ نوعمری میں ایک سخت چلہ کیا اور حضرت مولانا اخوند عبد الغفور قدس سرہ کے دربار میں سیدو شریف (سوات) حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا "اپنے گھر جاکر رہو تمہارا مرشد خود تمہارے پاس آکر تمہیں بیعت کرے گا۔" کچھ دنوں بعد حضرت شیخ یعقوب شاہ گنجفروی قدس سرہ چھوہر شریف تشریف لائے اور حضرت خواجہ کو بیعت فرمایا[2]

آپ نے صرف ابتدائی تعلیم اساتذہ سے حاصل کی لیکن فیضانِ الٰہی سے آپ کو علوم و معارف کے خزانے حاصل ہو گئے[3] آپ کا لباس نہایت سادہ اور اخلاق کریمانہ تھے۔ آپ علوم دینیہ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ آپ نے کئی مسجدیں تعمیر کرائیں اور ۱۳۲۸ھ میں ہری پور میں مدرسہ اسلامیہ محمدیہ کی بنیاد رکھی[4] جو اب دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور کی صورت میں علوم دینیہ کی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔

آپ کے فیضِ تربیت سے ان گنت افراد مستفیض ہوئے۔ بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) میں آپ کا فیض خوب جاری ہوا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا تھا۔ آپ نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں "مجموعہ صلوات الرسول" شریف نہایت اہم ہے اس کے

---

[1] محمد امیر شاہ قادری، مولانا : تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ، ج ۱ ، ص ۱۸۴-۱۸۵

[2] سید احمد سریکوٹی، مولانا حافظ : مقدمہ مجموعہ صلوات الرسول شریف (مطبوعہ پشاور) ص ۸-۱۰

[3] ایضاً ، ص ۱۰

[4] مدرسہ کے سنگ بنیاد پر یہی سن لکھا ہے۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ج ۱، ص ۱۸۸ میں ۱۳۲۱ھ لکھا ہے۔

تیس پارے ہیں اور ہر پارہ قرآن مجید کے پارے سے تقریباً دوگنا بڑا ہے[1] ہر پارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک وصف کا کتاب و سنت کے مطابق بیان ہے۔ آپ نے یہ عظیم الشان کتاب بارہ سال آٹھ ماہ بیس دن میں مکمل کی[2]

یکم ذوالحجہ، ۱۵ جولائی ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء بروز ہفتہ آپ نے دارِ جاودانی کی طرف سفر فرمایا[3] چھوہر شریف میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

ان دنوں آپ کے فرزند ارجمند حضرت الحاج محمود الرحمٰن چھوہروی مدظلہ العالی صدر انجمن شوریٰ دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور سجادہ نشین ہیں اور حضرت خواجہ صاحب کے پوتے حضرت مولانا صاحبزادہ محمد طیب الرحمٰن مدظلہ العالی دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

---

[1] مولانا فیض احمد گولڑوی نے مہر منیر میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ یہ ایک رسالہ ہے، غالباً انہیں اس عظیم کتاب کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

[2] سید احمد سریکوٹی، مولانا حافظ : مقدمہ مجموعہ صلوات الرسول ص ۱۹

[3] ایضاً ، ص ۷

مجاہدِ اعظم حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف قدس سرہ

مجاہدِ ملت، ناصرِ تحریکِ پاکستان، شیخِ ثالث حضرت مولانا پیر عبدالرحمٰن ابن حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ قدس سرہما ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲-۳-۲ء میں بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید پڑھنے کے بعد سراج العلماء مولانا سراج احمد خان بیلوی ثم خانپوری (قدس سرہ) سے نحو اور فقہ حنفی کی کتابیں پڑھیں اور بقیہ تعلیم مولانا عبدالکریم ساکن میانوالی سے مکمل کی۔ چونکہ آپ کو بچپن ہی سے ایسا ماحول میسر آیا تھا جو شریعت و معرفت کے انوار اور ذکر و فکر کی برکات سے معمور تھا اور پھر ولیٔ کامل والد ماجد کی کیمیا اثر صحبت سے آپ پوری طرح مستفیض ہوئے تھے اس لئے آپ کے کمالات و درجات کا اندازہ لگانا نظرِ ظاہر بین کے بس کی بات نہیں ہے۔ ۱۳۴۹ھ میں والد ماجد کے وصال کے تیسرے روز خانقاہی دستور کے مطابق آپ کی دستار بندی کرائی گئی۔ آپ نے مسندِ سجادگی پر جلوہ افروز ہو کر وہ محیر العقول کارنامے انجام دیئے جو تاریخ کا روشن ترین باب ہیں۔

حضرت شیخِ ثالث حد درجہ پابندِ شریعت تھے، نماز باجماعت کے ایسے پابند تھے کہ عمر بھر میں شاید ہی کوئی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہو، اذان کے دوران گفتگو کرنے کو سخت ناپسند رکھتے تھے، تقبیلِ ابہامین کو مستحسن سمجھتے تھے، نہایت سادہ لباس زیبِ تن فرماتے، ظاہری کروفر سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے، ان کے ہر کام میں للہیت جلوہ گر ہوتی، ان کی نظر میں دنیا اور اہلِ دنیا کی کچھ وقعت نہ تھی۔ ایک مرتبہ سردار شیر محمد خان مرحوم نے عرض کیا کہ میں قومی اسمبلی کا امیدوار ہوں، جیکب آباد میں آپ کے بہت سے مریدین ہیں لہٰذا آپ تشریف لے چلیں اور جماعت کو حکم دیں کہ مجھے کامیاب کرائے۔ آپ ازراہِ کرم تشریف لے گئے بنگلے پر پہنچ کر اس نے تین ہزار روپے لنگر کے مصارف کے لئے پیش کئے، آپ نے پیشکش ٹھکرا دی اور واپس آ گئے فرمایا: خان مجھے دامِ دولت میں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔

آپ کے خلوص اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مدرسہ انوار العلوم، ملتان کے جلسہ

میں رونق افروز تھے، حضرت علامہ شیخ القرآن مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دار العلوم کے لئے چندہ کی اپیل کی، کوئی سو روپیہ، کوئی دو سو روپیہ اور کوئی پانچسو روپیہ دے رہا تھا اور اس کا اعلان کیا جا رہا تھا، دریں اثنا حضرت ممدوح نے ایک روپیہ عنایت فرمایا، اس کا اعلان بھی کر دیا گیا، لوگ تعجب خیز نگاہوں سے آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ اس طرح اطمینان سے تشریف فرما تھے کہ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ تین دن بعد جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ سے اجازت چاہی اور خلوت میں مدرسہ کے لئے ایک ہزار روپے کی خطیر رقم عطا فرمائی۔ آج بے نفسی کی ایسی مثالیں شاید ہی کہیں دیکھنے میں آتی ہوں۔

حضرت شیخِ ثالث مولانا عبدالرحمٰن قدس سرہ کو سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک محبت تھی جب سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر شریف سنتے تو گویا آنکھوں سے سیلاب امڈ پڑتا۔ شیخِ اعظم حضرت مولانا محمد صدیق بانی بھرچونڈی شریف کا یہ معمول تھا اور حضرت شیخِ ثالث نے بھی اسے جاری رکھا کہ ربیع الاول شریف کا پورا مہینہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منایا کرتے تھے جماعت کے لئے بہترین کھانے کا انتظام فرماتے کھانے سے پہلے اور بعد خود تمام لوگوں کے ہاتھ دھلاتے اگرچہ حاضرین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی۔

حضرت ممدوح ان گنت خوبیوں کے مالک تھے، اگر ایک طرف آپ کے فیضِ صحبت سے دلوں کی دنیا نورِ عرفان سے معمور تھی، ہزاروں افراد حلقۂ ذکر و فکر میں شامل ہو کر منازلِ سلوک طے کرتے تھے تو دوسری طرف اعتقادی فضا کو عقائدِ باطلہ کے مسموم اثرات سے پاک کرنے کے لئے جید علماء کی جماعت ساتھ لیکر جگہ جگہ کے دورے کرتے، وعظ و ارشاد کی محفلیں منعقد فرماتے اور ضرورت پڑنے پر اعلاءِ کلمۃ الحق کی خاطر مناظروں میں شرکت فرماتے تھے۔

آپ اپنے دور کے سیاسی حالات سے بھی پوری طرح باخبر تھے اس لئے جب آپ نے دیکھا کہ اراکینِ اسمبلی ووٹ لینے کے لئے بڑے لمبے چوڑے وعدے کرتے ہیں لیکن ایوان میں چلے جانے کے بعد سب کچھ بھول جاتے ہیں تو آپ نے صوبہ سندھ کے باخبر افراد کو جمع کر کے انجمن جاں باز اسلام قائم کی جس کا مقصد قوانینِ شرعیہ کا نفاذ، چوری، ڈکیتی اور تمام غیر شرعی امور کا انسداد اور ملک و ملت کے خیر خواہ ممبروں کو کامیاب کرانا تھا۔ اتفاقِ رائے سے آپ کو اس انجمن کا صدر منتخب

مجاہد ملت حضرت مولانا پیر عبدالرحیم شہید قدس سرہ (بھرچونڈی شریف)

پیکر علم و استقامت، منبع رشد و ہدایت حضرت مولانا پیر عبدالرحیم شہید ابن حضرت مولانا عبدالرحمٰن ابن حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ (قدست اسرارہم) ۱۳۲۰ھ/۱۹۱۰ء میں بھرچونڈی شریف ضلع سکھر میں پیدا ہوئے۔ ساتویں دن جد امجد نے عبدالرحیم نام تجویز کیا۔ کسی نے پوچھا حضرت، صاحبزادے کا نام کیا تجویز کیا ہے؟ فرمایا ہم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پورا کیا ہے، وہ اس طرح کہ اپنا نام عبداللہ، صاحبزادے کا نام عبدالرحمٰن اور پوتے کا نام عبدالرحیم، تینوں ناموں سے لفظ "عبد" ہٹانے سے بسم اللہ شریف پوری ہو جاتی ہے۔

جد امجد حضرت شیخ ثانی کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اکثر آپ دادا جان کے سینے پر کھیلتے رہتے تھے۔ آپ ابتدا ہی سے غیر معمولی ذہین تھے، جو سبق دوسرے طالب علم گھنٹوں میں یاد کرتے وہ آپ منٹوں میں یاد کر لیتے۔ قرآن مجید کی تعلیم شروع ہوئی، پندرہ پارے حفظ اور پندرہ ناظرہ پڑھے۔ درسی کتابیں پہلے حضرت مولانا عبدالکریم (ساکن بیالوالی) سے، پھر سراج الفقہا مولانا سراج احمد قدس سرہ (خانپوری) سے پڑھیں اور آخر میں حضرت علامہ سید مغفور القادری رحمہ اللہ تعالیٰ (شاہ آباد شریف ضلع رحیم یار خان) سے پڑھنا شروع کیا۔ شرح جامی، شرح وقایہ اور مشکوٰۃ شریف تک کتابیں خود سمجھ کر پڑھیں حتیٰ کہ دوسری کتابوں کے سمجھنے کا خاصا ملکہ پیدا ہو گیا۔

حضرت پیر صاحب نہایت بلند ہمت اور بے باک شخصیت کے مالک تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ اور سربلندی کے لئے کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ کئی ایسے واقعات پیش آئے کہ ہندوؤں نے نومسلم عورتوں کو قید کر کے ارتداد پر مجبور کیا۔ پیر صاحب کسی خطرے کو دل میں نہ لاتے ہوئے میدان میں آ گئے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک ان نومسلم خواتین کو آزاد نہ کرا دیا۔

اپنے والد ماجد مجاہد اعظم حضرت مولانا عبدالرحمٰن قدس سرہ کے زیر سایہ رہ کر انجمن

احیاء الاسلام اور تنظیم المشائخ کی بے مثال خدمات انجام دیں اور اس دور میں جب کہ کانگریس پوری طرح صوبہ سندھ پر چھائی ہوئی تھی، آپ نے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ کی بھرپور اشاعت و حمایت کی۔ یہ انہی مشائخ کی قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ صوبہ سندھ کی رائے عامہ مسلم لیگ کے حق میں ہموار ہو گئی اور عوام الناس نے بڑے جوش و خروش سے نظریۂ پاکستان کو اپنایا۔

۱۹۴۶ء میں والد ماجد کی قیادت میں ڈیڑھ سو افراد کی جماعت کے ساتھ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شریک ہوئے اور قیام پاکستان کی پرزور تائید کی۔ اہل سنت کی اس نمائندہ کانفرنس میں متحدہ پاک و ہند کے تقریباً پانچ ہزار علماء و مشائخ کا قیام پاکستان کی خاطر اپنی تمام کوششوں کو صرف کر دینے کا عہد ایک ضرب کلیمی تھی جس نے کانگریس کے ساحروں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا تھا۔ احیاء الاسلام اور تنظیم المشائخ کے بعد آپ جمعیۃ علماء پاکستان، سندھ کے نائب صدر منتخب ہوئے اور جس جرأت، ہمت اور خلوص و ایثار سے جمعیت کی سرگرمیوں میں حصہ لیا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

۱۹۶۰ء میں شیخ ثالث حضرت مولانا عبدالرحمٰن قدس سرہ کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو آپ کی مصروفیات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا لیکن جس حسن و خوبی سے آپ نے ذمہ داریوں کو نبھایا، موجودہ دور میں اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ آپ کے دل میں دین و ملت کا بے پناہ درد تھا۔ اگرچہ آپ پر قاتلانہ حملے کئے گئے، طرح طرح سے آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن اس مرد خدا کے قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے ہمیشہ آگے ہی بڑھتے رہے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں راجستھان سیکٹر میں عملی طور پر حصہ لیا، اپنے مریدین مجاہدین کے کئی دستے مسلح کر کے محاذ پر بھیجے اور انہیں تمام ضروریات پہنچانے کا باقاعدہ انتظام کیا اور دو دفعہ خود محاذ پر تشریف لے گئے۔

حضرت پیر صاحب نظریۂ اسلام کے زبردست حامی تھے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جمعیۃ علماء پاکستان کے صوبہ سندھ کے نائب صدر ہونے کی حیثیت سے علی الاعلان اسلامی قانون کا ساتھ دیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ عوام کے اذہان میں صحیح اسلامی اقدار کو اس قدر

راسخ کر دیا جائے کہ وہ نظریۂ اسلام کے علاوہ کسی نظریئے اور ازم کو قبول نہ کریں۔

اسلام دشمن عناصر حضرت پیر صاحب کی با اثر شخصیت کو اپنے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ یقین کرتے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں جب سندھ میں فتنۂ دہریت عروج پر تھا، پیر صاحب اس فتنہ کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور لاہور میں یوم محمد بن قاسم کے اجلاس کی صدارت کی سلہ

۳۰ رجب المرجب، ۲۱ ستمبر (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کی شام کو جبکہ حضرت پیر صاحب چار غیر مسلح آدمیوں کے ساتھ کھڑے تھے، مخالفین نے فائرنگ کر کے آپ کو شہید کر دیا آپ کے جنازہ میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی، آپ کی آخری آرام گاہ بھر چونڈی شریف میں ہے۔ آپ کی شہادت سے ملتِ اسلامیہ ایک عظیم مجاہد سے محروم ہو گئی سلہ

سلہ سجاد میر، ہفت روزہ زندگی (۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء) ص ۱۹۔

سلہ مظفر القادری، سید مولانا : عباد الرحمٰن ، ص ۲۰۳-۲۰۸۔

نوٹ :۔ ہفت روزہ زندگی کے حوالے کے علاوہ باقی تمام حالات "عباد الرحمٰن" سے لئے گئے ہیں۔

منبعِ فیض وجود حضرت مولانا خواجہ عبد الرسول قصوری قدس سرہ

حضرت خواجہ عبد الرسول بن حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۳۳۵ھ/۲۰-۱۹۱۹ء میں بمقام قصور پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے ایک سال پہلے آپ کے والد ماجد نے تحفۂ رسولیہ میں آپ کی پیدائش، نام، کیفیت اور معمولاتِ زندگی یہاں تک کہ سالِ وفات بھی (اشارۃً) لکھ دیا تھا

سنِ شعور کو پہنچے تو شہرۂ آفاق عالم اور جلیل المرتبت بزرگ والد ماجد حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا اور تمام مروجہ علوم و فنون کی تحصیل کے ساتھ ساتھ سلوک کی منزلیں بھی طے کرتے رہے حتیٰ کہ سندِ فراغت اور سلسلۂ عالیہ قادریہ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ والد ماجد نے علومِ دینیہ کی تدریس اور مریدین کی تربیت آپ کے سپرد فرمائی۔

آپ بڑے مہمان نواز، غریب پرور، درویشوں کے مصفا و امراء سے متنفر تھے، جود و سخا میں تو گویا آپ بحر بیکراں تھے، کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتے لیکن باایں ہمہ کمال اتقاء سے کام لیتے، سنتِ مطہرہ کی پیروی کو بہت اہمیت دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے :

"سنتِ نبوی پر پوری طرح عمل کئے بغیر کوئی شخص کامل نہیں ہو سکتا"

طبیعت حلم، انکسار اور تواضع ایسی پاکیزہ صفات سے موصوف تھی، دور دراز سے آنے والے طلباء آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے اور کامیاب ہو کر لوٹتے۔ فیضِ باطنی کے متلاشی حاضرِ دربار ہوتے اور دولتِ عرفان سے شاد کام ہوتے۔ آپ صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے بے شمار حاجت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی دعاء و برکت سے کامیابی سے ہمکنار ہوتے۔ ہمیشہ سفر و حضر میں جمعہ کے دن وعظ فرماتے اور عوام الناس کو شریعتِ مبارکہ اور سنتِ مقدسہ کی پیروی کی تلقین فرماتے۔

وصال سے ایک سال قبل احباب اور عقیدت مندوں کو جو عرس شریف پر حاضر تھے اشارۃً

اپنے وصال کی خبر دے دی۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ شاید آئندہ سال تمہاری ملاقات نہ ہو سکے
وفات سے تین دن پہلے خلفاء کو اپنے دست مبارک سے مکاتیب لکھے۔ لکھا:

"اس فقیر کی زندگی کا معاملہ آخر کو پہنچ گیا ہے اور چند روز کی مہلت ہے۔"

وصال سے پہلے آپ نے تمام احباب کو وداع کیا حتی کہ مسجد اور سواری کی گھوڑی کو بھی رخصت کیا۔ آخری وقت اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ پڑھا، مراقبہ فرمایا اور جان آفریں کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم الحرام ۵ فروری (۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) بروز پیش آیا۔ نماز جنازہ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی اور قصور کے عظیم قبرستان میں اپنے بزرگوں کے قریب محو استراحت ہوئے۔

مولانا غلام قادر شائق رسول نگری نے عربی میں قطعۂ تاریخ وفات کہا جو لوح مزار پر کندہ ہے

قطعہ یہ ہے ؎

الا عبد الرسول الشیخ قد مات	ہو الکامل بلا نقص و لا عیب
فان شئت عن عام ارتحالہ	اقل تاریخہ غوث بلا ریب ۱؎

۱۲۹۴ھ = ۲۱۲ + ۱۰۸۲

۱؎ شیر احمد سعید : انوار محی الدین ، ص ۱۸۹ ، ۲۴۰

مناظر یگانہ مولانا قاضی محمد عبد السبحان ہزاروی قدس سرہٗ

معقول و منقول کے متبحر فاضل بے مثل مناظر مولانا قاضی محمد عبد السبحان ابن مولانا قاضی ظہور علی بن مولانا مفتی محمد غوث ۱۳۱۵-۶ھ/۱۸۹۸ء میں موضع کھلابٹ (ہری پور سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا، اب تربیلہ میں آگیا ہے) ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اور جد امجد اپنے دور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ آپ کے جد امجد نے رد تقویۃ الایمان اور تاریخ وہابیہ وغیرہ کتب بھی لکھی تھیں۔ مولانا علامہ سید برکات احمد ٹونکی سے مدرسہ خلیلیہ ٹونک میں علوم و فنون کا استفادہ کیا۔ مولانا قطب الدین غور غشتوی (م ۱۹۵۱ء) اور مولانا حمید الدین مانسہری آپ کے مشفق اساتذہ میں سے تھے، حدیث و تفسیر کا درس اپنے چچا اور خسر مولانا محمد خلیل محدث ہزاروی سے لیا۔۱؎

مولانا قاضی عبد السبحان رحمہ اللہ تعالیٰ نے تکمیل علوم کے بعد تمام زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور مسلک اہل سنت کی حمایت میں صرف فرمائی۔ ۱۹۳۶ء میں مدرسہ بیگم پورہ (گجرات) میں ایک سال مدرس رہے، دوسری بار ۱۹۵۰ء تک انجمن خدام الصوفیہ (گجرات) میں قریباً تین سال قیام پذیر رہے، بعد ازاں شرق پور شریف، احسن المدارس راولپنڈی اور دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور میں بحیثیت صدر مدرس کام کیا، آخری دنوں میں اپنے گاؤں کھلابٹ میں چلے گئے۔۲؎

آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ آپ کی تصانیف میں سے مواہب الرحمٰن رد جواہر القرآن اور انوار الاتقیاء فی حیاۃ الانبیاء طبع ہو چکی ہیں، ان کے علاوہ آپ نے بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف، شرح معانی الآثار۔ امام طحاوی قدس سرہ، بیضاوی اور دیگر متعدد کتب درس نظامی پر شروح و حواشی لکھے جو زیادہ تر عربی میں ہیں اور ابھی تک غیر مطبوع ہیں سلسلہ ابن تیمیہ حرانی کی

۱؎ محمود احمد قادری، مولانا : تذکرہ علمائے اہل سنت ، ص ۱۷۴ ، ۱۷۵

۲؎ عبد النبی کوکب، قاضی : سیرت سالک ، ص ۱۱۴

"کتاب الوسیلہ" کا رد لکھا تھا۔ آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت مولانا قاضی سلطان محمود قدس سرہٗ (آوان شریف) سے بیعت تھے۔

آپ کے کثیر التعداد تلامذہ پنجاب اور سرحد میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کو مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، صرف ایک بات میں مد مقابل کو لاجواب کر دیتے تھے۔ بڑے بڑے مناظر آپ کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔ آپ نے دو عالم و فاضل صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ بڑے صاحبزادے مولانا قاضی غلام محمود ہزاروی خطیب عید گاہ جہلم اور چھوٹے صاحبزادے مولانا مفتی سیف الرحمٰن ہزاروی خطیب جامع مسجد چنیاں (ہزارہ) ہیں۔

استاذ العلماء فاضل مولانا قاضی محمد عبد السبحان ہزاروی قدس سرہ ۱۲ شوال، ۲۰ مئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء کو واصلِ جنت ہوئے اور کھلابٹ کی جامع مسجد میں محو استراحت ابدی ہیں۔ افسوس کہ آپ کا مزار تربیلا ڈیم میں آ گیا ہے۔

جناب حکیم مظفر علی مظفر ساکن چک عمر (گجرات) نے قطعۂ تاریخ کہا ہے

شد روانہ جانب خلد بریں — آں جناب عبد سبحاں بے مثال
عالم و فاضل فقیہ بے نظیر — پاک صورت نیک سیرت خوش خصال
پُر مرید غوث اعظم ہم شہاب — مظہر شان محمد لازوال
چوں بپرسیدم ز دل تاریخ او
"مخزن جود و سخا" گفت السال ۱؎
۱۳ ۵ ۷۷

۱؎ غلام محمود قاضی مولانا: ۲۷ مناظرے (کتب خانہ غوثیہ مہریہ، جادہ جہلم) ص ۲۴۵۔

فاضلِ جلیل مولانا ملا عبد الصمد مقتدری قدس سرہٗ

حضرت مولانا ملا عبد الصمد مقتدری بن شیخ غلام حامد قدس سرہما بدایوں میں پیدا ہوئے۔ خاندان حمیدی کے فرد تھے۔ مدرسہ قادریہ بدایوں میں مولانا محب احمد قادری، مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی قدس سرہما اور دیگر اساتذہ سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ الٰہ آباد یونیورسٹی سے "ملا" کا امتحان پاس کیا اس لئے "ملا" آپ کے نام کا جزو بن گیا۔ حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی قدس سرہ کے دستِ اقدس پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور حضرت شاہ عبد القدیر بدایونی قدس سرہ سے اجازت و خلافت پائی۔

سیاست میں مولانا عبد الماجد بدایونی کے تربیت یافتہ تھے، تقریر و تحریر میں کمال رکھتے تھے، تحریک خلافت اور تبلیغ و تنظیم میں بھرپور حصہ لیا، آگرہ اور اس کے گرد و نواح میں شدھی تحریک اور سنگٹھن تحریک نے زور پکڑا تو اس کے سدِ باب کے لئے آگرہ میں مستقل قیام کیا، ماہنامہ الہدیٰ جاری کیا، اس سلسلہ میں حکومت کے زیرِ عتاب آنے کی بنا پر نظر بند بھی ہوئے لیکن زندگی بھر پوری قوت سے کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔

مولانا ملا عبد الصمد مقتدری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریک پاکستان میں بڑی جانفشانی سے حصہ لیا، یو پی مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے، بریلی اور بدایوں میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے میں دن رات کام کیا۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے آئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی، میری کالا کوکل (صدر) سے وابستہ ہو گئے تھے، مولانا شاہ عبد القدیر بدایونی قدس سرہ کے وصال کے بعد ان کی سوانح حیات مرتب کی تھی جو چھپ نہ سکی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا مشہور قصیدہ "چراغِ انس" (در مدح حضرت مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ) مرتب کر کے شائع کیا تھا۔

مولانا ملا عبد الصمد مقتدری ۱۵ رجب، ۲۰ نومبر (۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) کو داعیِ جنت ہوئے اور میوہ شاہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ۱؎

۱؎ محمد ایوب قادری، پروفیسر: علمی یادداشت

علامہ حافظ مولانا عبدالعزیز پرہاروی قدس سرہ صاحب نبراس شرح شرح عقائد

علامہ دوری حاملِ نوارِ شریعت مولانا الحافظ عبدالعزیز بن ابی محمد بن حامد تقریباً ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء میں ایک چھوٹی سی بستی پرہار مضافات کوٹ ادو (مظفر گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید والد ماجد سے حفظ کیا پھر ملتان تشریف لائے اور حضرت خواجہ حافظ محمد جمال چشتی ملتانی (خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے علوم و فنون کا استفادہ کیا۔ دورانِ تعلیم دروازہ بند کر کے مصروفِ مطالعہ تھے کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے فرمایا میں مطالعہ میں مصروف ہوں، مجھے فرصت نہیں ہے۔ آنے والے نے کہا میں خضر ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر آپ خضر (علیہ السلام) ہیں تو آپ دروازہ کھولے بغیر ہی تشریف لانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام اندر تشریف لے آئے اور آپ کے کندھوں کے درمیان دستِ اقدس رکھا، اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل سے آپ کا سینہ علم و فضل اور روحانیت کا سمندر بن گیا[1]

آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ۲۷۰ علوم میں مہارتِ کاملہ عطا فرمائی ہے، جبکہ کسبی طور پر اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہوا، یہ سب کچھ عطائے ربانی ہے۔ آپ کے بیان کے مطابق انگریزوں کو علمِ اسطرلومیا کا بے حد اشتیاق تھا لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود انہیں یہ علم پڑھانے والا کوئی نہ مل سکا جب کہ آپ نے اس علم میں جلیل القدر کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ آپ کے الفاظ میں یتحیر فیہ ابرخوس ویذعن لبراہینہ بطلیموس[2] (ابرخوس بھی اس کتاب کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا اور بطلیموس اس کے دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا)

حضرت علامہ ظاہری اور باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ علم و فضل کی بدولت اغنیاء

---

[1] [illegible] مولانا : الیواقیت المہریہ ص ۱۵۱

[2] [illegible] کوثر النبی (مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ ملتان) ۱۲/ ص ۱۰۵

اور اہلِ دنیا کو خاطر میں نہ لاتے تھے جبکہ فقراء و مساکین کا علاج مفت کرتے، ایک دفعہ مظفر خان والیٔ ملتان نے آپ کو علاج کے لیے طلب کیا تو آپ نے سختی سے انکار کر دیا[1]

علامہ کا اشہبِ قلم نہایت تیز رفتار تھا، کتاب زلیخا دو جزء سے کم پوری کتاب ایک دن میں لکھ ڈالی تھی، آپ نے تقریباً ہر فن میں بلند پایہ کتابیں لکھیں لیکن ابھی تک اکثر و بیشتر کتب زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ نبراس شرح شرح عقائد

۲۔ السر المکتوم باخفاء المتقدمون (علم اوفاق و تکسیر کے بیان میں)

۳۔ کوثر النبی (اصول حدیث میں)

۴۔ الناہیہ عن ذم معاویہ (فضائل امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

۵۔ نعم الوجیز (علم بیان اور بدیع میں)

۶۔ الصمصام (اصول تفسیر میں)

۷۔ مرام الکلام فی عقائد الاسلام (یہ کتابیں راقم کی نظر سے گزر چکی ہیں)

۸۔ زمرد و اخضر (۹) یاقوت احمر (۱۰) اکسیر (علم طب میں)

۱۱۔ سر السماء (علم ہیئت میں) ۱۲۔ لوح محفوظ (دو جلد) (تفسیر عربی)

قارئین کے لیے یہ امر باعثِ حیرت ہوگا کہ علم و فضل کا یہ آفتاب صرف تینتیس سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ میں روپوش ہو گیا[2]

کاش تاریخ کا کوئی محقق اس نادرِ روزگار شخصیت پر ریسرچ کرتا اور ان کی جلالتِ علمی کو آشکار کرتا تو بڑے بڑے سکالر ان کے سامنے بونے نظر آتے۔ ان الفاظ سے کسی کی تنقیص مقصود نہیں بلکہ اہلِ تحقیق کی توجہ اس فاضلِ اجل کی طرف مبذول کرانا مقصود ہے جو تحقیق و تدقیق میں متقدمین اہلِ فن سے کہیں آگے نظر آتا ہے۔

---

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت ، ص ۱۵۲

[2] برخوردار ملتانی، مولانا : حاشیہ نبراس (مطبوعہ لاہور) ص ۳

فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی محمد عبد العزیز قدس سرہٗ (مفتی الگوں)

اپنے دور کے زبردست فاضل مسلک اہل سنت و جماعت کے عظیم مبلغ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد عبد العزیز قدس سرہ فقہ حنفی کے عظیم مفتی و بانیِ دینی اسلامیہ کا بے پناہ درد رکھنے والے بزرگ تھے۔ آپ کے ابتدائی حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ ابن الحسنات حضرت مولانا سید خلیل احمد قادری مدظلہ خطیب مسجد وزیر خاں نے ایک دفعہ برسبیل تذکرہ راقم سے بیان کیا کہ حضرت مفتی صاحب ابتداءً وہابی علماء سے تعلیم حاصل کرتے رہے تھے اس لئے ان پر غیر مقلدیت کا رنگ چڑھا ہوا تھا، خوش قسمتی سے حدیث شریف پڑھنے کے لئے امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ انہیں دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلے کی اجازت نہ دی جائے لیکن حضرت امام المحدثین نے نہ صرف داخلے کی اجازت دی بلکہ خاص توجہ بھی مبذول فرمائی۔ چند ہی دنوں میں حضرت امام المحدثین کے دلائل قاہرہ اور توجہ کی برکت سے اثرات وہابیت کافور ہوگئے اور حنفیت کا ایسا رنگ چڑھا کہ حضرت مفتی عبد العزیز قدس سرہ تمام عمر فقہ حنفی کی خدمت اور اہل باطل کی سرکوبی میں مصروف رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فراغت کے بعد ضلع لاہور کے ایک قصبہ الگوں (جو تقسیم کے بعد ہندوستان کا حصہ بن گیا) میں ۱۹۳۳ء میں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم قائم کیا۔ آپ کے دورۂ حدیث کے ساتھی فقیہ جلیل حضرت مولانا مفتی ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ العالی نے بصیر پور میں دار العلوم حنفیہ فریدیہ کا آغاز کیا۔ الگوں ایک ایسا قصبہ تھا جہاں کے باشندے احکام الٰہیہ سے بے بہرہ تھے۔ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم کے قیام سے جہاں ایک طرف اطراف و اکناف کے طلباء اپنی علمی پیاس بجھانے لگے وہاں دوسری طرف عوام الناس میں پھیلی ہوئی جہالت کی تاریکی چھٹنے لگی اور یہ علاقہ ذکر الٰہی اور ذکر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے جگمگانے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مفتی محمد عبد العزیز نے غلہ منڈی بوریوالہ کی جامع مسجد میں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم دوبارہ جاری کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ نے حاضرین کی توجہ مدرسہ کی عمارت قائم کرنے کی طرف مبذول کرائی تو سردار محمد یعقوب نے مدرسہ کو دو کنال زمین دے دی، ۳۰ مئی ۱۹۵۱ء کو عمارت کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا اور اسی سال مدرسہ نئی عمارت میں منتقل ہو گیا جو اب تک دینی خدمات بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت میاں غلام اللہ ثانی شرقپوری قدس سرہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۴ء میں دو بار زیارت حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب نے عمر بھر علوم دینیہ کی تعلیم اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ میں صرف کی۔ آپ کے شاگرد آج بھی پاکستان کے مختلف شہروں میں خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابو الفیض مولانا علی محمد نوری، اوکاڑہ۔
۲۔ ابو الیسر مولانا محمد اسماعیل خطیب جامع مسجد بوریوالہ
۳۔ مولانا نذیر احمد، چک [illegible]، بوریوالہ
۴۔ ابو الرضا مولانا محمد حسن، منڈی ہیرا سنگھ
۵۔ مولانا محمد علی، چک ۴۹۳، بوریوالہ
۶۔ مولانا محمد شیر حبیب نوری، کرور پکا
۷۔ مولانا سید محفوظ الحق شاہ، بوریوالہ
۸۔ مولانا سید عبد الخالق، چک ۲۹۷ ضلع ساہیوال

۱۹۶۰ء میں حضرت مفتی صاحب پر فالج کا شدید حملہ ہوا، علاج کارگر نہ ہو سکا اور ۱۰ ذیقعدہ، ۲۶ اپریل (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) بروز بدھ چار بجے شام آپ کا وصال ہو گیا اور بوریوالہ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ بحمدہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادگان مدرسہ عربیہ احیاء العلوم بوریوالہ کا انتظام و انصرام سنبھالے ہوئے ہیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد عتیق الرحمٰن زید مجدہ، مہتمم
۲۔ مولانا محمد خلیق الرحمٰن، نائب مہتمم اور صدر مدرس
۳۔ حافظ شفیق الرحمٰن، مدرس شعبۂ حفظ
۴۔ مولانا حافظ محمد حسین الرحمٰن، مہتمم مدرسہ عزیزیہ، غازی آباد [1]

[1] ابو الاحسان، مدیر ادارہ علمیہ، لاہور: مجلہ روئیداد مدرسہ عربیہ احیاء العلوم، بوریوالہ

مبلغِ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ العزیز

محسنِ ملت، نازشِ اہلسنت، مبلغِ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی ابن حضرت مولانا محمد عبد الحکیم قدس سرہما ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ/ ۳ اپریل ۱۸۹۲ء کو میرٹھ (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد عظیم المرتبت درویش صفت عالم دین اور بلند پایہ شاعر تھے، جوش تخلص کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن پاک پڑھ لیا، اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی بعد ازاں جامعہ قومیہ میرٹھ میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں درس نظامی کی سند حاصل کی۔

آپ کو چونکہ شروع ہی سے تبلیغِ اسلام کا شوق تھا اس لئے علومِ جدیدہ حاصل کرنے کے لئے اُردو ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا اور پھر ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا، ۱۹۱۷ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا، کالج کی چھٹیوں کے دنوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرتے رہے۔

میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا، اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ صدارت پڑھا اور سلیوں میں مقبولِ عام ہوا اور بہت سے احباب نے دینی نشر و اشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ مستقبل کے تبلیغی مشن کے لئے بنیاد ثابت ہوئی۔

آپ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور انہی کے ایما و ارشاد پر اپنی زندگی تبلیغِ دین اور خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دی اور اپنے خرچ پر پیغامِ اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ محسنِ ملت امام اہلِ سنت آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے

دیکھتے تھے، اپنے تلامذہ اور خلفا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

عبد علیم کے علم کو سن کر جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں [۱]

حضرت مولانا صدیقی قدس سرہ کو اپنے شیخ طریقت سے کمال عقیدت تھی، حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی پر آپ نے ایک طویل قصیدہ مدحیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا جس کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو قسیمِ جامِ عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو

غریقِ بحرِ الفت، مستِ جامِ بادۂ وحدت محبِ خاص منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہلِ طریقت کا جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو

عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو عجم کے واسطے دربِ وہ قبلہ نما تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں امامِ اہلِ سنت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

علیمِ خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

جب یہ اشعار سنا چکے تو امام اہل سنت نے اپنے قیمتی عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"مولانا! آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ آپ اس دیارِ پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ تو آپ کے قدموں کے بھی لائق نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے، وہ حاضر کئے دیتا ہوں۔" [۲]

اس واقعہ اور مندرجہ بالا قصیدے کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ آج کل وہ خلوص و محبت کہاں جوان مقدس ہستیوں کا طرۂ امتیاز تھا۔

---

[۱] احمد رضا بریلوی، امام اہلسنت — الاستمداد — نوری کتب خانہ لاہور — ص ۹۷

[۲] ظفر الدین بہاری، ملک العلماء — حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اول — ص ۵۱-۵۲

حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی شعلہ بیان خطیب بلند پایہ ادیب اور عظیم مبلغ اسلام تھے جب آپ اپنی انگریزی اور عربی دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکوت چھا جاتا اور بڑے بڑے سائنسدان، فلاسفر اور دیگر ہر قسم کے لوگ آپ کے دست اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ آپ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں اس روانی سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہل لسان دم بخود حیرت میں رہ جاتے۔ آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دین فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ وہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا جس میں قابل ذکر ممالک انگلستان، فرانس، اٹلی، پرتگال، گیانا، مڈغاسکر، سعودی عرب، ٹرینی ڈاڈ، امریکہ، کینیڈا، فلپائن، سنگاپور، ملائشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور سیلون تھے۔ اس کے علاوہ برما، سیلون، ملائشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، انڈوچائنا، چین، جاپان، ماریشس، جنوبی و مشرقی افریقہ کی آبادیاں، سعودی عرب، عراق، اردن، فلسطین، شام اور مصر کے متعدد تبلیغی دورے کئے، تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت اسلام دی اور ہر زبان میں اسلام کا لٹریچر شائع کیا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بورنیو کی شہزادی

(Her Highness Princess Gladys Palmer
Khairunnisa of Sarawark Staatoborneo)

ماریشس جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مروات

(Governor Merwace Tifefruch Statesman)

اور ٹرینی ڈاڈ کی ایک خاتون وزیر

(Muriel Donawa Fatima)

مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح، مراکش کے قاضی عبدالکریم، فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البنا، سیلون کے آنریبل جسٹس

ہیروالی، بکر ابو بکر، جسٹس ایم ٹی اکبر، سنگاپور کے ایس ایم ابن وہب اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلسفی جارج برنارڈ شا آپ کی علمی و روحانی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔

۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برنارڈ شا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے برنارڈ شا کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیئے کہ دنیا کا عظیم فلسفی آپ کے سامنے طفل مکتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ برنارڈ شا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس گفتگو کا اردو ترجمہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت، کراچی شمارہ محرم و صفر ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوچکا ہے۔

حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کے لئے ہر پہلو پر توجہ دی، متعدد مساجد تعمیر کرائیں جن میں سے حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور، اور مسجد ناگویا جاپان زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ عربی یونیورسٹی ملایا، پاکستان نیوز مسلم ڈائجسٹ، ٹرینی ڈاڈ مسلم اینول (جنوبی افریقہ) کی بنیاد آپ ہی نے قائم کی۔ ۱۹۴۹ء میں سنگاپور میں تنظیم بین المذاہب کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی، یہودی، بدھ مت اور سکھ مذاہب کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے لادینیت کا قلع قمع کرنے کی اپیل کی، تمام مذاہب کے راہنماؤں کی اس مشترکہ کانفرنس میں آپ کو ہز ایگزالٹڈ ایمی ننس (His Exalted Eminence) کا خطاب دیا گیا۔ نیز مصر میں تنظیم بین المذاہب الاسلامی کے نام سے مختلف مکاتب فکر کی ایک تنظیم قائم کی۔

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ رابطہ اسلامیہ کے رئیس وفد اور ملایا، مشرقی و جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں کے خاتمہ اور حجاج کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے حجاج تھا۔ حکومت سعودیہ کے عمائدین و عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے۔

جن کا خاصا اثر ہوا۔ ان مذاکرات کی تفصیل "البیان" کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی جس کے آغاز میں اخوان المسلمین (مصر) کے بانی حسن البنار نے ابتدائیہ لکھا اور حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم قدس سرہ کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"کما کان من فضل اللّٰہ و توفیقہ ان التقینا منذ عامین فی الارض المقدسۃ و عند البیت العتیق بصاحب الفضیلۃ و الداعیۃ الاسلامی الشیخ محمد عبد العلیم الصدیقی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ونحن نسأل اللّٰہ تبارک وتعالیٰ ان یجزی الاستاذ المفضال الشیخ محمد عبد العلیم الصدیقی عن المسلمین عامۃ خیر جزاء[1]

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو سال ہوئے ہماری ملاقات ارض مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحب فضیلت مبلغ اسلام الشیخ محمد عبد العلیم صدیقی سے ہوئی (کچھ عبارت کے بعد) ہم اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب فضیلت استاذ شیخ محمد عبد العلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔"

تبلیغ اسلام کی قابل قدر خدمات کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں دنیا کے کسی گوشے میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھایا جاتا تو آپ بے چین ہو جاتے تحریک خلافت شدھی تحریک اور تحریک پاکستان میں مردانہ وار حصہ لیا۔ صرف پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی تحریک پاکستان کے لئے فضا ہموار کی۔ مصر اور انگلینڈ میں کانگرسی ایجنٹوں سے مناظرے کئے۔ مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ طور پر علماء کی ایک جماعت کے قائد کی حیثیت سے حج کے موقع پر مکہ مکرمہ جا کر دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں کے سامنے

---

[1] محمد عبد العلیم صدیقی بر طانوی مولانا مبلغ اسلام: البیان، الحمید، مطبوعہ میرٹھ۔

پاکستان کی اہمیت کو واضح کیا۔ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی، حسن البنار قائد اخوان المسلمین، سید عبد اللہ شاہ (اردن) اور دیگر عرب لیڈروں کو تحریک پاکستان سے پوری طرح روشناس کرایا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس میں شرکت فرمائی اور علی الاعلان تحریک پاکستان کی حمایت فرمائی۔ قائد اعظم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے عالمی دورے سے واپسی پر کراچی میں عظیم کانفرنس منعقد کی جس میں سندھ، پنجاب اور مشرقی پاکستان کے اکابر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں پاکستان کے لئے آئین اسلامی کے جامع دستور کا مسودہ تیار کر لیا گیا، علماء نے تائیدی نوٹ لکھے اور حضرت مولانا عبد الباقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سرکردگی میں قائد اعظم کی خدمت میں مسودۂ آئین پیش کیا گیا۔ قائد اعظم نے تین گھنٹے تک مسودۂ آئین کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی حضرت مولانا نے انہیں اس خوش اسلوبی سے مطمئن کیا کہ قائد اعظم نے یقین دلایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ قومی اسمبلی کے منظور کرنے پر بہت جلد یہ آئین نافذ کر دیا جائے گا اس کے بعد جلد ہی ان کی وفات ہو گئی اور قائد اعظم علماء کرام سے کیا ہوا یہ وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔ یاد رہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم نے پہلی نماز عید آپ ہی کی اقتداء میں ادا کی تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی قدس سرہ نے تالیف و تصنیف پر بھی خاطر خواہ توجہ دی اور کثیر التعداد قابل فخر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا لیکن افسوس ان میں سے بہت سی تصانیف زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں اور جو طبع ہوئیں ان کا شایان شان اہتمام نہ کیا گیا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ ذکر حبیب (دو حصے)

۲۔ کتاب تصوف

۳۔ بہار شباب (نوجوانوں کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب)

۴۔ احکام رمضان (یہ تصانیف اردو میں ہیں)

۵۔ اسلام کی ابتدائی تعلیمات۔
۶۔ اسلام کے اصول۔
۷۔ اسلام اور اشتراکیت۔
۸۔ مسائلِ انسانی کا حل۔
۹۔ اسلام میں عورت کے حقوق۔
۱۰۔ مکالمہ جارج برنارڈ شا۔
۱۱۔ مرزائی حقیقت کا اظہار۔ (یہ تصنیفات انگریزی میں ہیں)

چالیس سال تک دنیا بھر میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ انجام دے کر ۲۲ ذوالحجہ، ۱۲ اگست (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) کو مدینہ منورہ میں اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے، اور تعلیماتِ اسلامیہ کی تبلیغ و اشاعت کے انعام کے طور پر جنت البقیع میں جگہ ملی۔ اس نابغۂ روزگار ہستی کے وصال سے تاریخِ اسلام کا ایک روشن ورق الٹ گیا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کے محبوب خلیفہ اور داماد حضرت مولانا حافظ ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن انصاری قادری رحمہ اللہ تعالیٰ بین الاقوامی تبلیغی جماعت ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز کے بانی و صدر، اور فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی (صدر جمعیت علماء پاکستان) نے نہ صرف حضرت علامہ صدیقی قدس سرہ کے مشن کو جاری رکھا بلکہ اسے آگے بڑھایا۔ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی وہ حق گو، بیباک اور مردِ مجاہد ہیں جن کی جراتِ ایمانی کو موافق و مخالف نے تسلیم کیا ہے۔ ان دنوں پاکستان میں نظامِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے نفاذ کے لئے تمام تر مساعی کو وقف کئے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ ملک و ملت کی بقاء و استحکام اور عزت و آبرو کا راز صرف اور صرف آئینِ اسلامی کے عملی نفاذ میں ہے [1]

[1] ماہنامہ ضیائے حرم (بھیرہ) نومبر ۱۹۷۰ء، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی
نوٹ: یہ الحیزان اور دیا علی حضرت کے حوالوں کے علاوہ باقی معلومات اسی اخبار سے ماخوذ ہیں۔
[2] ... [illegible] ... ۱۹۷۶ء ... ص ۱۹

سیّدنا شیخ طریقت حضرت مولانا پیر عبدالغفار شاہ کشمیری قدس سرہ

حضرت پیر محمد عبدالغفار شاہ ابن پیر احمد شاہ ابن پیر مصطفےٰ شاہ (قدست اسرارہم) شیخ مسعود نوری (مدفون محلہ نورہ سری نگر) کی اولاد و امجاد سے تھے۔ آپ کے دادا حضرت پیر مصطفےٰ شاہ کشمیر سے آکر ضلع ملتان کے ایک ویرانہ میں بیٹھ گئے تھے جو آپ کے قدوم کی برکت سے آباد ہو گیا اور اس مقام پر چک ۷۵/۱۵ بی کی بنیاد رکھی گئی۔ اس چک میں پیر مصطفےٰ شاہ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ پیر عبدالغفار شاہ اسی چک میں متولد ہوئے اور ابھی گیارہ برس کے تھے کہ آپ کے والد ماجد لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور ہی میں حضرت پیر صاحب نے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی، یہیں آپ کا نکاح سادات کے ایک گھرانے میں ہوا لیکن دو ہی برس بعد آپ کی اہلیہ داغِ مفارقت دے گئیں۔ اس کے بعد پیر صاحب نے دوسری شادی نہیں کی، صرف ایک فرزند پیر محمد اشرف مرحوم آپ کی یادگار تھے [1]

حضرت پیر عبدالغفار شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد حنفیہ تکیہ سادھواں لاہور کے امام خطیب اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں منسلک تھے مگر اس وقت تک ان کے پیر و مرشد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ جیّد عالم اور عاشقِ رسولِ مقبول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تھے۔ تمام عمر درود شریف کے مجموعے چھاپ کر تقسیم کرتے رہے۔ آپ کے مرتبہ درود شریف کے دس حصوں کا نام عشرۂ کاملہ ہے، علاوہ ازیں وظائف اور تصوف کی متعدد کتابیں شائع کیں۔ اس سلسلے میں آپ کا عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ عشرۂ کاملہ کے علاوہ دو ضخیم جلدوں میں درود شریف کا ایک مجموعہ بنام خزائن البرکات مرتب کر کے نہایت خوشخط لکھوایا مگر اس کی اشاعت کا موقع آنے سے قبل آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ نے اس کتاب کے عربی دیباچے میں لکھا ہے:

[1] نقوش (لاہور نمبر) فروری ۱۹۶۲ء، ص ۸۰۸

"کسی کا کوئی شغل ہے اور کسی کا کوئی مگر میرا ہر وقت کا شغل تصورِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔" (مفہوماً)

؎ بود در جہاں ہر کسے را خیالے
مرا از ہمہ خوش خیالِ محمد

حضرت پیر صاحب کی مرتبہ تمام کتب پر یہ لکھا ہوتا تھا "عبدالغفار حامی اشاعت درود شریف"۔

خدمت درود شریف کے علاوہ آپ کی ایک دینی خدمت یہ ہے کہ مسجد حنفیہ کپہاڑ وال میں ۱۳۲۹ھ/۱۹۰۰ء میں آپ نے ایک دینی مدرسہ بنام مدرسہ غوثیہ قائم کیا جس میں علوم دینیہ کی تعلیم کا نہایت اعلیٰ انتظام تھا۔ اجلہ فضلاء مدرسین کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ایک مدت تک اس مدرسہ میں مفتی غلام نقشبند جہانگیری صدر مدرس رہے اور مولانا سید احمد علی شاہ بٹالوی مرحوم اعزازی طور پر ہر ہفتہ بعد ترمذی شریف پڑھایا کرتے تھے۔ یہاں کے طلباء کو مثنوی مولانا روم بھی پڑھائی جاتی تھی اور اس کا درس پیر صاحب خود دیا کرتے تھے۔

پیر صاحب قبلہ کے عقیدت مندوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ آپ کے ارادتمند پنجاب اور کشمیر سے باہر افغانستان میں بھی تھے مگر آپ نے باقاعدہ بیعت خاص خاص حضرات ہی کو کیا۔ مولانا غلام قادر امرتسری آپ کے مرید خاص تھے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے لاہور میں میرے پیر کے قریب دفن کیا جائے چنانچہ آپ کو لاہور میں لا کر دفن کیا گیا۔

حضرت پیر صاحب کے وصال کا واقعہ یوں ہے کہ آپ نماز عشاء کے لئے اپنی مسجد میں وضو کر رہے تھے۔ ابھی بایاں پاؤں دھونا باقی تھا کہ یکایک آپ کو اختلاج قلب کا عارضہ لاحق ہوا۔ ڈاکٹر محمد دین ناظر جو آپ کے قریب ہی رہتے تھے، کو اطلاع دی گئی۔ وہ آئے اور دوا پلانے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے نہ پی اور پونے دو گھنٹے میں واصل بحق ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۷ رجمادی الاخریٰ بروز چہار شنبہ ۱۳۴۰ھ/۱۹۱۱ء کا ہے۔

فقیرِ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں نے آپ کی تاریخ وفات کہی ؎

سیدی والا گہر غفار شاہ	چوں بوصلِ ذاتِ حق مسرور شد
بہرِ سالِ رحلتش گفتا شریف	"قبلہ و کعبہ من مستور شد"

۱۳ ۰ ۴

آپ کا مزار میانی صاحب (لاہور) کے قبرستان میں باغ گل بیگم کے نزدیک واقع ہے[1]

---

[1] محمد موسیٰ امرتسری، حکیم اہلسنت ، ...
ضیاء محمد ضیاء، خلیفہ ، ... (مطبوعہ ۱۹۷۲ء)

امام المجاہدین حضرت مولانا عبد الغفور صاحب سوات قدس سرہ

امام المجاہدین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا اخوند عبد الغفور صاحب سوات قادری رحمہ اللہ تعالے ۱۷۹۴ء/۱۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو ابتدا ہی سے دینی تعلیم کا اشتیاق تھا چنانچہ ابتدائی کتب اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھیں بعد ازاں پشاور کے مشہور زمانہ فاضل حضرت مولانا حافظ محمد عظیم پشاوری رحمہ اللہ تعالے (م ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر تقریباً چار برس میں تمام کتب متداولہ کی تحصیل و تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی، باکمال استاد کی صحبت سے تزکیۂ نفس کا جذبہ پیدا ہوا اور شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد شعیب قدس سرہ ساکن تورڈھیری کے دست اقدس پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے، ایک عرصہ تک دریائے کابل اور دریائے سوات کے جنگلوں میں محو عبادت و ریاضت رہے اور سلاسل اربعہ میں ماذون و مجاز ہوئے۔

اب آپ نے عوام الناس کو رشد و ہدایت کا درس دینا شروع کیا اور جگہ جگہ تشریف لے جا کر اتباع شریعت و سنت کی تلقین کرنے لگے، بیوہ عورتوں کا نکاح ثانی کراتے شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلے کرتے، غیر شرعی رسوم کا سختی سے سد باب کرتے، گویا آپ کی ذات سے ایک دبستان شریعت قائم تھا جس نے معاشرے میں زبردست انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کے لنگر سے ہزاروں ضرورت مند مستفید ہوتے جو خدمت دین کے جذبہ سے سرشار ہو جاتے۔

جب سید احمد بریلوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی جماعت کے ساتھ پشاور کا رُخ کیا تو حضرت اخوند صاحب نے سکھوں کو پشاور سے نکالنے اور مسلمانوں کو ان کے جبر و استبداد سے نجات دلانے کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے، پشاور فتح ہونے کے بعد مذکورہ جماعت نے اپنے عقائد و اعمال کو عملی طور پر نافذ کرنا شروع کیا، جہاں تک غیر شرعی رسوم اور منکرات کے انسداد کا تعلق تھا وہاں تک حضرت اخوند پیش پیش رہے کیونکہ یہ تو آپ کا مشن تھا جسے آپ پہلے سے جاری کئے ہوئے تھے لیکن جب عقائد کا معاملہ آیا تو

نہ صرف آپ مذکورہ جماعت سے الگ ہو گئے بلکہ ان کے ایسے عقائد کی بھی کھلم کھلا مخالفت کی جو مسلک اہل سنت کے خلاف تھے[1] اور آپ کے ایماء پر آپ کے خلفاء و افاضل نے ان کے عقائد کے رد میں مستقل کتابیں لکھیں، ان میں مولانا مرید محی الدین نوشہری اور پشاور کے نادر روزگار فاضل مولانا میاں نصیر احمد المعروف بہ میاں صاحب قصہ خوانی قدس سرہا کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فتح خان غازی خان شہید حضرت مولانا اخوند عبد الغفور قدس سرہ کے مخلص مرید تھے لہٰذا ان کی مذکورہ جماعت سے مخالفت ایک فطری امر تھا اس لئے ان پر غداری کا الزام لگانا کسی طرح بھی درست نہیں ہے ؎

ولیکن قلم در کف دشمن است

حالات دن بدن ناگفتہ بہ صورت اختیار کرتے گئے اس لئے آپ نے تبلیغی کو مشغول کا مرکز سوات کو بنا لیا، ادھر انگریزوں نے اپنی شیطانی چالوں سے پشاور پر قبضہ کر لیا، حضرت مولانا اخوند عبد الغفور رحمہ اللہ تعالے کی دور بیں نگاہوں نے محسوس کر لیا کہ اگر سوات میں کوئی تنظیم نہ ہوئی، کسی کو امیر نہ بنایا گیا تو فرنگی یلغار کا مقابلہ کسی طرح بھی نہ ہو سکے گا چنانچہ آپ کی شبانہ روز محنت کا اثر ہوا کہ لوگوں نے حضرت غوث خراساں سید علی ترمذی قدس سرہ کی اولاد میں سے سید اکبر شاہ (م ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء) کو اپنا امیر تسلیم کر لیا، آپ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت اخوند کو شیخ الاسلام تسلیم کر لیا گیا اور تمام مقدمات کے فیصلے شریعت اسلامیہ کے مطابق ہونے لگے۔

سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد ایک بار پھر سوات اور بنیر خانہ جنگی کی زد میں آ گئے، انگریز نے اس اختلاف و انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوات کا رُخ کیا حضرت شیخ الاسلام اخوند نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور مریدین و متعلقین میں شوق شہادت کی روح پھونک دی، مجاہدین سر بکف میدان میں نکل آئے اور نہایت بے جگری سے انگریزی افواج کا مقابلہ کیا۔ معاملہ دست بدست لڑائی تک پہنچا، فرنگیوں کو پسپا ہونا پڑا، یہ معرکہ جہاد امبیلہ کے نام سے مشہور ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو روح تصوف؛ حاشیہ تواریخ حافظ رحمت خانی [illegible] پشاور [illegible] ص ۲۲۲

کچھ دنوں بعد حضرت شیخ الاسلام نے مجاہدین کو ساتھ لے کر کڑاکڑ کے مورچے کی طرف متوجہ ہوئے اور ہولناک جنگ کے بعد اس مورچے کو بھی فتح کر لیا، چونکہ یہاں سخت جنگ لڑی گئی تھی اس لئے اس جگہ کا نام ہی "قتل گڑھ" پڑ گیا، تھوڑے ہی دنوں بعد انگریزوں کی بھاری فوج نے ایک نہایت تجربہ کار انگریز کمانڈر کی کمان میں پھر حملہ کر دیا، ادھر حضرت اخون صاحب نے مجاہدین کی صفوں کو ترتیب دے کر مقابلہ کیا مگر یہ جنگ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی، مجاہدین میں افراتفری پیدا ہوئی اور باجوڑ وغیرہ کے لوگ واپس ہونے لگے۔ حضرت اخون صاحب نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر ولولہ انگیز تقریر کی اور فرمایا "آج زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، اسلام کی عزت اور بے عزتی کا مسئلہ ہے، جوانمردی اور ہمت سے مقابلہ کرو"، آپ کی تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا اور پسپا ہونے والے ایک مرتبہ پھر انگریزی فوج پر لوٹ پڑے مگر انگریزوں کے چند زرخرید خوانین کی غداری کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ ہوئی اور مجاہدین کو منتشر ہونا پڑا۔

حضرت اخون صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سیدو شریف لے گئے اور تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے مریدین لاکھوں کی تعداد میں صوبۂ سرحد، علاقہ آزاد اور کابل وغیرہ علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، آج بھی صوبہ سرحد میں جو دینی جذبہ اور اسلام سے محبت پائی جاتی ہے، آپ ہی کی تبلیغی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد تقریباً ساڑھے چار سو بتائی جاتی ہے، آپ ایسے صاحب کرامات و خوارق بزرگ تھے کہ اپنی تمام زندگی اشاعت دین اور اعلاء کلمۃ الحق میں صرف کر دی۔

آخر یہ مجاہد غازی اور تاریخ ساز مجاہد اور عالم و عارف ۷ محرم الحرام ۱۲۹۴ھ/۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء بروز پیر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا، آپ کا مزار پُرانوار سیدو شریف میں مرجع انام ہے۔[1]

[1] محمد امیر شاہ، مولانا سید : تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (عظیم پبلشنگ ہاؤس خیبر بازار پشاور ۱۹۶۹ء) ج ۱ ص ۹۶

شیخ القرآن علامہ ابوالحقائق محمد عبدالغفور ہزاروی قدس سرہ

حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی ابن مولانا عبدالحمید ابن مولانا محمد عالم ۹ ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء بروز جمعہ ہری پور کے قریبی گاؤں چنبہ پنڈ میں پیدا ہوئے۔ کافیہ تک کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، بقیہ فنون کی زیادہ تر کتابیں استاذ الاساتذہ مولانا احمد دین (کجھوری) کیمبل پور سے پڑھیں، استاذ العلماء مولانا محب النبی، بحر العلوم مولانا یار محمد بندیالوی، استاذ شہیر مولانا قطب الدین غورغشتوی،[1] مولانا میاں عبدالحق غورغشتوی[2] اور علامہ مشتاق احمد کانپوری[3] سے بھی درس لیا، دورۂ حدیث کے لئے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دار العلوم منظر اسلام سے سند فراغت حاصل کی۔

فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ بجار ضلع انگلیکو اور تین سال تک مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں وزیر آباد ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک جامع مسجد میں تشریف لائے اور جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، یہیں آپ نے دورۂ قرآن پڑھانے کی ابتداء کی جسے تاحیات بڑی دھوم دھام سے جاری رکھا، بڑے بڑے فضلاء اس دورۂ قرآن میں شریک ہوتے۔

زمانۂ تعلیم میں آپ حضرت شیخ الاسلام خواجہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور پوری زندگی عرس کی محفل خاص میں خطاب

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ ، ص ۱۱۴

[2] حضرت میاں صاحب نے راقم سے بیان فرمایا۔

[3] عبدالنبی کوکب، قاضی : سیرت سالک ، ص ۲۱

فرماتے رہے۔ آپ نے ہر دینی و ملی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۱۹۴۶ء میں سنی کانفرنس بنارس میں شریک ہوئے اور پاکستان ایسی نظریاتی اسلامی مملکت کے حق میں پُرزور تقریر کی تحریک پاکستان، ختم نبوت اور تحریک جمہوریت میں آپ کی مساعی ناقابل فراموش ہیں، ۱۹۶۸ء میں آپ جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر منتخب ہوئے اور نہایت سرگرمی سے کام کرتے رہے[1]

حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی قدس سرہ گاہے گاہے شعر کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار فرماتے تھے، ان کے کلام میں بلا کا سوز تھا، چشتی تخلص کرتے تھے کھڑی شریف، حضرت پیرے شاہ غازی اور حضرت میاں محمد بخش قدس سرہما کے مزار پر حاضری کے وقت کہے ہوئے بعض اشعار ملاحظہ ہوں ؎

برخ مہر درخشانم تو باشی — بقد سرو خرامانم تو باشی
ز خوف دہر زاں ایمن نشینم — متاع دین و ایمانم تو باشی
شوم آزاد از فکر طبیباں — طبیب درد و درمانم تو باشی
ز ظلمت ہائے مرقد من نہ ترسم
چو با من مہر تابانم تو باشی [2]

علامہ ہزاروی علوم و فنون کے بے نظیر ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ جادو بیان مقرر بھی تھے، تصوف کے پیچیدہ مسائل کو آسان ترین لفظوں میں بیان کر دینا ان کے قادر الکلام ہونے کا بین ثبوت تھا، جہاں مجلس وعظ میں سامعین ان کی خوش بیانی پر جھوم جھوم کر داد دیتے تھے وہاں سیاسی سٹیج پر ایسی تقریر کرتے کہ بڑے بڑے سیاستدان انگشت بدنداں رہ جاتے۔

۹ اکتوبر (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) کو وزیر آباد جی ٹی روڈ پر ٹرک کے حادثے میں جام شہادت نوش کیا، جناب حکیم سرو سہارنپوری نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھا ہے ؎

---

[1] منظور احمد خاں، راجا: حضرت شیخ القرآن (اگست ۱۹۷۱ء) ص ۲۸-۳۰

[2] ماہنامہ [illegible]، شیخ القرآن نمبر (نومبر، دسمبر ۱۹۷۱ء) ص ۱۹

آج بے نور ہوئی محفل علم و حکمت — اٹھ گیا واقف اسرار کتاب و سنت
ذہن میں آیا ہے یہ مصرعۂ "تاریخ وفات" — "اہل سنت کا امام آج ہوا ہے رخصت"
۱۳۹۰

حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے قطعۂ تاریخ وصال کہا ہے ؎

زہے مولوی پیر عبدالغفور — کہ روشن بُد از چہرہ اش صد نور
بمعقول و منقول فخر زماں — فیوضات او منتشر در جہاں
ہزاراں خلائق نمودہ ہجوم — شدہ فارغ از وے درس علوم
بعلم و عمل کامل وقت بود — بتوحید اہل وجود و شہود
ز دنیا رواں سوئے فردوس شد — ورا جملہ افلاک پابوس شد
بتاریخ آں فاضل راست گو — "ز مغفور ناجی" وصالش بجو
۱۳۹۰ھ

شرافت سن عیسوی گو ضرور
بخوانی "کرم پیشہ عبدالغفور"
۱۹۷۰

فاضلِ جلیل حضرت مولانا عبدالغنی صابری قدس سرہٗ

مولانا عبدالغنی ابن مولانا حکیم غلام رسول رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں بمقام دسوہہ (ضلع ہوشیار پور، بھارت) میں پیدا ہوئے، عبدالغنی سعدی (۱۳۱۱ھ) سے خود سنِ ولادت کا استخراج کیا۔ آپ کے اساتذہ کے بارے میں تفصیلات نہ مل سکیں، صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ امرتسر کے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ ابتداءً آپ غیر مقلد تھے جب کہ آپ کے والد ماجد اور برادرِ گرامی دولت علی عارف سنی حنفی تھے لیکن عارف باللہ حضرت شاہ سراج الحق گورداسپوری قدس سرہ کی مجلس میں حاضری کا یہ اثر ہوا کہ آپ صحیح العقیدہ سنی بن گئے اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلعتِ خلافت حاصل کی۔ ان کے علاوہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، حضرت میاں عبدالخالق (رجپا نخیلاں، ہوشیار پور) امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری اور سائیں فتح علی مدفون بیبیاں پاکدامن (لاہور) وغیرہم (قدست اسرارہم) سے بھی مستفیض ہوئے۔

تبلیغِ دین کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے، کئی کئی ماہ بسلسلۂ تبلیغ گھر سے باہر رہتے لیکن کبھی کسی سے معاوضہ طلب نہ کرتے، فرمایا کرتے تھے پنجاب کا کوئی گاؤں، اور پاک و ہند کا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں میں نے تبلیغ نہ کی ہو۔ اعلاءِ کلمۃ الحق آپ کا شیوہ تھا، اہلِ ثروت کے سامنے جھکنا کبھی گوارا نہ کیا، مسلمانوں کی زبوں حالی اور تجارتی و تعلیمی میدان میں ہندوؤں کی اجارہ داری کو بہ نگاہِ تشویش دیکھتے تھے، اسی بنا پر چند متمول مسلمانوں کے تعاون سے آپ نے اسلامیہ ہائی سکول (دسوہہ) قائم کیا جس کی بنیاد امیرِ ملت محدث علی پوری قدس سرہ نے رکھی، اپنی گرہ سے زرِ کثیر صرف کر کے مسلمانوں کو تجارت کا مشورہ دیا، تحریکِ پاکستان شروع ہوئی تو مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور امیرِ ملت حضرت پیر جماعت علی محدث علی پوری قدس سرہ کی معیت میں شہر بشہر نظریۂ پاکستان کے حق میں تقریریں کیں۔

علماء میں سے محبانِ زماں حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، استاذ المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری (قدست اسرارہم) سے گہرے تعلقات تھے، آپ کی خدمت میں دیوبندی اور اہلِ حدیث بھی عقیدت و احترام سے حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا :

"دیوبندی اور اہلِ حدیث بھی مولانا سید محمد دیدار علی شاہ کے علم کا لوہا مانتے تھے، واقعی ان کا علم بہت زیادہ تھا۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ مولانا علی اصغر چشتی (لاہور) کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"بفضلِ خدا اہلِ سنت و جماعت ہوں، بریلوی حضرات سے عقیدت ہے اور میرے پیر و مرشد (شاہ سراج الحق گورداسپوری) حضرت قبلہ مجددِ ملت دورِ حاضر (امام احمد رضا بریلوی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی عقیدت رکھتے تھے بلکہ آپ کا فرمان تھا، اگر احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ہندوستان میں نہ ہوتی تو تمام اہلِ ہند وہابیت کا سبق پڑھتے، اور آپ کا علم تمام علماء سے اعلیٰ تھا۔" (مکتوب یکم اگست ۱۹۵۵ء)

محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری، خطیبِ پاکستان مولانا غلام دین (لاہور) خطیبِ ملت مولانا غلام محمد ترنم اور مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ تعالیٰ عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے، اٹھارہ سال کی عمر میں نمازِ تہجد اور اعتکاف کی ابتداء کی اور باقاعدگی سے ادا کرتے رہے حتیٰ کہ ۱۹۵۵ء میں ٹانگ ٹوٹ جانے سے معذور ہو گئے، عشاء کے بعد جلد ہی سو جاتے اور رات کے بارہ بجے اٹھ کر نوافل ادا کرتے اور نمازِ صبح تک ذکر بالجہر میں مصروف رہتے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر کرتے یا سنتے تو بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور تشریف لا کر بادامی باغ میں مقیم ہو گئے، پہلے بیگم شاہی مسجد میں خطبہ دیتے رہے پھر ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک جامع مسجد شاہ ابو المعالی قدس سرہ میں فی سبیل اللہ خطبہ دیتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے اس سفر میں حضرت قبلہ شیخ الحدیث مولانا سردار احمد لائل پوری قدس سرہ کے ہمسفر تھے۔

۸، ربیع الثانی ۱۱/ اکتوبر (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) بروز اتوار مولانا عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا۔ بادامی باغ ریلوے اسٹیشن کے شمال میں ایک گنبد میں آپ کا مزار ہے جہاں ہر سال ۱۱/ اکتوبر کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ "پیر عبد الغنی" (۱۳۷۹ھ) مادۂ تاریخ ہے آپ کے فرزند ارجمند جناب محمد افضل حق خالد گورنمنٹ کالج بھمبر آزاد کشمیر میں لیکچرار ہیں۔ [1]

[1] یہ تمام حالات آپ کے مرید صادق مولانا علی اصغر چشتی زید مجدہٗ نے مرحمت فرمائے۔

مولانا ابو الشاہ محمد عبد القادر شہید قدس سرہ

مولانا الحاج ابو الشاہ محمد عبد القادر ابن مولانا علامہ حکیم غلام محی الدین ابن حضرت مولانا علامہ مفتی عبد الرحیم (تلمیذ ارشد امام احمد رضا بریلوی) ۲۷ رجب، ۲۷ مارچ (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء) کو مدینۃ الاولیاء احمد آباد شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی اس کے بعد انجمن اسلامیہ ہائی سکول احمد آباد میں داخل ہوئے اور میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۶ء میں گجرات کالج احمد آباد سے ایف اے کا امتحان نمایاں نمبر لے کر پاس کیا انہی دنوں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد چشتی قادری بریلی شریف سے مولوی سلطان الحسن سنبھلی سے مناظرہ کرنے کے لئے احمد آباد تشریف لائے۔ مناظرہ میں کامیابی کے بعد وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع ہوا چونکہ حضرت شیخ الحدیث کا قیام مولانا عبد القادر کے جد امجد کے ہاں تھا اس لئے انہیں حاضری کے اور بھی زیادہ مواقع میسر ہوئے۔ نگاہ حضرت شیخ الحدیث کا اثر یہ ہوا کہ مولانا عبد القادر دنیاوی تعلیم کو خیر باد کہہ کر سرچشمۂ علم و حکمت بریلی شریف چلے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث نے ان کی تعلیم کا معقول انتظام کر دیا۔ رمضان المبارک کی تعطیلات میں اپنے استاذ مولانا عبد الرشید جھنگوی دام ظلہ کے ساتھ جھنگ چلے آئے اور جب مولانا عبد الرشید جھنگوی جامعہ نقشبندیہ علی پور سیداں تشریف لے گئے تو بھی مولانا ان کے ہمراہ تھے دو سال بعد مولانا عبد القادر پھر بریلی تشریف لے گئے اور مولانا علامہ وقار الدین اور حضرت محدث اعظم سے معقول و منقول کی کتابوں کا درس لیا۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت محدث اعظم کے ہمراہ پاکستان چلے آئے اور تحصیل علم کے لئے کچھ عرصہ سرگودھا اور شرقپور رہے جب حضرت محدث اعظم پاکستان نے محلہ سنت پورہ لائل پور میں دورۂ حدیث کا اجراء فرمایا تو مولانا عبد القادر بھی درس حدیث میں شریک ہوئے اور شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء میں سند فراغت حاصل کی حضرت محدث اعظم نے جامعہ رضویہ کی بنیاد رکھی تو آپ کے مخلص احباب کی جماعت میں مولانا عبد القادر بھی تھے۔ شاہی مسجد کی امامت اور جامعہ رضویہ کی نظامت کو اس خوبی سے نبھایا کہ باید و شاید بستی نوری

جامع مسجد کا بنیاد ڈالا گیا تو دوسرے علماء کے ساتھ مولانا عبدالقادر بھی جمعیت میں برابر کے شریک کار رہے۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں جبل پور کے معزز خاندان کے فرد محترم صوفی محمد حسین خاں کی دختر نیک اختر سے آپ کا نکاح ہوا یہ رشتہ خود حضرت محدث اعظم نے کرایا تھا ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں آپ نے بغداد شریف کی حاضری دی اور وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء میں سیلون کے احباب کی فرمائش اور حضرت محدث اعظم کے ارشاد کی بنا پر سیلون تشریف لے گئے اور وہاں کمال خوبی سے تبلیغ کا فریضہ انجام دیا ایک سال بعد حضرت محدث اعظم کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے واپس لائل پور آ گئے مولانا عبدالقادر کے خلوص کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دو سال تک چیچو کی ملیاں ضلع لاہور جمعہ پڑھانے کے لئے جاتے رہے لیکن کبھی اپنی ذات کے لئے کرایہ تک کا مطالبہ نہ کیا مولانا بہترین مدرس، سلجھے ہوئے مقرر اور بلند مرتبہ منتظم تھے، جلد سازی کے فن سے بھی بخوبی آگاہ تھے حضرت محدث اعظم کے دست راست اور معتمد خاص تھے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت محدث اعظم کی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں حضرت محدث اعظم کی وصیت کے مطابق لائل پور میں آپ کی نماز جنازہ مولانا عبدالقادر نے ہی پڑھائی بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مولانا سیلونی اور مولانا معین الدین لائل پور سے کراچی جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ بعض احباب کے اصرار پر ان دونوں حضرات نے لائل پور ہی میں قیام کیا اور عارضی طور پر کارخانہ بازار میں کرائے کے مکان میں جامعہ قادریہ کے نام سے ۳۰ اگست ۱۹۶۲ء کو ایک درس گاہ کا اجراء کیا گیا بعد ازاں مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ لائل پور میں ۸ مرلے زمین لے کر جامعہ قادریہ اور جامع مسجد طیبہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء کو آپ کارخانہ بازار جامعہ قادریہ میں نماز ظہر پڑھانے تشریف لائے۔ آپ نے جامعہ کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شقی القلب نے پیچھے سے آکر چاقو کے پے در پے وار کر کے شدید زخمی کر دیا۔ ڈاکٹروں نے بہت کوشش کی مگر آپ جانبر نہ ہو سکے اور جام شہادت نوش کر گئے، دھوبی گھاٹ میں تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کو جامع مسجد طیبہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا مزار پر گنبد

تعمیر ہو چکا ہے اور آپ کی عظیم الشان دینی یادگار جامعہ قادریہ راہ ترقی پر گامزن ہے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے عطاء المصطفیٰ، ضیاء المصطفیٰ اور رضاء المصطفیٰ چھوڑے ہیں[1]

جناب مولانا غلام قطب الدین احمد نعیمی مدیر سواد اعظم لاہور نے درج ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا ہے[2]

مولانا عبدالقادر اہل سنن کے حامی — قاتل نے آہ! ان پر کی خنجر آزمائی
دیتا ہے خون ناحق اس بات کی گواہی — رمضان میں شہادت سنت ہے مرتضائی

اب "ظلم" دور کر کے تاریخ لکھ اے احمد
(۳۱۹)
انیس سو ہے چونسٹھ اور تیس جنوری کی

۱۷۰۳ − ۳۱۹ = ۱۳۸۴ھ

---

[1] محمد جلال الدین قادری، مولانا : تذکرہ اہل سنت (مطبوعہ جامعہ قادریہ مصطفیٰ آباد، لائل پور)

[2] سواد اعظم لاہور

عارفِ کامل حضرت خواجہ حافظ محمد عبدالکریم نقشبندی قدس سرہ (راولپنڈی)

زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت خواجہ محمد عبدالکریم ابن نذر محمد قدس سرہما ۱۱ اپریل، رجب المرجب (۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء) بروز سہ شنبہ بوقتِ صبح پیدا ہوئے۔ تین ماہ کی عمر میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور ابھی آپ کی عمر دو برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ والد ماجد کا سایۂ شفقت بھی سر سے اٹھ گیا لہٰذا آپ کی پرورش آپ کے چچا میاں پیر بخش اور عابدہ ، لاہوہ پھوپھی نے بحسن و خوبی انجام دی۔ آپ جب پھوپھی صاحبہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو کہتے مجھے بھی مصلّٰی بنا دیجئے تاکہ میں بھی نماز پڑھا کروں، پھوپھی صاحبہ تہجد کے بعد دعا کیا کرتی تھیں کہ اے اللہ اس بچے کو اپنا بندہ بنا اور دین و دنیا میں اس پر برکت نازل فرما! حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کی ٹھنڈک اب بھی اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور یہ سب اسی دعا کا نتیجہ ہے۔

جب آپ کی عمر ۵ برس ہوئی تو آپ کو محلہ کی مسجد کے امام قاضی محمد زمان رحمہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا گیا چنانچہ مختصر عرصہ میں آپ نے قرآن مجید پڑھ لیا، بعد ازاں کتب درسیہ فقہ و حدیث و تفسیر بھی انہی سے پڑھیں جن میں سے مثنوی شریف، احیاء العلوم اور مشکوٰۃ شریف خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں۔ سولہ سال کی عمر میں آپ کو کلام مجید کے حفظ کا شوق پیدا ہوا، ڈھائی سال کے عرصہ میں قرآن پاک یاد کر لیا، قراءت و تجوید مولانا محمد حسین مکی سے پڑھی۔ حضرت حافظ صاحب نہایت دلکش آواز میں قرآن مجید پڑھتے تھے جس مسجد میں آپ نماز تراویح پڑھایا کرتے وہاں لوگ مغرب کے وقت ہی اپنی جگہ مخصوص کر لیتے تھے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر جگہ ہی نہ ملے، غیر مسلم بھی مسجد کے متصل گلی میں بیٹھ کر آپ کے حسنِ قراءت سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔

بیس برس کی عمر میں آپ کے دل میں محبتِ الٰہی کے جذبات موجزن ہوئے، سوچا کہ کسی مردِ خدا کی غلامی اختیار کی جائے تاکہ قربِ الٰہی کی دولت میسر ہو چنانچہ جہاں کسی بزرگ کے متعلق سنتے کشاں کشاں پہنچ جاتے، جب آپ زندگی کی پچیسویں منزل طے کر رہے تھے تو پتہ

چلا کہ حضرت خواجہ فقیر محمد المعروف بہ حضرت باباجی قدس سرہ (چورہ شریف) راولپنڈی تشریف لائے ہیں، پھر کیا تھا سراپا اشتیاق بن کر حاضرِ خدمت ہو گئے۔ پہلی ہی نظر میں سو دل و جان سے فدا ہو گئے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت باباجی قدس سرہ نے بھی نہایت شفقت و محبت سے نوازا اور یوں ایک لافانی تعلق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت حافظ صاحب کا معمول بن گیا کہ ہفتہ عشرہ بعد چورہ شریف پہنچ جاتے، جو بھی اچھی سے اچھی چیز نظر آتی خرید کر لے جاتے اور حضرت شیخ کی نذر کر دیتے اور مرشد کی توجہاتِ عالیہ سے مستفیض ہو کر واپس آ جاتے اور یہ واپسی نئی حاضری کی تمہید بن جاتی۔ آخر مدارجِ سلوک کو طے کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ گئے کہ حضرت باباجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خرقۂ خلافت و اجازت سے نواز دیا۔

آپ دو دفعہ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے، پہلی دفعہ کسی وجہ سے حکومت نے حجاج کے مدینہ طیبہ جانے پر پابندی عائد کر دی، حضرت حافظ صاحب کی طبیعت میں اس بات کا بڑا قلق پیدا ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں حاضری نہ ہو سکی شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں، ایک رات تہجد کے وقت سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو حالتِ مراقبہ میں زیارت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس وقت واپس جانا ہی مناسب ہے، انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں پھر بلائیں گے۔ چنانچہ آپ ۱۹۱۰ء میں دوبارہ حج کے لئے گئے تو دربارِ رسالت کی حاضری سے بھی مشرف ہوئے۔ وہ یہ کیفیت ہو گئی کہ واپسی کو قطعاً دل نہیں چاہتا تھا اور روزانہ دعا کیا کرتے تھے کہ مجھے دیارِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہمیشہ کے لئے قیام نصیب ہو۔

ایک دن عشاء کے بعد ایک نورانی صورت بزرگ تشریف لائے اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ واپس ہند جائیں، آپ کے وجود سے بہت سی مخلوق فیضیاب ہو گی اور آپ کی قبر بھی وہیں ہو گی، ساتھ ہی قبر کی جگہ بھی دکھا دی گئی چنانچہ اسی جگہ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مزار پُر انوار بنا۔

حضرت حافظ صاحب قدس سرہ کثیر الکرامات بزرگ تھے، آپ کی سب سے

بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے ہزاروں افراد کو ذکر و فکر کی لذت سے آشنا کر دیا۔ بے شمار بے نماز آپ کے فیض صحبت سے تہجد گزار بن گئے۔ شیعہ اور مرزائیہ کا مدلل رد فرمایا کرتے تھے۔ متعدد افراد آپ کے دست حق پرست پر عقائد باطلہ سے تائب ہوئے۔ پہلے پہل آپ کاروبار کیا کرتے تھے لیکن بعد ازاں ہمہ وقت خلق خدا کی رہنمائی میں صرف کرنے لگے۔ آپ کی عام گفتگو اور وعظ و تقریر یاد الٰہی، اتباع سنت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت کی تلقین پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔

آپ کی شب و روز کی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ آپ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے تاہم ہدایۃ الانسان الی سبیل العرفان تصوف و اخلاق پر آپ کی نہایت اہم کتاب ہے۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کا اردو میں ترجمہ کروا کر شائع کیا تاکہ علوم و معارف کے اس بحر زخار کا فائدہ عام سے عام تر ہو۔ اس کے علاوہ دعائے حزب البحر (حضرت امام ابوالحسن شاذلی قدس سرہ) کو از سر نو مرتب فرما کر شائع کیا۔ اس ترتیب کے دوران متحدہ پاک و ہند کے اطراف و اکناف بلکہ مصر اور بیروت سے دعائے حزب البحر کے نسخے منگوائے اور انہیں سامنے رکھ کر ایک قابل وثوق نسخہ مرتب فرمایا۔ عیدگاہ راولپنڈی کی موجودہ عمارت بھی آپ کی توجہات کا نتیجہ ہے۔

معاصرین میں سے مندرجہ ذیل حضرات سے آپ کے گہرے تعلقات تھے:۔

۱۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ ، گولڑہ شریف

۲۔ حضرت میاں شیر محمد ، شرقپور شریف

۳۔ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی

۴۔ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ۔ علی پور شریف (رحمہم اللہ تعالٰے)

آپ کے ہاں چار صاحبزادے مولانا عبدالعزیز (م ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء) مولانا عبدالرحیم [illegible] مولانا عبدالحق اور مولانا عبدالرحمٰن پیدا ہوئے جن میں سے آخرالذکر آپ کے [illegible] حضرات کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا جن میں سے فقیہ اعظم حضرت [illegible] مولانا حکیم خادم علی، خواجہ صوفی نواب الدین موہری شریف، مولانا

عبدالرحمٰن (فرزند) اور مولانا قاضی عالم الدین نہایت مشہور ہوئے۔

حضرت مولانا حافظ محمد عبدالکریم قدس سرہ کا وصال ۲۰ صفر، ۲۰ مئی (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) بروز بدھ ہوا۔ آپ کا مزار پر انوار عیدگاہ راولپنڈی میں مرجع خلائق ہے۔ فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں نے قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے

قبلۂ دین و کعبۂ ایماں — ناصرِ دین و مذہبِ نعماں
وارثِ علمِ مصطفوی — قطبِ دہر و غوثِ زماں
چشمۂ فیض و عارفِ کامل — مطلعِ نور و معدنِ عرفاں
یعنی شیخ عبدالکریم — واقفِ علم و حافظِ قرآں
در شبِ بستم ماہِ مئی — گشت از چشمِ ما پنہاں
ہاتف گفتہ سالِ وصلش — پیرِ عظیم زیبِ جناں ۱؎
۱۳ ۵۵

۱؎ آثار کریم ۔ سوانح حیات ، (بتصرف از راقم)

علامۂ زماں مولانا محمد عبد الکریم قلعداری رحمہ اللہ تعالیٰ

فاضل جلیل مولانا محمد عبد الکریم ابن مولانا فضل احمد ابن مولانا حافظ خان محمد رحمہم اللہ تعالیٰ بمقام بستی قلعدار ضلع گجرات میں پیدا ہوئے، آپ قریشی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے اکابر اباً عن جدٍ علم و فضل اور خدمتِ دین میں بلند مقام رکھتے تھے۔ مولانا نے اپنے آباء و اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے دور کے اجلّہ فضلاء سے اکتسابِ فیض کیا جن میں سے مولانا کلیم اللہ جھیانوی، مولانا محمد عبد اللہ ٹونکی (محشی حمد اللہ شرح سلم) مولانا عبد الحکیم کلانوری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، آپ نے السنۂ شرقیہ کے امتحانات امتیازی پوزیشن میں پاس کیے۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت خواجہ پیر سید حیدر شاہ جلالپوری قدس سرہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔

تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں مشن ہائی سکول جلالپور جٹاں میں عربی مدرس مقرر ہوئے، بعد ازاں گورنمنٹ ہائی سکول پنڈدادنخاں (ضلع جہلم) میں رہے اور ۱۹۳۱ء میں پنشن پر آگئے۔ انگریزی دور میں اگرچہ انگریزی سکولوں میں السنۂ شرقیہ کے اساتذہ کو نگاہِ حقارت سے دیکھا جاتا تھا لیکن مولانا جہاں رہے عزت و وقار سے رہے اور تدریسی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ خطابت اور افتاء کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ سرکاری ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے والدِ ماجد کی طرح مسجد میں فی سبیل اللہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تا زیست اس شغل کو جاری رکھا۔

[illegible] فاضل، قادر الکلام شاعر اور صاحبِ تصنیف محقق تھے، آپ کی متعدد تصانیف [illegible] آپ کے علم دوست فرزند پروفیسر قریشی احمد حسین قلعداری (گجرات) [illegible] ہیں:-

۱۔ [illegible] (عربی) ۳۔ تفسیر سورۂ فاتحہ (عربی)

۲۔ دیوان الکریم (فارسی) ۴۔ فتاوی البینات فی مسائل الاموات

۵۔ تاج المومنین

۶۔ خیر الخبر فی مسائل سنت الفجر

۷۔ القول العاضد فی حکم ایقاع الطلقات الثلاث فی مجلس الواحد

۸۔ روح العباد فی ذکر المیلاد

۹۔ [illegible] تاریخ صلح حدیبیہ و فتح مکہ وغیرہ وغیرہ

روح العباد کے علاوہ باقی تصانیف تا ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔

۲۴ صفر ۱۹ ستمبر (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) بروز جمعرات شام کے وقت داعیِ اجل کو لبیک کہی، آپ کے وصال سے قلعداری علماء کی بزم کا ایک عظیم نمائندہ رخصت ہو گیا اور محراب و منبر کی رونق اپنے ساتھ لے گیا۔[1]

مولانا محمد فاضل ساکن جھیانوالی نے قطعۂ تاریخِ وفات لکھا ؎

حیف حضرت مولوی عبد الکریم | کرد رحلت جانب دار النعیم
جستجو کردم کہ ہاتف گفت یار | "فخر ملت زاہدے" سال شمار[2]

۱۳۷۷

---

[1] احمد حسین قریشی قلعداری : یادِ سلف ۲ ص ۲۰۱-۱۱۲

[2] ایضاً ص ۴۶

استاذ الافاضل مولانا شیخ عبداللہ شیخ گجراتی قدس سرہٗ

فاضل متبحر مرجع الفضلاء، بے مثل نادرہ گو، مولانا شیخ عبداللہ ابن مولانا حامد الدین (م ۱۲۶۹ھ/۲-۱۸۵۱ء) سکھوں کے عہد حکومت میں اپنے ننھیال موضع دینہ (ضلع جہلم) میں ۱۲۴۹-۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے چند سال اپنے عابد و زاہد نانا حافظ نور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۲۷۰ھ/۵۴-۱۸۵۳ء) کے زیر سایہ گزارے۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں حافظ نور دین چک عمر کی خدمت میں حاضر کئے گئے اور حافظ صاحب کی توجہ سے جلد ہی قرآن پاک یاد کر لیا۔ بعد ازاں علوم متداولہ کی تحصیل والد ماجد سے کی جو اپنے دور کے نامور اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ مولانا غلام محی الدین (مینکی ڈھوک) استاذ حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ اور اپنے عم محترم مولانا میاں مخدوم عالم سے بھی استفادہ کیا۔

تکمیل علوم کے بعد شیخ نے چک عمر (تحصیل کھاریاں) میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بے شمار علماء آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے۔ چک عمر اگرچہ آپ کے پردادا مولانا حافظ شیخ محمد شکر اللہ خلیفہ حضرت خواجہ فخر الحق والدین چشتی دہلوی کے زمانہ ہی سے منبع فیض چلا آرہا تھا لیکن شیخ عبداللہ کی شبانہ روز مساعی کی بدولت علم و فضل کا گہوارہ بن گیا۔ علامہ اصغر علی روحی قدس سرہ نے ایک دفعہ فرمایا:

"میں نے لاہور کی مساجد اور علماء کی فہرست تیار کی تو نصف سے زیادہ حضرت مولانا شیخ عبداللہ کے شاگرد ثابت ہوئے۔"

آپ کے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ مولانا محمد عبدالمالک، ساکن کھوڑی، مشیر مال ریاست بہاولپور۔

[illegible] حضرت خواجہ محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مجاز حضرت غوث بہاء الحق ملتانی قدس سرہ [illegible] موضع حاصلانوالہ تحصیل پھالیہ میں ہے۔

۲۔ قاضی عطا محمد گجراتی، تحصیلدار پنشنر۔

۳۔ مولانا نیاز احمد ساکن قصبہ بہوڑہ۔

۴۔ مولانا حکیم غلام محی الدین قریشی ساکن دیالی۔

۵۔ مولانا محمد عالم قریشی سرگودھا۔

۶۔ مولانا حافظ نور دین مفتی اہل سنت جلالپور جٹاں۔

۷۔ مولانا نور احمد، بڑگریا نوالہ۔

۸۔ سید بقا شاہ، کیرانوالہ شہانہ۔

۹۔ سید محمد انور شاہ، گولیکی۔

۱۰۔ سید فضل شاہ، چک عبدالخالق میراں۔ (وغیرہم)

مولانا شیخ عبداللہ بے نظیر فاضل اور مناظرہ میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ امیر حبیب اللہ خاں والی کابل اور مہاراجہ پرتاب سنگھ حاکم ریاست جموں و کشمیر آپ کے مداحوں میں سے تھے۔

حضرت پیر سید غلام حیدر شاہ جلالپوری قدس سرہ نے آپ کو حضرت خواجہ پیر شمس العارفین سیالوی قدس سرہ سے بیعت کرایا اور جلد ہی آپ کا شمار خلفاء میں ہونے لگا۔ سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ آپ کو سلسلۂ قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بھی اجازت تھی۔

مولانا شیخ عبداللہ کے دو صاحبزادے مولانا محمد بقا (مولوی فاضل) اور حافظ محمد رضا آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے اس لئے آپ کے باوفا بھتیجے مولانا سلام اللہ شائق آپ کے جانشین ہوئے۔

آج سے قریباً پون صدی پہلے موضع چک جانی متصل ڈنگہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔ مجاور عید قربانی کے موقع پر اس کی زیارت کرایا کرتے تھے، اس کی زیارت کے لئے بے انداز خلق خدا حاضر ہوا کرتی تھی، مجاور اسے اپنے رہائشی مکان پر رکھتے تھے جہاں اس کی بے ادبی کا احتمال ہوتا تھا اس لئے مولانا شیخ

عبداللہ نے اپنی گرہ اور اپنے احباب کے چندہ سے ایک مسجد اور ایک زیارت گاہ تعمیر کرادی جہاں بصد ادب و احترام موئے مبارک رکھوا دیا۔

مولانا شیخ عبداللہ نے عربی و فارسی میں ایک منظوم نصیحت نامہ مرزا غلام احمد قادیانی کے لیے لکھا تھا۔

آپ کی ایک تالیف تاریخ الدیوان (حالات حاجی عبداللہ دیوان قادری قدس سرہ جو لیشندور علاقہ پنڈدادنخان جہلم کے رہنے والے تھے، متوفی ۲۰ شوال ۱۳۰۷ھ) کا قلمی نسخہ مولانا عبدالرشید، کا جیت نگر، شاہدرہ کے پاس موجود ہے جس میں حضرت دیوان رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں، قطعہ تاریخ مولانا شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا ہے ؎

حضرت دیوان جنابِ صاحبِ فقرِ متیں   بر بساطِ قادریہ بودہ اند مسند نشیں
چونکہ بودند اندریں دنیا بخلوت ہا نہاں   در قصورِ جنت الماوی شدہ خلوت گزیں
شیخ در سالِ وصالش مصرعِ پاکیزہ گفت
"حاجی دیوان عبداللہ بجنت، آفریں" [1]
۱۰ ۔ ۴۲

آپ عربی، فارسی اور پنجابی میں طبع آزمائی فرمایا کرتے تھے، آپ کا مجموعہ کلام جس کا تاریخی نام نشانِ شیخ (۱۳۱۱ھ) ہے تا ہنوز طبع نہیں ہو سکا۔ آپ کا فارسی کلام حافظ شیرازی، جانِ جاناں اور ناصر علی سرہندی کی زمینوں اور انہی کے رنگ میں ہے۔

تاریخ گوئی میں آپ کو قدرتِ کاملہ حاصل تھی، برجستہ تاریخ کہنے میں آپ اپنی مثال نہ رکھتے تھے، آپ نے سینکڑوں کی تعداد میں تاریخیں رقم فرمائیں، ۱۹۰۹ء میں پیسہ اخبار نے انعامی مقابلہ کرایا، آپ نے بھی عربی، فارسی اور اردو میں قطعاتِ تاریخ لکھ کر ارسال کئے اور اول نمبر آنے پر آپ کی خدمت میں تین انعام پیش کئے گئے۔

۱؎ عبداللہ شیخ مولانا : تاریخ الدیوان (قلمی)

[illegible] مولانا شیخ عبداللہ ۱۳۳۹-۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں راہی دارالآخرت ہوئے، مولانا محمد سلام اللہ شائق نے تاریخ وفات کہی ؎

چو مولائے ما قبلۂ اہلِ دیں   چراغِ ہدایت بروئے زمیں
چہ اسلے نہ گویم کہ مہرِ جہاں   ز بینش بگاں گشت ناگہ نہاں
ز فقدش سیہ گشت عالم تمام   شدہ خواب در چشمِ شائق حرام
خدا بخشش بجنات بخشندہ مقام   بحق محمد علیہ السلام
بسالِ مسیحی چو داری خیال   بگو "کوچ شیخ المشائخ" بسال [1]
۱۹ ۔ ۔ ۲۱

۱؎ جملہ کوائف ماخوذ از مکتوب جناب حکیم محمد مظفر علی مرحلہ ساکن پیکہ (گجرات) بنام مکرمی محمد امرتسری زید مجدہ۔

فاضل متبحر مولانا حافظ سید عبد اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالے

مولانا حافظ سید عبد اللہ ابن مولانا سید چراغ شاہ ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء میں کشمیری محلہ سیالکوٹ شہر میں پیدا ہوئے، قرآن مجید اور کچھ درسی کتب مولانا علم الدین سیالکوٹی سے پڑھیں منطق فلسفہ اور ریاضی کی منتہی کتب حضرت خواجہ عبد العلیم ملتانی جیسے جید فاضل سے پڑھیں۔ آپ کو کتب علمیہ سے بے حد لگاؤ تھا چنانچہ آپ نے اس دور کی متعدد غیر مطبوعہ کتب کی نقل کی تھی ان مخطوطات سے آپ کے قابل قدر علمی ذوق کا نشان ملتا ہے۔ یہ مخطوطات آپ کے خلف رشید مولانا سید نور محمد قادری مدظلہ کے پاس محفوظ ہیں۔ آپ نے سورۂ آل عمران کی چند آیات کی تفسیر فارسی میں لکھی تھی جو بڑے سائز کے دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

آپ نوجوانی میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں حضرت مولانا قاضی سلطان محمود اعوانی قدس سرہ کے دست اقدس پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہو گئے تھے حضرت قاضی صاحب آپ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے، جب بھی حضرت قاضی صاحب مزارات عالیہ کی زیارت کے لئے سیالکوٹ تشریف لاتے تو آپ کے گھر محلہ کشمیریاں میں ضرور رونق افروز ہوا کرتے تھے حضرت قاضی صاحب نے آپ کو ایک خط میں " مشفقم چراغ دودمان مصطفےٰ " اور حضرت قاضی صاحب کے برادر اصغر قاضی محمد مسعود رحمہ اللہ تعالے نے " اکرم الناس " اور " اشرف العباد " ایسے القاب سے نوازا۔ ۱۹۱۴ء میں جب آپ کے بڑے صاحبزادے سید شاہ ولایت مرحوم ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے تو حضرت قاضی صاحب نے از راہ عنایت مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے نام تعارفی خط لکھ کر دیا تھا جو " مقامات محمود " مرتبہ نواب معشوق یار جنگ ص ۳۴۷ میں مندرج ہے۔

علامہ محمد حسن فیضی، مولانا محمود گنجوی مصنف طریق السالکین (تصور شیخ کے موضوع [illegible]) مولانا کرم الدین آف بھیں اور مولانا قادر بخش ملتانی وغیرہم معاصر علماء کے ساتھ آپ کے [illegible] تعلقات تھے [illegible] ذکر وہ حضرات تو اکثر آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے

اسی روایت کے مطابق ایک دفعہ مولوی نور الدین بھیروی (قادیانی) ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے آپ کے پاس آئے تھے۔

آپ کے پاس دینی کتب کا بہت بڑا ذاتی ذخیرہ موجود تھا جس کا بڑا حصہ دیمک کی نذر ہو چکا ہے البتہ کچھ حصہ اب بھی محفوظ ہے جس میں بعض نادر مخطوطات بھی موجود ہیں مثلاً تتمہ فتاویٰ مجموعہ خانی قلمی مولانا محمد اکرم۔ قول صواب فی رد خضاب (فارسی) مولانا تراب علی لکھنوی، جامع الرموز عربی کامل، شجرۃ النبی تا آدم علیہ السلام (قلمی) مرتبہ مولانا عبد الرحمٰن سیالکوٹی۔

آخر عمر میں تمام تعلقات و مصروفیات ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے یا بزرگان سلسلہ کے مقرر وظیفہ "انت الہادی انت الحق لیس الہادی الا ھو" کا ورد فرمایا کرتے تھے۔

۴ دسمبر ۱۹۳۱/۱۳۵۰ھ کو ۷۴ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور چک ۵۱ شمالی ضلع گجرات میں آپ کا مزار بنا۔ آپ کے خلف رشید مکرمی مولانا سید نور محمد قادری مؤلف نقوش محبت، اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت، صاحب علم و فضل اور علم دوست شخصیت ہیں جو دور افتادہ دیہی ماحول (چک ۵۱ گجرات) میں رہ کر علم کا چراغ روشن کئے ہوئے ہیں[1]

---

[1] یہ تمام کوائف مکرمی سید نور محمد قادری مدظلہ نے فراہم کئے۔

مولانا الفاضل محمد عبد اللہ جھنگوی رحمہ اللہ تعالیٰ

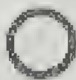
مولانا محمد عبد اللہ بن احمد یار (رحمہما اللہ تعالیٰ) ۱۲ محرم، ۵ ستمبر (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) کو لنگر، چک ۲۳۳، نزد محمدی شریف، ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ محمدی شریف میں قرآن پاک پڑھنے کے بعد ابتدائی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں بھیرہ (ضلع سرگودھا) میں مولانا سعید الرحمٰن ہزاروی سے علمی استفادہ کیا، پھر موضع قنقری (ضلع سرگودھا) میں مولانا خدا بخش سے درسِ نظامی کی آخری کتابیں حمد اللہ، شرح سلم، مسلم الثبوت اور توضیح تلویح وغیرہ پڑھیں پھر کچھ عرصہ محمدی شریف جا کر پڑھتے رہے، درسِ حدیث کے لئے مرکز علم و عرفان بریلی شریف گئے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا ابو الفضل سردار احمد قدس سرہ العزیز سے اکتساب فیض کیا۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی کے مرید تھے۔

تکمیل علوم کے بعد مدرسہ ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف (ضلع سرگودھا) میں مدرس مقرر ہوئے۔ اسی دوران جب استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد بندیالوی دامت افاضاتہم سیال شریف تشریف لائے تو مولانا محمد عبد اللہ جھنگوی تبرکاً ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور میبذی وغیرہ کتب پڑھیں۔

غالباً ۱۹۵۵ء میں حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہ کے بلانے پر مولانا صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول مدظلہ کی تعلیم کے لئے جامعہ رضویہ لائل پور تشریف لے گئے، ان دنوں راقم الحروف کو بھی آپ سے صرف کی بعض کتابیں پڑھنے کا موقع ملا، لیکن چند ماہ بعد ہی حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی بنفسِ نفیس لائل پور تشریف لائے اور مولانا کو اپنے ساتھ سیال شریف لے گئے۔ بعد ازاں ایک سال جامعہ حنفیہ قصور اور دو تین سال شمس العلوم مظفریہ رضویہ، وال بھچراں میں

مدرس رہے۔ اس کے علاوہ آستانہ عالیہ سیال شریف ہی میں قیام رہا[۱] اور زندگی کے آخری دنوں تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔

مولانا محمد عبد اللہ جھنگوی رحمہ اللہ تعالیٰ خوش اخلاق، ملنسار اور پُرخلوص انسان تھے، دن رات طلباء کو پڑھانے اور محنت کرانے میں لگے رہتے۔ ۱۹۷۳ء میں آپ کا نوجوان صاحبزادہ فوت ہو گیا، یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا اور آپ ۲۵ ذوالحجہ، ۱۹ جنوری (۱۳۹۳ھ/۱۹۷۴ء) کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔[۲]



۱؎ غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۳۰۔

۲؎ مکتوب گرامی مولانا صاحبزادہ عزیز احمد مدرس ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف بنام راقم الحروف۔

فاضلِ یگانہ مولانا ابوالبرکات محمد عبدالمالک کھوڑوی قدس سرہٗ

ادبِ عربی کے بے نظیر فاضل مولفِ کتبِ کثیرہ مولانا ابوالبرکات محمد عبدالمالک کھوڑوی المعروف علامہ صادقی بن مولانا محمد حاکم بن گوہر خاں رحمہم اللہ تعالیٰ نے موضع کھوڑی متصل ڈنگہ (ضلع گجرات) میں خاندان گوجر چوہان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد حاکم اپنے دور کے متقدر عالمِ دین تھے اور فقہ، منطق، حساب اور خوش نویسی میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ حضرت مولانا جان محمد قادری لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید اور مجاز تھے۔

مولانا محمد عبدالمالک نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی اور برادرِ مکرم مولانا غلام غوث سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے استاذ الکل مولانا شیخ عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں چک عمر (نزد لالہ موسیٰ) حاضر ہوئے اور نو دس برس تک اکتسابِ علوم کیا۔ تکمیلِ علوم کے بعد محکمہ مال میں مددگار پٹواری کی حیثیت سے ملازم ہوئے اور ترقی کرتے کرتے افسر مال کے عہدہ تک پہنچ گئے۔ آپ کے علم و فضل کا شہرہ نواب صادق محمد خاں خامس (بہاولپور) تک پہنچا تو انہوں نے آپ کو بہاولپور بلا یا اور اپنی ریاست میں مشیرِ مال مقرر کیا اور اس کے علاوہ بہت سی ذمہ داریاں سپرد کیں۔ اس جگہ آپ نے تقریباً ۳۰ سال بکمال حسن و خوبی اپنے فرائض انجام دئے۔

شہر میں ایک قطعہ زمین حاصل کرنے کے لئے مسلمان اور ہندو دونوں کوشاں تھے آپ نے حالات کی نزاکت کے تحت نواب صاحب کی اجازت سے وہاں مسجد بنوا دی اور اس کا نام مسجد المصطفیٰ رکھا اور نواب صاحب سے اس کا افتتاح کرایا۔ نہر صادقیہ کے نقشہ اور کھدوائی کا آپ ہی نے انتظام کیا اس طرح آپ نے بہت بڑے ریگستانی خطے کو سیراب کرنے کا اہتمام کر دیا۔

مولانا محمد عبدالمالک قادر الکلام شاعر اور ادبِ عربی کے فقید المثال عالم تھے۔ ۱۳۱۰ھ میں نواب محمد صادق والیٔ بہاولپور کی مدح میں ایک تاریخی قصیدہ لکھا جس کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ہر ایک مصرعہ سے تاریخ (۱۳۱۰ھ) نکلتی تھی، اگر دو مصرعوں کے حروفِ منقوطہ

یا غیر منقوطہ کو جمع کیا جاتا تو بھی یہی تاریخ نکلتی، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے ؎

مطلعِ جود و صداقت منبعِ سرِ نہاں   ہمدمِ عدل و جلالت، صادقِ صاحبقراں

مقطع یہ ہے ؎

ایں قصیدہ گفت مالک سرِ عالم لاجواب   آفریں صد مرحبا تحسین صد گوید جہاں

علامہ صادقی نے عربی کی زمین میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں ہدیۂ نعت پیش کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اے بزدہ برعرشِ بریں نقشِ قدم را   وز نامِ تو علمِ ازلی لوح و قلم را
اے فخر بذاتِ تو صنادیدِ عرب را   وے ناز بنامِ تو اقالیمِ عجم را
مشاطۂ تقدیر، رُخِ حسنِ تو آراست   تا ہست تماشا بکند حسنِ عدم را
فطرت، السرِ ز الوحے اندیشہ ندیم   تا جلوہ بہ بیند ز حدوث تو قدم را
ہر گہ کہ تصور بادب دستِ تو بوسد   آرام ز ہر گونہ دہد درد و الم را
آں کس کہ گلِ روضۂ خضرائے تو بوید   فارغ کند از مشکِ ختن قوتِ شم را
در بیشہ، بنامِ تو بیاوا جست، اگر کس   بر پائے خود افگند سرِ شیرِ اجم را
اے فخرِ رسل! اجرِ تو بیاں بکہ جویم؟   چوں چرخ نہند بر سرم آفاتِ عجم را
نوراست وجودت کہ بیک جنبشِ مژگاں   طے کرد مقاماتِ فلک را و حرم را

بردرگہِ تو صادقی آورد پناہے
بنواز بہ الطاف، درافتادۂ غم را [1]

۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں نواب صاحب کی معیت میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے، دربارِ رسالت میں منظوم ہدیۂ سلام پیش کیا جس کا ایک ایک لفظ فراوانیٔ شوق اور گہری عقیدت کا پتہ دیتا ہے، ذیل میں دو شعر پیش کئے جاتے ہیں ؎

السلام اے نیرِ تابندۂ برجِ وجود   السلام اے گوہرِ رخشندہ انعام وجود

[1] محمد عبدالمالک، مولانا: حسن الجرود، ص ۲۲۴ تا ۲۲۶ ۔

السلام اے مظہرِ حق مصدرِ اسرارِ غیب — کز تو حق ظاہر شدہ در دیدۂ اہلِ شہود

واپسی پر حضرت مولانا محمد سلام اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ لکھا ؎

شکرِ ذاتِ کبریا خوش آمدید — مرحبا و حبذا خوش آمدید
حج بیت اللہ و ہم بیتِ رسول — شد بہ لطفِ حق ادا خوش آمدید
از حریمِ روضۂ خیر الانام — زائرا ! صلِّ علیٰ خوش آمدید
صد مبارک لک مبارک باد باد — صد سلام و صد دعا خوش آمدید
شکرِ حق ہر دو فضیلت شد ادا — از عطیاتِ خدا خوش آمدید
گفت شائق مصرعِ سالِ قدوم — "حاجیا صد مرحبا خوش آمدید"

۱۳۳۳ھ

یا الٰہی ! ایں سعادت از کرم
بہرِ شائق ہم عطا خوش آمدید

مولانا محمد عبد المالک باعمل اور صاحبِ حال عالمِ دین تھے۔ آپ اپنے اوراد میں قصیدہ بردہ شریف بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے [1] آپ کو اس قصیدۂ مبارکہ کے ساتھ اس قدر شغف تھا کہ پہلے "اطباق الزُّردہ فی شرح القصیدۃ البردہ" کے نام سے ایک شرح لکھی لیکن اس سے تشنگی دور نہ ہوئی تو "حُسن البردہ فی شرح القصیدۃ البردہ" کے نام سے دوبارہ ایک مبسوط شرح لکھی جس سے آپ کے علمی جوہر خوب نمایاں ہوئے۔ شرح کے مقدمہ میں قصیدۂ مبارکہ کی افادیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"میں نے بارہا آزمایا ہے کہ یہ حصولِ حاجات اور دفعِ مصائب کے لئے تیر بہدف ..... ثابت ہوا ہے .... جب ایسا ثابت ہے کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کے حاجات حاصل ہوئے اور ہزاروں مصائب اس کے پڑھنے سے دفع ہوئے ہیں تو ان کو اتفاق پر حمل کرنا جہالت اور گمراہی ہے .... اس کے منکرین وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو

[1] ماہنامہ العزیز، بہاولپور : جون ۱۹۴۱ء : ص ۴۷

اسلام سے واسطہ نہیں ہے یا جو اس کا تجربہ نہیں کرتے" [2]

اس شرح میں آپ نے اردو ترجمہ، حلِ لغات اور بیانِ مطلب کے علاوہ ہر شعر کا ترجمہ فارسی شعر میں کیا ہے۔

آپ کی تیسری اہم تصنیف "الجواہر المضیہ فی شرح القصیدہ الغوثیہ" ہے۔ اس میں قصیدۂ غوثیہ کی مبسوط شرح اور مسائلِ تصوف کی سیر حاصل بحث ہے۔ نیز قصیدۂ مبارکہ پر صرفی اور نحوی طور پر کئے جانے والے اعتراضات کو متقدمین شعراء کے حوالے سے بڑی خوش اسلوبی سے دفع کیا ہے۔ آپ کے معاصر حضرت مولانا محمد اعظم نوشاہی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :۔

"موجودہ زمانہ میں قصیدۂ شریفہ کی ایک شرح جناب مولوی فاضل ابو البرکات عبد المالک صاحب منشیر بالی ریاست بہاولپور نے لکھی ہے جو بیس نظیبت ہے تحقیقِ الفاظ و معانی کی خوب داد دی ہے۔ صرفی نحوی عروضی، قرار تی اعتراضوں کو بدلائل عقلی و نقلی اس خوبی سے اٹھایا ہے کہ اگر تذکرۂ ادب اسلاف مانع نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ مذاقِ زمانہ کے مطابق یہ شرح سب سے اچھی ہے"۔ [3]

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں :۔

۴۔ شرح محمدی (علمِ میراث) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی۔
۵۔ شرح درود کبریت احمر
۶۔ النور ⎫
۷۔ النزل ⎭ یہ دونوں رسالے سیرت پاک پر ہیں۔
۸۔ النکاح ، مسائلِ نکاح و طلاق۔
۹۔ النبوۃ والرسالۃ ، نبوت و رسالت کو عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔
۱۰۔ صادق الارشاد فی شرح بانت سعاد ، قصیدۂ "بانت سعاد" کی شرح۔

[2] محمد عبد المالک، مولانا : حسن البردہ (مطبوعہ الکبیر الیکٹرک پریس لاہور) : ص ۲-۳۰

[3] محمد اعظم نوشاہی، مولانا : التحفۃ ... عبد القادر الحسینۃ الغوثیہ (مطبوعہ کریمی پریس لاہور ۱۳۴۲ھ) ص ۱۴

۱۱- شاہانِ گوجر ، مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ ، قوم گوجر کی مستند تاریخ ہے۔ ملتقطاً

علامہ صادقی مولانا محمد عبدالمالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۲۶ جمادی الثانیہ، ۲۱ جولائی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء بروز سوموار موضع کھوڑی (ضلع گجرات) میں ہوا۔[1]

مولوی غلام احمد اختر مؤرخ سررشتہ تالیفات بہاولپور نے قطعہ تاریخ کہا ہے:

کے نگہ بر روئے عبدالمالک مالک رسید	بست رخت زندگی را سوئے درگاہ صمد
جست اختر از فلک تاریخ ترحیل و بگفت	"مالکِ ملکِ فصاحت حبر با علیش ابد"[2]

مولانا حکیم محمد مظفر علی مظہر ساکن چک عمر (گجرات) نے درج ذیل تاریخِ وفات کہی ہے:

فخر گوجر عبد مالک نیک نام	کرد رحلت جانب دار السلام
بود عالم باعمل از اب و جد	فیض یاب از خاندانش ہر خاص و عام
گفت شان با مظفر دین چنیں	کن رقم تاریخ آں "ذی احترام" ۱۳۶۰ھ

---

[1] حسن الجوہ ، [illegible] ، ص ۳

[2] ماہنامہ العزیز، بہاولپور : ستمبر ۱۹۴۱ء ، ص ۳۴ (وفات اور تاریخ وصال ۲۶ جمادی الثانیہ ۲۱ جولائی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء بروز سوموار ہے)

[3] ایضاً : ص ۳۵

[4] یہ حالات جناب حکیم محمد مظفر علی [illegible] کے مکتوب بنام زبدۃ الحکماء الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ سے لئے گئے ہیں، اور دوسری جگہ سے ماخوذ ہیں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

فاضلِ جلیل حضرت مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی قدس سرہ

مولانا عبدالواحد عثمانی ابن مولانا حکیم ابوالمنظفر عبدالماجد بدایونی (برادرِ کبیر مولانا عبدالحامد بدایونی رحمہم اللہ تعالیٰ) بدایوں میں پیدا ہوئے۔ علمی ماحول اور ناز و نعم میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، مدرسہ قادریہ بدایوں اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں اجلّہ اساتذہ حضرت مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی اور مولانا حبیب الرحمن قادری سے استفادہ کیا، پھر مولانا مفتی قدیر بخش بدایونی کے پاس مدرسہ تعلیم الاسلام، جھے پور میں حاضر ہو کر دو تین سال میں تکمیل کی، مولانا مفتی قدیر بخش نے ان کے لئے بہت آرام دہ انتظام کیا تھا۔ مولانا عبدالواحد بدایونی اپنے استاذِ مکرم کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا کرتے تھے۔ مولانا عبدالماجد بدایونی انہیں جامعہ ازہر مصر بھیجنا چاہتے تھے لیکن ان کی وفات سے یہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا، البتہ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں عاشقِ رسول حضرت مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی ابن تاج الفحول حضرت مولانا شاہ محب رسول عبدالقادر بدایونی قدس سرہما سے بیعت تھے اور مرشد گرامی سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں ماہنامہ "المنظور" بدایوں نکالا۔ مولانا مظہر الدین شیرکوٹی (م ۱۹۳۹ء) مالک و مدیر سہ روزہ الامان (دہلی) نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور الامان کی ادارت ان کے سپرد کر دی۔ ان دنوں تحریک پاکستان بڑے زور و شور سے جاری تھی، مولانا عبدالواحد نے الامان اور دیگر جرائد و اخبارات میں مضامین لکھ لکھ کر شد و مد سے نظریۂ پاکستان کی حمایت کی۔ قیام پاکستان تک دہلی میں رہے پھر وہاں سے بدایوں اور پھر کراچی آ گئے۔ اہل و عیال میں خاموشی اور گمنامی سے وقت بسر کیا، کچھ دنوں محکمہ آبادکاری میں ملازم رہے، کئی اسکولوں اور مدرسوں سے متعلق رہے، پنجاب یونیورسٹی کے السنہ شرقیہ کے ممتحن بھی رہے۔

حضرت مولانا عبدالواحد بدایونی ادبِ عربی کے زبردست فاضل اور میدانِ خطابت کے شعلہ بیان مقرر تھے، موزون طبیعت کے مالک تھے، کبھی کبھی نعت و سلام لکھا کرتے تھے۔ الامان دہلی

کی ادارت کے زمانے میں ایک کتاب "اسلامی مساوات" لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی، کراچی میں آپ کے والد ماجد کے مریدین اور معتقدین کی خاصی تعداد تھی لیکن آپ نے کبھی ان سے رابطہ نہیں بڑھایا۔ قدرت نے ان کے مزاج میں کمال استغنا ودیعت فرمایا تھا۔

۵ر ذیقعدہ، ۹ر نومبر ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء کو کراچی میں مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا [1]

پروفیسر محمد ایوب قادری، مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"۹ر نومبر ۷۵ء کو مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی کا انتقال ہو گیا، یہ مولانا عبدالماجد بدایونی کے فرزند تھے .... بڑے باپ کے بڑے بیٹے تھے، ملوکیت کو ادر میں رہے، خاندانِ سجادگی اور علم وفضل کو حصولِ تعارف اور اعزاز کا ذریعہ نہیں بنایا، گم نامی میں زندگی گزار دی، تقسیم سے پہلے الامان و وحدت کے ادارہ سے وابستہ تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ اور اپنے اسلاف کے صحیح جانشین تھے، مولانا فضل رسول بدایونی کے خاندان میں اب کوئی شخص عربی جاننے والا نہیں رہا، یہ آخری رکن تھے، دو سو سال سے جس خاندان میں قال اللہ وقال الرسول کا چرچا تھا اب بالکل معدوم ہو گیا۔" [2]

بدایوں میں اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی قدس سرہٗ کے دو صاحبزادے مولانا عبدالہادی (بڑے صاحبزادے) اور مولانا سالم میاں سجادہ نشین تشریف فرما ہیں جو حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ کے علمی اور روحانی جانشین ہیں۔

---

[1] مکتوب پروفیسر محمد ایوب قادری بنام راقم الحروف، محررہ ۱۷ر فروری ۱۹۷۶ء

[2] ″ ″ ″ بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ محررہ ۱۳ر نومبر ۱۹۷۵ء

حضرت مولانا مفتی عطا محمد رتوی قدس سرہ

عالمِ یگانہ، عارفِ کامل حضرت مولانا مفتی عطا محمد رتوی ابن حضرت مولانا مفتی امام الدین قدس سرہما ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں بمقام رتہ شریف تحصیل چکوال (جہلم) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جنید عالم دین صاحبِ حال بزرگ اور حضرت مولانا خواجہ غلام نبی قدس سرہ (للہ شریف) کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا مفتی عطا محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد والد ماجد سے سکندر نامہ تک فارسی کی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں کچھ دن موضع یوسف شاہ (سرگودھا) اور کچھ دن میرا شریف سے چیر گھوٹہ ضلع ملتان میں صرف ونحو کے امام مولانا حافظ جمال اللہ خلیفہ مجاز حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین سال کے عرصے میں متن متین اور قطبی تک کتابیں پڑھ لیں، ازاں بعد استاذ محترم کی اجازت سے دہلی گئے اور کوچہ بلی ماراں میں قیام کیا لیکن یہاں اطمینان حاصل نہ ہوا اس لئے شہرۂ آفاق فاضل مولانا فضل حق رامپوری قدس سرہ کی خدمت میں رامپور حاضر ہوئے اور مدرسہ عالیہ میں داخل ہو کر سات سال تک درسیات کی کتب متداولہ کی تکمیل کی۔ مولانا فضل حق رامپوری نے اسی مدرسہ میں بحیثیت مدرس کام کرنے کی پیشکش کی لیکن مفتی صاحب نے عرض کیا کہ اس سلسلے میں والد ماجد سے اجازت لینا ضروری ہے، عریضہ ارسال کیا تو والد ماجد نے اجازت نہ دی اور تاکیداً واپسی کا حکم دیا چنانچہ آپ کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔

مفتی صاحب کو والد ماجد نے بچپن ہی میں حضرت خواجہ دوست محمد للّٰہی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء، خلیفہ رشید حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی قدس سرہ) کے دستِ مبارک پر بیعت کرا دیا تھا، رامپور سے واپسی پر پہلے للہ شریف حاضر ہوئے، سٹیشن پر اترے تو حضرت خواجہ محبوب الرسول قدس سرہ (م ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء) بنفسِ نفیس استقبال کے لئے تشریف فرما تھے۔ گھر پہنچنے پر والد ماجد نے تدریس کا کام آپ کے سپرد کر دیا اور موضع رتہ (تحصیل چکوال) ایسا دور افتادہ دیہات آپ کے دم قدم سے گہوارۂ علمی بن گیا۔ اٹھارہ بیس سال تک اس طریقہ کو باقاعدگی

سے ادا کرتے رہے اور ساتھ ساتھ والد ماجد سے روحانی استفادہ کرتے رہے کیونکہ آپ کی واپسی سے پہلے ہی آپ کے مرشد حضرت خواجہ دوست محمد قدس سرہ کا وصال ہو چکا تھا۔ بعد ازاں تعلیمی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر عبادت و ریاضت اور خلقِ خدا کی اصلاح و ہدایت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

مفتی صاحب اپنے دور کے بہترین مقرر اور خطیب تھے۔ جب آپ درد بھری آواز سے مثنوی شریف کے اشعار پڑھتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ پوری فضا جھوم رہی ہے لنگر شریف میں معراج شریف کی تقریبات میں آپ کے والد ماجد نے تقریباً بیس سال تک اور مفتی صاحب نے چالیس سال تک شرکت کی اور حاضرین کو اپنے وجد آور بیانات سے مستفید کیا۔ آپ کے علمی نکات اور حقائق و حکم سے معمور بیانات نصف شب سے شروع ہو کر صبح تک جاری رہتے، سامعین کو محویت کے عالم میں رات کے گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا۔

مفتی صاحب کے مریدین، تلامذہ اور فیضیافتہ افراد کی بہت زیادہ تعداد ہے۔ لنگر شریف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ الحاج محمد مطلوب الرسول مدظلہ العالی سات سال تک آپ سے روحانی استفاضہ کرتے رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد عبد القدوس ہاشمی مذہبی رہنما گورنمنٹ کالج سرگودھا، فاضل مرکزی حزب الاحناف لاہور (۱۹۵۴ء) آپ کے جانشین ہوئے۔ مولانا ہاشمی مدظلہ العالی جید عالم دین اور خوش بیان خطیب ہیں۔ بری رسموں کو مٹانے اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔

۱۰ رجب، ۱۰ فروری ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء کو حضرت مفتی عطا محمد قدس سرہ کا وصال ہوا۔ موضع بتر تحصیل چکوال میں والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ہر سال ۱۰ رجب کو مولانا مفتی عبد القدوس ہاشمی مدظلہ کے زیرِ اہتمام آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔[۱]

---

[۱] عبد اللہ نقشبندی قادری، قاری، چکوال : قلمی یادداشت

شیخ العصر حضرت میاں علی محمد خاں قدس سرہٗ (بسی شریف)

مجمعِ علم و عرفان حضرت الحاج میاں علی محمد خاں ابن حضرت محمد عمر خاں قدس سرہما ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں بسی عمر خاں متصل ہریانہ ضلع ہوشیار پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مشہور تاریخ گو بزرگ پیر غلام دستگیر نامی نے غالباً ۱۳۷۶ھ میں آپ کی ولادتِ مبارکہ کا قطعۂ تاریخ لکھا تھا جس کا تاریخی شعر یہ ہے ؎

رقم کن "ظہورِ علی زیبِ ہند"
پئے سالِ تولیدِ آں خوش سیر

آپ کے والد ماجد حضرت محمد عمر خاں رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ علم و فضل، فقیر منش زمیندار تھے۔ "یا وجیر" اور "تہذیب دھرم" (رد ہنود) وغیرہ تصانیف یادگار ہیں۔ آپ کے نانا حضرت خواجہ میاں محمد خاں المعروف میاں محمد شاہ چشتی نظامی فخری قدس سرہ اپنے دور کے ولی کامل تھے۔ ان کا مزار بسی نو متصل ہوشیار پور میں مرجعِ خلائق ہے۔

حضرت میاں علی محمد خاں نے اپنے نانا کی نگرانی میں افاضل اساتذہ سے درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ علم طب اور فنونِ سپہ گری پر بھی خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا دین محمد (مدفون بسی نو)، مولانا حکیم محمد عبد اللہ جگراؤنی اور مولانا مرید احمد خاں اپنے دور میں علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب ہو گئے ہیں۔ مروجہ علوم سے فارغ ہو کر اپنے نانا اور مرشدِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سلوک و معرفت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرتے رہتے۔

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں حضرت خواجہ میاں محمد خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال پر حضرت خواجہ میاں علی محمد خاں قدس سرہ مسندِ شیخ پر فائز ہو گئے اور سجادگی کا حق ادا کر دیا۔ حضرت ملک الشعراء گرامی مرحوم نے ایک قطعہ لکھا ؎

محرم نکتۂ خفی و جلی   جانشینِ محمد است علی

آفتاب، آفتاب است دلیل   در خور مستند ولی است ولی

حضرت گرامی، میاں صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھے، انہوں نے کئی رباعیوں میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ حضرت میاں صاحب موجودہ دور میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے سب سے معمر بزرگ تھے۔ علم و فضل، جود و سخا، زہد و تقوےٰ، اتباعِ شریعت اور استقامت میں نادرِ روزگار تھے۔ خاموشی سے گرانقدر دینی خدمات انجام دیتے اور کسی کو خبر تک نہ ہونے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ حسنِ ظاہری عطا فرمایا تھا جو ان کے باطنی حسن و جمال کا آئینہ دار تھا۔ حبیب الرحمٰن شامی لکھتے ہیں :-

"چاند سی صورت کا محاورہ پڑھا بھی تھا اور دیکھا بھی ——— لیکن سچ پوچھئے تو جس طرح میاں صاحب اس پر پورے اترتے تھے، بہت کم لوگ اترتے ہوں گے۔ صورت، لباس، صفائی اور پاکیزگی میں ایک سے بڑھ کر ایک ——— ایک بار ان کی طرف دیکھیں تو دوسری بار دیکھنے کے لئے دل مچل مچل جائے۔ اگر یہ درست ہے کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے، تو پھر میاں صاحب ایسے صاحبِ دل تھے کہ جو اس دور میں انگلیوں پر گنے جا سکیں۔" [1]

حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ بزمِ رشد و ہدایت کی شمعِ نورانی تھے، ملکی سیاست سے کبھی تعلق نہ رکھا البتہ تحریکِ پاکستان کے ایام میں مکمل طور پر تحریک کے حامی و معاون رہے۔ ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف، پاکپتن شریف عرس کے موقع پر مشائخِ کرام سے ملے اور تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں مشورے کرتے رہے۔ حضرت میاں صاحب سے بھی ملے اور ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت تک گفتگو ہوتی رہی، بعد ازاں ان کا ایک نمائندہ بسی تو پہنچا اور علیحدگی میں کچھ گفتگو کر کے فوراً واپس چلا گیا، انتخاب بالکل قریب آگئے تو عقیدت مندوں اور تحریک کے قائدین نے اصرار کیا کہ آپ ایک بیان کے ذریعے

[1] حبیب الرحمٰن شامی : ہفت روزہ افکار، لاہور ۲ تا ۸ مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۴

اپنے نیازمندوں کو حکم دیں کہ ووٹ مسلم لیگ کو دیں، چنانچہ آپ کا بیان نوائے وقت میں شائع ہوا۔ تحصیل امرتسر سے چوہدری نصر اللہ اور ہوشیار پور سے رانا نصر اللہ خاں محض آپ کی حمایت کی بنا پر منتخب ہوئے تھے۔ لدھیانہ میں یونینسٹ پارٹی کا نمائندہ آپ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے ہزار کوشش کی کہ حضرت میاں صاحب اس کی حمایت فرمائیں لیکن آپ کسی طور پر رضامند نہ ہوئے اور مسلم لیگ کا نمائندہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت میاں صاحب لاہور تشریف لے گئے اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ کے زیرِ سایہ اپنی قیام گاہ میں ڈیڑھ دو ماہ قیام کیا۔ ایک موقع پر فرمایا ہمیں حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہی اپنے پاس بلا لیں گے۔" پھر حضرت فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایسے حاضر ہوئے کہ آپ کا مزار بھی انہی کے مبارک قدموں میں بنا۔

حضرت میاں صاحب اوراد و وظائف کی بے مثال پابندی کے ساتھ ساتھ کتبِ تصوف کے پڑھنے پڑھانے میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی تصنیفِ لطیف فصوص الحکم سے تو آپ کو عشق تھا۔ مولانا فیض احمد (مہولہ شریف) نے فصوص الحکم آپ سے سبقاً پڑھی تھی۔

جناب حبیب الرحمٰن شامی نے حضرت میاں صاحب کے چہلم پر مختصر مگر جامع تاثر لکھا تھا، ذیل میں اس کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے :

" میاں صاحب کی زندگی تو بندگی سے عبارت تھی، ان کے ہاں عجز ہی عجز تھا، غرور اور گھمنڈ کو ان کے دربار میں حاضری کی اجازت ہی نہ ملی تھی۔

کوئی ایک مہینہ پہلے میاں صاحب ۹۴ سال ایک ماہ کی عمر میں اسی شہر لاہور میں اپنے رب سے جا ملے اور پاکپتن میں درگاہ بابا فرید میں اپنی وصیت کے مطابق دفن ہوئے۔ دل کا عارضہ تھا اور مرگ کا بستر، ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا مشورہ دے رکھا تھا، بستر سے اٹھنا اور چلنا پھرنا تو بہر قاتل ٹھہرا تھا لیکن نماز کا وقت آیا تو اٹھتے

لگے تاکہ وضو کر کے نماز پڑھ سکیں ، ڈاکٹر نے منع کیا تو بولے " ڈاکٹر صاحب یہ زندگی اسی لئے تو درکار ہے کہ فرائض ادا کر سکیں اگر فرائض ہی ادا نہ ہوں تو ایسی زندگی کس کام کی ؟ " اس پر ڈاکٹر صاحب پیچھے ہٹ گئے اور میاں صاحب نے اٹھ کر نماز ادا کی ، تکلیف بڑھتی تو رات دو بجے پیتھیڈین کے ۲ انجکشن لگائے گئے ، جونہی چار بجے اٹھ بیٹھے تاکہ تہجد ادا کر سکیں ، اٹھتے ہوئے مسکرائے اور فرمایا :

" یہ دو سوئیاں میری ۴۲ سال کی عادت نہیں بدل سکتیں "

اپنے رب سے اس اہتمام سے ملاقات کی کہ دل کی دھڑکن بند اور نبض بھی بند ، ڈاکٹر طبعی طور پر موت کا اعلان کر چکے ہیں لیکن میاں صاحب اس دنیا میں موجود ہیں ، دل کے دھڑکنے کی آواز نہیں آرہی ، نبض کی ٹک ٹک نہیں چل رہی لیکن وہ ہیں کہ زندہ سلامت ہیں ، دو گھنٹے تک اسی کیفیت میں رہنے کے بعد وہ عالم مکمل طور پر طاری ہوا جسے عالم مرگ کہتے ہیں .

عملی طور پر سیاست سے ہمیشہ دور رہے ، نہ کسی گروہی مناقشے میں حصہ لیا ، نہ سرکار دربار میں جانا مناسب سمجھا جس کو آنا ہوتا ان کے پاس چل کر آتا جنہیں دنیا بڑا مانتی ہے میاں صاحب کے پاس چھوٹے بن کر سر جھکا کر آتے ، کمیونسٹ سرگرم ہوئے ، امن چین درہم برہم ہوا اور پاکستان کے نظریاتی تشخص کو خطرہ لاحق ہوگیا تو میاں صاحب نے کمیونسٹوں کے خلاف جدوجہد پر زور دیتے ہوئے باقاعدہ ایک اعلان پر دستخط کئے ، عقیدتمندوں اور مریدوں کو کمیونزم کے خلاف جہاد کی ہدایت جاری ہوئی اور یہی ہدایت ان کا پیغام مسلسل ہے :

" بہاں بھی ہو جس جگہ پر بھی ہو وطن عزیز کے نظریاتی کردار کی حفاظت کرو ، اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دو " [1]

---

[1] مجیب الرحمٰن شامی : ہفت روزہ [illegible] لاہور ، [illegible] مارچ ۱۹۷۵ء ، ص [illegible]

تمام معاصر علماء و مشائخ آپ کو محبت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ ایک مرتبہ آپ امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سے ملاقات کرنے کے لئے حزب الاحناف لاہور تشریف لائے ، اس وقت امام المحدثین یہ حدیث بیان کر رہے تھے :

" النظر الی علی عبادۃ " (الصواعق المحرقہ ص ۱۲۳)

اور اس کا ترجمہ یہ فرما رہے تھے :

" علی مرتضیٰ کی زیارت عبادت ہے "

حضرت میاں صاحب نے بے ساختہ فرمایا ، حضرت یوں کیوں نہیں کہتے :

" دیدار علی عبادت ہے " [1]

۱۹۷۱ء میں یوم رضا کے موقع پر آپ نے مختصر پیغام میں فرمایا :

" حضرت علامہ مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات محتاج بیان نہیں ہیں ۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

الداعی

علی محمد بقلم خود " [2]

حضرت میاں صاحب قدس سرہ سے ذکر و فکر اور رشد و ہدایت کی بے اندازہ مصروفیات کے باوجود تین رسالے یادگار ہیں :-

۱. زاد فردا
۲. تفسیر سورۂ نون المعروف بہ میلاد نامہ
۳. مکتوب در مسئلۂ وحدۃ الوجود

۱۵ محرم الحرام ، ۲۸ جنوری (۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء) بروز منگل آفتاب شریعت و طریقت

---

[1] سلطان احمد شاہ ، مولانا ابوالنصر : [illegible] ، ذات ستودہ صفات حضرت میاں علی محمد قدس سرہ ، ص [illegible]

[2] [illegible] قادری : پیغامات یوم رضا ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا ، لاہور ، ۱۹۷۳ء ، ص ۱۲

وحید العصر و فرید الدہر حضرت میاں علی محمد خاں چشتی نظامی فخری قدس سرہ کا لاہور میں وصال ہوا۔ دوسرے دن تین بجے بعد نمازِ ظہر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ العزیز کی خانقاہ شریف میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں علماء و مشائخ کی کثیر تعداد کے علاوہ ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ ان کی آخری آرامگاہ حضرت خواجہ گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ شریف میں بنائی گئی۔

استاذ العلماء مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابوالبرکات دام ظلہ العالی نے تعزیت نامہ میں فرمایا:۔

"حضرت میاں علی محمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ، سلفِ صالحین کی یادگار، تقویٰ، پرہیزگاری کی جیتی جاگتی تصویر تھے، حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ جید عالمِ دین، واقفِ رموزِ معرفت و اسرارِ تصوف اور عالمِ باعمل تھے۔ آہ! اب وہ پیکرِ حسن سیرت و صورت ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔" [1]

آپ کے وصال پر اہلِ سنت کے معروف و مشہور دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال میں فقیہِ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہم العالی نے متواتر چالیس دن تک بیسیوں علماء و حفاظ سے آپ کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرائی۔

مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے مادہ ہائے تاریخ استخراج کئے:

فخرِ ملک، فردِ عالم
۱۳۹۵ھ

سلطانِ کشورِ طریقت
۱۳۹۵ھ

---

[1] [illegible] مولانا ابوالنصر　اسلامی جمہوریہ، ساہیوال　اشاعت خاص　ص ۴

نوٹ: پیغامات یوم رضا اور اذکار کے حوالوں کے علاوہ تمام حالات مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے مضمون سے ماخوذ ہیں (ہفت روزہ الہام، بہاولپور، مشائخ نمبر، ۲۱ فروری ۱۹۷۵ء)

عالمِ باعمل حضرت مولانا علی محمد جماعتی فیروزپوری قدس سرہٗ

حضرت مولانا علی محمد بن مولوی احمد الدین، موضع فتو والا ضلع فیروزپور (بھارت) میں تقریباً ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آباء و اجداد نہایت نیک سیرت تھے۔ آپ نے قرآن کریم اپنے والد ماجد سے پڑھا اور جب حضرت مولانا محمد حسین ساکن بانگہ شریف ضلع سرگودھا (تلمیذِ رشید امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہ) بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے فیروزپور چھاؤنی میں تشریف لائے تو درسِ نظامی کی تحصیل کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ معمول یہ تھا کہ مغرب کی نماز چھاؤنی میں ادا کرتے اور رات کے بارہ بجے اسباق سے فارغ ہو کر واپس آتے نیز روزانہ گائے کا دودھ استاد کی خدمت میں پیش کرتے۔ مولانا محمد حسین آپ پر نہایت مہربان تھے۔ مولانا علی محمد کو بھی ان سے حد درجہ عقیدت تھی۔ وہ نہ صرف ایک بلند پایہ فاضل تھے بلکہ ولی کامل بھی تھے۔ دورانِ تدریس ہاتھ ہلا ہلا کر فرمایا کرتے کہ "مولوی علی محمد! ہوش کرو، فتنے آتے ہیں، فتنے آئے" مولانا فرمایا کرتے کہ ہم نے اس ارشاد کی تصدیق ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اسی زمانہ میں مبلغِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کے ہاں قیام پذیر رہے اور مولانا محمد حسین قدس سرہ سے اسباق پڑھ کر واپس آجاتے اور آپ سے بھی استفادہ کرتے۔

مولانا علی محمد قدس سرہ فتو والا سے فرائضِ امامت و خطابت کے لئے فیروز شیڈ میں آگئے اور سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ نصف بخاری شریف پڑھی تھی کہ استادِ مکرم کا وصال ہو گیا چنانچہ آپ ہمہ تن خدمتِ دین میں مصروف ہو گئے۔ علمِ دین کا شغف دیکھئے کہ آپ علومِ دینیہ کی تحصیل میں تقریباً تیس سال تک منہمک رہے۔ فیروزپور شیڈ میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۷ء تک معروف شیخِ طریقت حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ قدس سرہ العزیز (کرمانوالہ) آپ کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا فرماتے رہے، شاہ صاحب آپ کو ولی کامل سمجھتے تھے

اور اس کا اظہار اپنے مریدین میں بھی کیا کرتے تھے۔

آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ کے دستِ اقدس پر بیعت تھے، پیر و مرشد کی آپ پر نظرِ عنایت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ حاضرِ خدمت ہوتے تو وہ آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔

تقسیمِ ملک کے بعد آپ لائل پور شہر میں آ گئے اور یہاں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ حضرت محدثِ اعظم لائلپوری قدس سرہ نے جب دارالعلوم کی بنیاد رکھی تو آپ نے اپنی ذاتی کتب کا معتدبہ حصہ دارالعلوم کی نذر کر دیا اور دارالعلوم کی ترقی میں پوری دلچسپی لیتے رہے۔

لائل پور سے آپ کوٹ ال گڑھ قصور تشریف لے آئے اور یہاں مسجد چھینی گلی میں فرائضِ امامت انجام دینا شروع کر دیا نیز کوٹ حلیم خاں کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ مسجد چھینی گلی میں بھی آپ نے سلسلۂ تدریس جاری رکھا اور مسلسل کئی سال تک فارسی، صرف و نحو اور تفسیر کا درس دیتے رہے۔ کتبِ بینی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

آپ نے کئی مرتبہ بخاری شریف پڑھی اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آج تک جس مقصد کے لئے اسے پڑھا ہے، بحمدہ تعالیٰ ہمیشہ کامیاب رہا ہوں۔ دینی معاملات میں آپ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی رعایت نہ کرتے اور ڈنکے کی چوٹ صحیح مسئلہ بیان کرتے، فرقۂ وہابیہ کے تو آپ جانی دشمن تھے اور مسائلِ متنازعہ کے حل کے لئے دلائل کے انبار لگا دیا کرتے تھے۔

قصور میں آپ سے جن تلامذہ نے استفادہ کیا ان میں صوفی سردار احمد (امام و خطیب کوٹ حلیم خاں)، مولوی برکت اللہ (ملتان)، شاہ محمد چشتی خوشنویس اور حافظ عبدالحق قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے ہاں تین صاحبزادے ہوئے جو صغر سنی ہی میں انتقال کر گئے۔

۲۶ ربیع الثانی / ۹ جولائی (۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء) بروز بدھ صبح ۸½ بجے آپ کا وصال ہوا اور کوٹ ال گڑھ کے بڑے قبرستان کی جنازگاہ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔

آپ کے نواسے حافظ عبدالحق زید مجدہ اور عبدالخالق آپکا سالانہ عرس باقاعدگی سے کراتے ہیں۔

فاضلِ متبحر مولانا محمد عمر الدین ہزاروی قدس سرہ العزیز

خیرِ اہلِ سنت مولانا عمر الدین ابن مولانا قمر الدین بن علاء الدین بن مراد بخش بن گل محمد کوٹ نجیب اللہ، امری پور ہزارہ سے چار میل دور ایک قصبہ میں پیدا ہوئے[1] آپ ضلع ہزارہ کے مشہور زمانہ فاضل مولانا فیض عالم مصنف "ذخیرۃ الصراط" کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کے آباء و اجداد گجرات کاٹھیاواڑ (بھارت) سے ہزارہ آئے تھے۔ آپ نے ضلع ہزارہ اور بھارت کے مشاہیر سے کسبِ فیض کیا اور علم و فضل، تحریر و مناظرہ میں کمال حاصل کیا۔ حضرت مولانا تاج الفحول محبِ رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کے مرید خاص اور خلیفہ تھے[2] اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے آپ کے نہایت گہرے تعلقات تھے چنانچہ مولانا کی تصنیف "اہلاک الوہابیین" پر امام اہلِ سنت نے مبسوط تقریظ تحریر فرمائی تھی۔

مولانا ہزاروی عالی مرتبت مدرس اور مرجعِ انام مفتی تھے۔ آپ کے مقالات اہلِ سنت کے موقر جریدہ "تحفۂ حنفیہ" پٹنہ میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ماہنامہ تحفۂ حنفیہ مولانا ابو المساکین ضیاء الدین متوطن پیلی بھیت کی ادارت میں جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ کو محلہ لودی کٹرہ پٹنہ میں جاری ہوا اور عرصۂ دراز تک مسلکِ اہلِ سنت کی ترجمانی پوری بے باکی سے کرتا رہا۔ اس جریدہ میں امام احمد رضا بریلوی، مولانا سلامت اللہ رامپوری، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا عمر الدین ہزاروی وغیرہم اجلہ علماء کے گرانقدر مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔

مولانا محمد عمر الدین ہزاروی کثیر التصانیف عالم تھے، لیکن ان کی اکثر و بیشتر تالیفات تک رسائی نہیں ہو سکی، چند رسائل راقم کی نظر سے گزرے ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

---

[1] امیر شاہ قادری، مولانا سید: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (مطبوعہ پشاور) ج ۲، ص ۲۰۶

[2] محمود احمد قادری، مولانا شاہ: تذکرہ علماءِ اہلِ سنت، ص ۱۸۵

١۔ الاجازہ — جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کے جواز میں۔

٢۔ اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین۔

٣۔ فتوے العلماء بتعظیم آثار العلماء۔

٤۔ فتوی الثقات بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلوٰۃ۔

٥۔ فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین۔

٦۔ صیانۃ العباد عن الخضاب بالسواد (۱۳۲۹ھ) اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی میں محفوظ ہے۔

مولانا مرحوم کی زندگی کے تقریباً ۵۰ سال جامع جالی ہبنی ؎ میں خطابت و افتاء کے فرائض انجام دیتے ہوئے گزرے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے قاضی عبدالقادر ریٹائرڈ سکول ماسٹر اور چھوٹے قاضی فضل رسول میونسپل کمیٹی ہری پور میں ہیڈ کلرک ہیں۔

شب قدر کی رات دو اور تین جنوری کی درمیانی رات کو ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء میں ۶۵ یا ۷۰ برس کی عمر میں کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ) میں آپ کا وصال ہوا ؎ اور اسی جگہ دفن ہوئے، راقم ایک دفعہ فاتحہ خوانی کے لئے آپ کے مزار پر حاضر ہوا تھا۔

؎ امیر شاہ قادری، مولانا سید: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج ۲، ص ۴۰

نوٹ: مولانا شاہ محمود احمد قادری زید مجدہ نے تذکرہ علمائے اہلسنت ص ۱۵۸ میں لکھا ہے کہ آپکا ہبنی میں وصال ہوا، یہ درست نہیں ہے۔

استاذ الاماثل مولانا غلام احمد حافظ آبادی قدس سرہ العزیز

فاضل متبحر استاذ العلماء فقیہ اجل مولانا غلام احمد بن شیخ احمد ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء میں کوٹ اسحٰق (مضافات حافظ آباد) میں پیدا ہوئے، قرآن مجید اور فارسی کی کتابیں گھر میں پڑھیں پھر مولانا علاء الدین بھابڑہ (ضلع ہوشیار پور)، مولانا محمد دین، مولانا شاہ دین احمد نگر (ضلع گوجرانوالہ)، مولانا ابو احمد داؤد علی (کپورتھلہ) اور مولانا غلام قادر بھیروی وغیرہم اساتذہ افاضل سے کسب فیض کیا۔ فراغت کے بعد جامعہ نعمانیہ لاہور میں تدریس کا آغاز کیا اور تمام عمر صدر مدرس رہے ؎

آپ کا شمار اپنے دور کے اکابر مدرسین میں ہوتا تھا، بیشمار فضلاء آپ کے شاگرد ہوئے جن میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہوئے:

١۔ مولانا فیض الحسن جہلمی

٢۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری

٣۔ مولانا احمد علی سابق نائب شیخ الجامعہ بہاولپور

٤۔ مولانا سید محمد حسین خلیفہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری

٥۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی

مولانا عبداللہ ٹونکی (محشی حمد اللہ) آپ کے بڑے عقیدت مند تھے اور حواشی میں آپ کے مشورے قبول کرتے تھے۔ رجب ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں طاعون کی وبا پھیلی تو آپ بیمار ہوگئے اور اپنے گھر تشریف لے گئے، اسی سال بدھ کی رات ۱۹ اپریل کو وصال فرمایا اور مولانا غلام عبدالرسول کو اپنا جانشین چھوڑ گئے ؎ یہ آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔

؎ اقبال احمد فاروقی، علامہ: تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور (مطبوعہ جنوری ۱۹۷۵ء) ص ۲۲۱

؎ غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۳۷ - ۱۳۸

حضرت مولانا حکیم غلام احمد حافظ آبادی قدس سرہٗ

حالات و ولادت: حضرت مولانا حکیم غلام احمد بن شیر محمد بن جان محمد بن نظیر اللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) موضع سہارن خورد تحصیل وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے مشہور فاضل سے علوم دینیہ کی تحصیل کی جن میں سے حضرت مولانا محمد موسیٰ فتح پوری اور مولانا غلام رسول ساکن علی پور تحصیل وزیر آباد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اپنے استاد حضرت مولانا محمد موسیٰ خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈوی خلیفہ حضرت پیر پٹھان خواجہ محمد سلیمان تونسوی (قدست اسرارہم) سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا غلام احمد اپنے وقت کے عارف ربانی اور فاضل یگانہ تھے، شعر و ادب، طب اور خطاطی میں خاصی دسترس رکھتے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محب صادق اور حضوری تھے۔

مولانا غلام احمد قدس سرہ نے تکمیل علوم کے بعد موضع کوٹ تارڑ تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں سکونت اختیار کر لی اور یہیں تمام عمر خلق خدا کو راہ خدا دکھانے میں مصروف رہے مولانا کے تشریف لانے سے قبل یہ علاقہ جہالت کا گہوارہ تھا لیکن آپ کی تعلیم سے لوگوں کو دین سے اچھا خاصا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ آپ تمام زندگی درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں مصروف رہے، حلقۂ درس وسیع تھا، جنات بھی آپ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

آپ عربی، فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے، حلیہ شریف پنجابی منظوم (۱۲۹۰ھ) اور حلیہ شریف فارسی منظوم (۱۲۹۹ھ) طبع ہو چکے ہیں، دونوں حلیہ شریف آپ نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر لکھے تھے، پنجابی حلیہ شریف کا پہلا بند یہ ہے ؎

لکھ کروڑاں حمد الٰہی ‏ نعت نبی سرور ربانی
تاج ذات اصول شاہی ‏ صلی اللہ علیہ وسلم

فارسی حلیہ شریف کا پہلا شعر یہ ہے ؎

اے کہ تفسیر جمال روئے تو شد والضحیٰ
شرح سیمائے تو والشمس آمدہ اندر بہا

آپ کے منظوم پنجابی اور فارسی حلیہ شریف کی تفصیلی شرح آپ کے پوتے حضرت مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے وظیفہ انوار محمدی کے نام سے لاہور سے شائع کی تھی، مولانا غلام احمد کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

غلام احمدم الحمد للہ

آپ کے پانچ فرزند تھے اور سب اللہ والے تھے، ان میں سے ایک مولوی حافظ عبدالحمید صاحب دل اور صاحب علم بزرگ تھے جو موضع راکھ سیداں مضافات کوٹ تارڑ میں مقیم ہو گئے تھے، مولانا عبدالحمید کے ہاں دو فرزند تولد ہوئے (۱) مشہور نعت گو فاضل مولانا محمد عالم آسی نقشبندی مجددی خلیفہ حضرت شاہ ابو الخیر دہلوی قدس سرہ، جو امرتسر میں مقیم ہو گئے تھے (۲) مولانا حکیم محبوب عالم مدظلہ، راکھ سیداں میں مقیم ہو گئے ہیں اور بغایت درجہ ضعف و نقاہت کے باوجود خدمت خلق میں مصروف ہیں اور اپنے علاقے کے سب سے بڑے طبیب ہیں۔

حضرت مولانا غلام احمد ۱۸ ربیع الآخر ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء کو راہی دار آخرت ہوئے، مزار پُر انوار کوٹ تارڑ میں ہے۔

حضرت مولانا غلام قادر شائق رسول نگری قدس سرہ نے آپ کی تاریخیں کہیں:

۱۔ رفع اللہ منصبہ جنا ‏ (۱۲۹۹ھ)
۲۔ عالم فیاض عالم با کمالے بود ‏ (" ")
۳۔ چہ حکیم بود فیاض زماں ‏ (" ") [1]

---

[1] محمد موسیٰ امرتسری، حکیم اہل سنت، ص: [illegible]

خطیبِ پاکستان مولانا غلام الدین قدس سرہ العزیز

اِک شرابی ہوں بندۂ مسکین ہوں
خادمِ قوم و غلامِ دین ہوں

مجاہد تحریک ختم نبوت، خطیب پاکستان حضرت مولانا غلام دین بن میاں سید احمد بن میاں فضل دین بن میاں کرم دین جکوڑی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے، گجرات سے ۵ میل دور سرگودھا روڈ پر کنجاہ اور منگوال کے درمیان جکوڑی نکو کا اسٹاپ ہے، قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا، ڈیڑھ میل دور قصبہ کنجاہ کے سکول میں سات جماعت تک تعلیم حاصل کی، مولانا محمد عبداللہ کنجاہی سے سکندر نامہ تک فارسی کی کتابیں پڑھیں، صرف و نحو کی ابتدائی کتب موضع ٹھیکریاں میں مولوی فضل حق سے پڑھیں پھر لاہور آ گئے، استاذ الفضلاء مولانا محمد مہر الدین مؤلف تسہیل المبانی شرح مختصر المعانی، مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد دامت برکاتہم العالیہ اور امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سے درس نظامی اور حدیث پاک کی تکمیل کی[1] اور ۱۳۵۲ھ میں سند فراغت حاصل کی، سند فراغت پر امام المحدثین کی مہر ثبت ہے اور مفتی اعظم پاکستان کے تصدیقی دستخط ان الفاظ میں رقم ہیں:

"اشہد ان المولوی غلام دین الحقہ اللہ بالسلف الصالحین قد قرأ علی و تعلم منی و من غیری من مدرسۃ دار العلوم حزب الاحناف الکتب المتداولۃ اذاقہ اللہ حلاوۃ العلوم النافعۃ وانا الفقیر الی المولی القدیر سید احمد لتودہ لعلہ المکنی بابی البرکات ناظم حزب الاحناف لاہور المرقوم ۱۳۵۲ھ"[2]

حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی کے دست اقدس پر بیعت تھے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد انجمن شیخ لاہور کی چھوٹی سی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے، آپ کی جادو بیانی اور خوش نوائی نے سامعین کے دل موہ لئے، جمعہ کے موقع پر عظیم اجتماع ہوتا۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے اس وقت

[1] ہدایت مولانا محمد الدین ... حضرت مولانا غلام دین ... مولانا محمد شریف نوری ...
[2] منقول از سند حضرت مولانا غلام دین رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جامع مسجد صدیقیہ، شاہی مسجد اور مسجد وزیر خان کے بعد لاہور کی غالباً سب سے بڑی مسجد ہے۔ مولانا قادر الکلام، خوش بیان اور مجمع پر چھا جانے والے مقرر تھے، جمعیۃ علماء پاکستان کے قیام اور تحریک پاکستان میں قابل قدر خدمات انجام دیں، تحریک ختم نبوت میں شریک ہوئے اور قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں، تحریک آزادی کشمیر میں نمایاں حصہ لیا، فضائل امام اعظم، فضائل درود شریف اور رفیق الواعظین آپ کی تصانیف ہیں۔

مولانا محمد رفیق اشرفی آپ کے فرزند ارجمند جید عالم دین اور شعلہ بیان خطیب ہیں۔

۱۰ شعبان المعظم، ۱۲ اکتوبر (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) بروز پیر واصل بحق ہو کر جامع مسجد صدیقیہ کی جنوبی جانب دفن ہوئے، ان کے مزار پر گنبد تعمیر ہو چکا ہے[1]

حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی نے قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے ؎

زہے مولوی سعادت قریں — غلامِ جناب ستر الٰہی دیں
بہ سنت جماعت ہے نیک نام — بہ تبلیغ اسلام والا مقام
ز وعظ شریفش خلائق ہزار — بہ راہِ ہدایت شدہ بے شمار
بہ لاہور فیضانِ او بے حساب — ز تبلیغ او ہر کسے فیضیاب
چو بربست رخت سفر از زمیں — بہ فردوس اعلیٰ شدہ جاگزیں
ز رحلت آں زبدۃ الکاملیں — ز ہاتف ندا گشت "مغفور دیں"
۱۳۹۰ھ

چو روحش بدار الجناں گشت شاد
شرافت بگو "مختار العباد"
۱۳۹۰ھ

[1] ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ، ص ۴

ثانی لاثانی حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری قدس سرہ العزیز

حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوری ابن حضرت میاں عزیز الدین قدس سرہما ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں شرقپور شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے بھائی شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ سے تیس سال چھوٹے تھے۔ ابھی پانچ سال کے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تمام زیر پرورش حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ نے کی چونکہ حضرت میاں صاحب کے اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے آپ نے تمام تر توجہ انہی پر صرف فرمائی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ نے طبیہ کالج لاہور سے حکیم حاذق کا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد شرقپور شریف میں علاج معالجہ شروع کر دیا۔ حضرت میاں صاحب قدس سرہ انہیں روحانی طبیب بنانا چاہتے تھے اس لئے اس شغل سے منع فرما دیا۔ آپ نے یہ سلسلہ ترک کر کے میونسپل کمیٹی میں بطور سیکرٹری ملازمت اختیار کر لی۔ حضرت میاں صاحب کو پتہ چلا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت میاں صاحب نے پندرہ سال کی عمر میں آپ کی شادی کر دی اور نہ صرف اپنی تمام زمین حوالے کر دی بلکہ ان کے نام لگوا دی۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ امیر الدین قدس سرہ کے بھتیجے حکیم بابا اکرام خاں نے حضرت میاں صاحب سے عرض کیا، آپ کے بعد کیا ہوگا؟ حضرت میاں صاحب نے حضرت میاں غلام اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "وہ جو ہے"! حکیم صاحب نے عرض کیا ان کی طبیعت تو تبلیغ و ارشاد کی طرف مائل نہیں ہے۔ آپ نے پرجوش لہجے میں فرمایا،

"میں اسی کو دوں گا۔"

اور واقعی ایک مرد کامل کی نگاہ فیض نے ان میں وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ گئے۔

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستان کاملے

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے وفات سے پہلے آپ کو خلافت و جانشینی کا شرف بخشا۔ آپ نے حضرت میاں صاحب کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھنے نہ دیا اور اسی طرح تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں دور دراز کے سفر بھی کئے اور خلق خدا کو فیضیاب کیا۔ آپ کی شخصیت پرکشش اور گفتگو پر تاثیر ہوا کرتی تھی۔

ایک دہریہ لڑکا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے اسے صرف اتنا فرمایا "نماز پڑھا کرو"۔ اس مختصر سے جملے کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ لڑکا دین متین کا پابند ہو گیا اور وجود باری تعالیٰ پر ایسی ایسی دلیلیں قائم کرتا کہ سننے والے حیران رہ جاتے۔

حضرت میاں صاحب سادہ لباس زیب تن فرماتے اور کسر نفسی کا یہ حال تھا کہ صاحب سجادہ ہونے کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اسی قدر ہوں کہ جو کوئی حضرت اعلیٰ کا مہمان آئے اس کے ہاتھ دھلا دیا کروں اور کھانا کھلا دیا کروں۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ نے شرقپور شریف میں جو متعدد مساجد تعمیر کرائی تھیں انہیں آپ نے پختہ بنا دیا اور بعض مساجد کو وسیع کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک مدرسہ تعمیر کرایا جس میں دینی تعلیم کے لئے بہترین اساتذہ کو متعین کیا جو اب بھی جاری ہے اور "درس حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری قدس سرہ کے ایک خلیفہ حضرت الحاج عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "ثانی لاثانی" کا لقب دیا جو زبان زد خاص و عام ہے۔

آپ کے دو صاحبزادے حضرت میاں غلام احمد مدظلہ (فرزند اکبر) اور حضرت میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری مدظلہ (فرزند اصغر) آپ کے طریق پہ قائم ہیں اور دین متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ العالی نے ایک تبلیغی ادارہ "دار المبلغین" قائم کیا ہے جس سے علماء اور حفاظ مستفید ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ کی سرپرستی میں ماہنامہ نور اسلام کا "امام اعظم نمبر"

اشارہ ستمبر/اکتوبر ۱۹۷۵ء) شائع ہوا ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں اتنا عمدہ اور ضخیم نمبر آج تک پاک و ہند میں شائع نہیں ہوا ہوگا۔ مولائے کریم ان حضرات کے ذریعے دینِ اسلام کو عام فرمائے۔

حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری متعدد بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہوئے اور تین مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے، پہلی دفعہ اپنی طرف سے، دوسری مرتبہ والدۂ ماجدہ کی طرف سے اور تیسری مرتبہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج کیا، تقریباً تیس سال تک تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

۷ ربیع الاول، ۳۱ اکتوبر (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) بروز جمعہ تین بجے دن محبوبِ حقیقی سے جا ملے اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1]

---

[1] ابوسعید ایم اے، دلاتی: ماہنامہ نورِ اسلام، شرقپور (اکتوبر ۱۹۷۷ء) ص ۴۷-۴۸

حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری قدس سرہ العزیز

بو المظفر اے کہ عبد المصطفیٰ — مصدرِ ایقان عالی دودمان
با غلامانِ محمد نسبتش — در شریعت رہبرِ پیر و جوان
مفتی اعظم زہے بے قیل و قال — ایکہ در لاہور پیشوائے پیشگان

حضرت مولانا مفتی ابو المظفر عبد المصطفیٰ غلام جان ابن مولانا احمد جی ابن مولانا محمد عالم ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۶ء میں بمقام اوگرہ تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور فارسی نظم و نثر اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، اس کے بعد شوقِ علم میں دہلی اور سہارن پور کی درسگاہوں میں بھی گئے۔ مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ کے اساتذہ سے بھی کسبِ علم کیا۔ مولانا غلام رسول (راجھی ضلع گجرات) سے حمد اللہ اور زواہد ثلاثہ کا درس لیا۔ مینڈھو ضلع اعظم گڑھ اور گلاوٹی ضلع بلند شہر میں معقول کی کتابیں پڑھیں۔ ٹونک میں حضرت علامہ حکیم سید برکات احمد سے ریاضی اور معقولات میں استفادہ کیا۔ ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ عالیہ رامپور سے درجۂ تکمیل پاس کیا۔ مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا شہرہ سن کر مرکزِ علم و عرفان بریلی شریف پہنچے اور شمس العلماء مولانا ظہور الحسن فاروقی رامپوری اور صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی (مصنف بہارِ شریعت) سے درسِ نظامی کی آخری کتابیں پڑھ کر صحاح ستہ کا دورہ کیا۔ ۱۳۳۷ھ کے جلسۂ دستار بندی میں امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی نے دستار بندی فرمائی اور سندِ فضیلت عطا فرمائی۔ امامِ اہلِ سنت کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور پھر خلافت سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں مدرس اور مسجد بی بی جی (بریلی) میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا خواجہ محمود تونسوی کی دعوت پر وہاں سے مدرسہ سلیمانیہ تونسہ شریف جا کر کچھ عرصہ کام کیا۔ ایک سال مکھڈ شریف رہے، اس کے بعد خان محمد امیر خان رئیس شیلیہ ضلع ہزارہ

نے آپ کو بلا کر عہدۂ قضا پر مامور کیا لیکن کچھ دن بعد ہی آپ لاہور چلے گئے اور جامعہ نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس اور مفتی مقرر ہو گئے۔ ۱۳۴۵ھ میں بریلی شریف اور اجمیر شریف حاضری دیتے ہوئے حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ شب بیداری، یتیموں، بیواؤں کی دستگیری اور اپنا کام خود کرنا آپ کے اوصاف تھے۔ دین متین کی تبلیغ و ترویج کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں:-

۱۔ فتاویٰ غلامیہ

۲۔ نور العینین فی سفر الحرمین

۳۔ سیف رحمانی علی رأس القادیانی

۴۔ دیوان غلامیہ

۵۔ نغمۂ شہادت (یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہیں)

۶۔ القول الضابط فی جواز الحیلۃ والاسقاط

۷۔ رسالہ اذان علی القبر و تعدد الجمعہ فی مساجد المصر (یہ طبع ہو چکی ہیں)

۲۵ محرم الحرام یکم اگست (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) کو کلمہ شریف اور صلوٰۃ و سلام کا ذکر کرتے ہوئے عین اس وقت جب مؤذن نے اذانِ ظہر کی آواز بلند کی آپ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ دوسرے دن غازی علم دین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار کے جنوبی جانب دفن کئے گئے۔ نماز جنازہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد رحمہ اللہ نے پڑھائی۔[1] فاضل نوجوان حضرت مولانا مظفر اقبال سابق مدرس دار العلوم جامعہ نعمانیہ لاہور آپ کے جانشین ہیں۔ مسکین الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے "معارف آگاہ مفتی اعظم" (۱۹۵۹ء) تاریخ عیسوی اور "فوت شد مفتی جہاں" تاریخ ہجری کہی ہے۔

---

[1] محمد امیر شاہ قادری، مولانا پیر: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج ۲، ص ۳۳۸-۳۴۵

عارفِ کامل حضرت پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری قدس سرہ العزیز

امام عرفاء حضرت پیر سید غلام حیدر شاہ ابن سید جعفر شاہ ۳ صفر ۲۲ اپریل (۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء) کو جلال پور میں رونق افروزِ دارِ دنیا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں حضرت سید مخدوم جہانیاں سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عبادت گزار اور صالحہ خاتون تھیں۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہماری والدہ بابا فرید الدین گنج شکر کی والدہ کی مانند تھیں جنہوں نے ابتدا ہی سے اپنے لختِ جگر کو نماز روزہ کا پابند بنا دیا تھا۔

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو قرآن پاک کی تعلیم کے لئے آپ کو میاں خان محمد اعظم پوری کے سپرد کیا۔ انہوں نے قرآن مجید پڑھانا شروع کیا جس کی تکمیل آپ کے چچا سید امام شاہ نے فرمائی۔ اس کے بعد میاں عبد اللہ چکڑوی سے فارسی اور اردو کی درسی کتب پڑھیں پھر جلال پور سے پانچ کوس کے فاصلہ پر قاضی محمد کامل کی خدمت میں نین دال تشریف لے گئے اور ان سے کتب فقہ کا درس لیا۔ اپنے علاقے کے مشہور عالم مفتی غلام محی الدین سے استفادہ کیا اور کنز الدقائق پڑھی۔ اس سے زیادہ آپ نے ظاہری علم باقاعدگی سے نہیں پڑھا لیکن بلند صلاحیتوں اور اہلِ علم کی مجلسوں کی وجہ سے وہ عالمانہ مقام حاصل کر لیا جس سے بہت سے عالم بھی محروم تھے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ سے مرقع اور کشکول کا درس لیا۔

ابھی آپ کی عمر ۱۷ سال تھی کہ والد ماجد کا وصال ہو گیا۔ تلاش مرشد میں سید غلام شاہ کی خدمت میں ہرن پور پہنچے اور بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے سیال شریف جانے کا مشورہ دیا بلکہ خود ساتھ لے گئے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ نے انہیں دیکھا تو فریفتہ ہو گئے، مزاج پوچھا اور بیٹھنے کا حکم دیا چنانچہ آپ ۷ رجب ۱۲۷۱ھ کو ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ بیعت کے بعد ہر ماہ دو تین مرتبہ شیخ کی

خدمت میں حاضر ہوتے اور شیخ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ان کے سامنے بولنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ جب چھٹی مرتبہ حاضر ہوئے تو حضرت شیخ نے خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت پیر حیدر شاہ قدس سرہ منکسر المزاج اور بلند اخلاق کے مالک تھے، آپ کو خود پسندی چھو کر بھی نہیں گزری تھی، نہایت نرم دل اور سراپا شفقت و عنایت تھے۔ ملنسار کی دلجوئی آپ کا خاص وصف تھا، اعمال میں نہایت محتاط اور پابندِ شریعت تھے۔ آپ حد درجہ خوبصورت تھے، دراز قامت، دلکش آنکھیں، شانوں تک زلفیں، کلاہ چہار ترکی سر پر، موسم سرما میں بانات کا کوٹ، گرمیوں میں ململ کا کرتہ، پاؤں میں جیلی طرز کا سادہ جوتا پہنے ہوئے وہ حسنِ مجسم معلوم ہوتے تھے۔

آپ کے چار صاحبزادے تھے: سید بدیع الزمان شاہ (م ۸ شعبان ۱۲۹۵ھ) سید قائم الدین شاہ (م ۲۱ رجب ۱۳۱۹ھ) سید محمد رسول شاہ ایام شیر خوارگی میں فوت ہو گئے تھے۔ سید محمد مظفر علی شاہ المتوفی ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ، رحمہم اللہ تعالےٰ۔

حضرت پیر سید حیدر شاہ قدس سرہٗ نے خدمتِ دین اور اشاعتِ سلسلۂ چشتیہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں، بے شمار خلقِ خدا حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی اور راہِ راست پر آئی، خاص طور پر بڑے بڑے جلیل القدر علما آپ کے مرید ہوئے اور آپ کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوئے۔

۶ جمادی الاخریٰ، ۷ جولائی (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) کو آپ کا وصال ہوا اور جلالپور شریف میں محوِ استراحتِ ابدی ہوئے، آج بھی آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ علامہ اقبال نے تاریخِ وصال کہی ہے ؎

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربتِ او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاکِ او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او بگو ”مغفور“ گفت ؎
۱۳۲۶ھ

...ماہنامہ صوفی (منڈی بہاء الدین) ذکرِ حبیب حصہ اول

اکبر الٰہ آبادی نے قطعۂ تاریخ کہا ؎

معرفت کی جس کو ہو دولت نصیب
پھر اسے کیا فکرِ مال و جاہ ہے
حضرت مرحوم تھے مردِ خدا
ان کا جو ہو وہ حق آگاہ ہے
ان کی تاریخِ وصال از روئے دردِ
انتقالِ پیر حیدر شاہ ہے
۱۳۲۲ + ۴ = ۱۳۲۶ھ

آئندہ صفحات پر حضرت پیر سید حیدر شاہ جلالپوری قدس سرہ، علامہ اقبال مرحوم اور اکبر الٰہ آبادی کی تحریرات کے عکس پیش کئے جا رہے ہیں۔

نوٹ:- یہ تمام حالات ”ذکرِ حبیب، حصہ اول“ سے ماخوذ ہیں۔

مادۂ تاریخ وصال حضرت قبلۂ عالم پیر جلالی نگرہاری حقیقت از ادیب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم ایم اے پی ایچ ڈی

ہر کہ بر خاک مزار پیر حیدر شاہ رفت
تربت او را امین جلوۂ طور گفت

ہاتف از گردون رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سال وفات او بگو مغفور گفت

۱۳۲۶ اقبال

از لسان العصر خان بہادر اکبر حسین صاحب پنشنر جج الٰہ آباد

معرفت کی جسکو ہو دولت نصیب
بے نیاز ہے کیا قدر مال و جاہ سے

حضرت مرحوم تھے مرد خدا
آشنا جو پیر وہ تھے حق آگاہ سے

اکبر تاریخ وصال از روئے درد
انتقال پیر حیدر شاہ ہے

۱۳۲۶

(اکبر الٰہ آبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا کل الکل رب الکل ومنک الکل والیک الکل صل علی نبیک الاقدم
والمظہر الاتم لاسمائک الاعظم اما بعد پس بر قائع کہ مسطور درین اوراق ست
بمنزلہ تعویذ است کہ از پیران خرقہ پوش سراپا ہوش باین گدا رسیدہ
بہ بشارت با یکدیگر دوختہ مرقع برائی پوشش بامر الحق از بصیرت شیخ
لہذا این مجموعہ را مرقع نام کردہ و اقسام صلوۃ را برابر مقدم داشتہ
در ہر فائدہ را معنون برقم ساختہ و چون اختصار مطلوب بود اقتصار بذکر بعض نوافل
نمودہ آمد مقدم عامل را باید کہ این شرائط مذکورہ در ذیل درجوز پیدا آمد
بعد ازان عمل نماید کہ بی این بطالت است و امیدوار نتائج جہالت
امام احمد بونی کہ راس و رئیس اہل دعوت است این شروط را ذکر فرمودہ اکل حلال
و صدق مقال و حضور قلب و عجز و خضوع و بکا و اخلاص و کسوت حلال

عالیجناب غفران مآب حضرت قبلۂ عالم پیر حیدر علی شاہ صاحب کی دستی تحریر کا نمونہ

حضرت علامہ مولانا غلام حیدر رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا غلام حیدر قدس سرہ اپنے دور کے متبحر فاضل اور یگانۂ روزگار مدرس تھے، علم میراث میں تخصص کا درجہ رکھتے تھے، جامعہ فتحیہ اچھرہ (لاہور) میں استاذ الاساتذہ مولانا مہر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کرنے والے منتہی طلبا، خاص طور پر سراجی پڑھنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، علم میراث میں کمال دسترس کی وجہ سے آپ سراجی بابا کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ موضع بھلیاں تحصیل پلندری (آزاد کشمیر) میں پیدا ہوئے، گجرات (پنجاب) اور پشاور کے فضلاء سے علمی استفادہ کرنے کے بعد لاہور آئے اور اہل سنت و جماعت کے مایۂ ناز فاضل مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علمی جواہر پاروں کو دامنِ مراد میں سمیٹا، کچھ عرصہ مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں بھی پڑھتے رہے۔

تکمیل علوم کے بعد جامع مسجد خراسیاں اندرون لوہاری دروازہ لاہور (جس کے متصل ان دنوں جامعہ نظامیہ رضویہ قائم ہے) میں خطیب مقرر ہوئے، یہاں آپ نے ۲۷، ۲۸ سال قیام کیا اور خطابت کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی تدریس کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، دور دراز کے طلباء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، مولانا عتیق اللہ ابن حضرت مولانا فقیر اللہ بکوٹ شریف، حضرت مولانا محمد منظر صاحب (م ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ، بروز دو شنبہ) بانی مدرسہ تعلیم القرآن پلندری —— اور مولوی محمد یوسف (دیوبندی) مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن پلندری کے نام آپ کے تلامذہ سے معلوم ہو سکے ہیں۔

آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت مولانا فقیر اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ، بکوٹ شریف کے مرید تھے، حضرت مولانا غلام قادر بھیروی آپ پر بڑا اعتماد فرماتے تھے، جب کہیں سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی جگہ مولانا کو جمعہ پڑھانے کے لئے مقرر فرمایا کرتے تھے۔

۱۳ر محرم الحرام، ۲۰ر جولائی (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) کو ۷۰ سال کی عمر میں حضرت مولانا

ملہ آپ مولانا غلام حیدر علیہ الرحمۃ کے نواسے ہیں۔

غلام حیدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا، آپ کا مزار موضع راجکوٹ (مابین گوندی نوالہ و گوجرانوالہ) ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔

آپ کے دو صاحبزادے اس وقت بحمدہ تعالیٰ موجود ہیں، ایک مولانا رمضان علی اور دوسرے مولانا قاری محمود الحسن ملہ، قاری صاحب اس وقت مسجد وزیر خاں (لاہور) میں نائب خطیب اور مدرس ہیں نیز مجلس عمل علماء اوقاف لاہور کے صدر اور دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے قدیم معاون اور بہی خواہ ہیں۔ آپ حلقۂ علماء اور محکمہ اوقاف کے کارکنوں میں خاصے معروف ہیں، ان کی بے نفسی کا یہ عالم ہے کہ اپنے کاموں کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے کام آتے ہیں، جس کسی کو ان سے کوئی کام ہو بلا حیل و حجت اس کے ساتھ چل دیتے ہیں، مولا تعالیٰ انہیں دینی و ملی خدمات انجام دینے کی زیادہ سے زیادہ توفیق ارزانی فرمائے۔

ملہ یہ تمام معلومات انہی کی فراہم کردہ ہیں، اس کے لئے راقم ان کا شکر گزار ہے۔

عارفِ کامل حضرت علامہ مولانا غلام دستگیر قصوری قدس سرہٗ

مولانا غلام دستگیر ہاشمی قریشی صدیقی ابن مولانا حسن بخش صدیقی محلہ چہ بیبیاں اندرون موچی دروازہ، لاہور میں پیدا ہوئے اور حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری رحمہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں حاضر ہوکر علوم و معارف کے دریا دامنِ مراد میں سمیٹے۔ مولانا غلام دستگیر کو حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری کا شاگرد، خواہرزادہ، داماد، مریدِ باصفا اور خلیفہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ۱۸۹۰ء میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ تبلیغ اسلام اور مخالفین اسلام کی سرکوبی میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں کوئی مناظر آپ کا ہمسر نہ تھا۔ مناظرۂ بہاولپور وہ یادگار مناظرہ ہے جس میں آپ کو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے مقابلہ میں زبردست کامیابی ہوئی۔

یہ تاریخی مناظرہ ماہِ شوال ۱۳۰۶ھ میں براہین قاطعہ (مؤلفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) کی گستاخانہ عبارات پر ہوا تھا جس کے حَکَم نواب محمد صادق عباسی، والیٔ بہاولپور کے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ چاچڑاں شریف تھے۔ حَکَمِ مناظرہ نے لکھ دیا کہ دیوبندی علماء کے عقائد ان وہابی علماء سے ملتے ہیں جو برصغیر میں خلفشار کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اس فیصلے کے بعد نواب صاحب مرحوم نے مولوی خلیل احمد کو ریاست سے نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔

اس مناظرہ کی روئیداد تقدیس الوکیل کے نام سے چھپ چکی ہے جس کے آخر میں علماء حرمین طیبین کی تصدیقات ثبت ہیں۔ شیخ الدلائل حضرت مولانا عبدالحق مہاجر مکی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہما نے بھی حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری کی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ بانی مدرسہ صولتیہ نے بھی تقدیس الوکیل پر شاندار تقریظ لکھی اور تقریظ میں فرمایا:

"میں جناب مولوی رشید احمد کو رشید سمجھتا تھا، مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔"[1]

سلسلۂ نقشبندیہ میں ہزارہا افراد آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے، آپ نے تمام عمر تبلیغ و تلقین میں صرف فرمائی، فرقِ باطلہ اور مذاہبِ فاسدہ کی تردید میں متعدد محققانہ کتابیں لکھیں اور شائع کرکے مفت تقسیم کیں۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ تحریج عقائد نوری بجواب لغو ظہوری، رد عیسائیت میں۔
۲۔ رجم الشیاطین براغلوطات البراہین۔
۳۔ تحقیقات دستگیریہ فی رد ہفوات براہینیہ۔
۴۔ فتح الرحمانی بہ دفع کید قادیانی، مرزائیت کے رد میں۔
۵۔ جواہر مضیئہ، نیچریہ کے رد میں۔
۶۔ ہدیۃ الشیعتین، روافض اور خوارج کے رد میں۔
۷۔ تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل۔
۸۔ عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمان۔
۹۔ تحفۂ دستگیریہ بجواب اثنا عشریہ۔
۱۰۔ عروۃ المقلدین۔
۱۱۔ ظفر المقلدین۔
۱۲۔ نصرۃ الابرار۔
۱۳۔ ابحاث فرید کوٹ
۱۴۔ تحقیق صلوٰۃ الجمعہ

۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں آپ کا وصال ہوا اور قصور کے مشہور قبرستان میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔[2]

---

[1] تقدیس الوکیل، مطبوعہ نوری بکڈپو لاہور، ص ۴۱۵۔

[2] اقبال احمد فاروقی، ایرزادہ: تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل (تعارفِ مصنف) مطبوعہ نوری بکڈپو لاہور

حضرت مولانا نبی بخش حلوائی قدس سرہ (مصنف تفسیر نبوی) نے آپ کی تاریخ وصال رقم فرمائی ہے

بعد از ثنائے رب العلیٰ، صلوات بر خیر الوریٰ — بر حضرتِ شیخِ اہلِ صفا از دل بگویم صد دعا
اے قبلۂ عالی جناب اے مرشدِ اہلِ صواب — داری لباس چوں آفتاب حسن و ضیا نزدِ خدا
منظورِ حق مقبولِ حق بودی تو اے صاحب دقر — نافعِ خلائق بس شدی گم گشتگاں را رہنما
در خلق و حلم و علم و عمل اخلاص گشتی بے نظیر — عقل و خرد کار فہم و سامید آشتی اے پارسا
دریائے فیضانِ خضر جاری نمودی چار سو — محمود در خلقِ خدا ہستی تو اے صاحب صفا
حامی شدی دینِ متین قامعِ ضلالت بالیقین — عاملِ بسنت شاہِ دیں اے معدنِ جود و سخا
شبلی زمانِ خود شدی جنید اندر وقتِ خود — شام و سحر ظہر و عصر مشغول در ذکرِ خدا
صلوات بر شاہِ عرب از جان و دل روز و شب — خواندی مدام از صدق و ادب اے صاحبِ عرفانِ خدا
اے صاحبِ نوری نظر اے مرتبہ عالی قدر — بر طالبانِ خود نگر از مہر و الطاف و عطا
تاریخِ آں پیرِ ہدیٰ گفتہ سروشِ خوش نوا — غفرلہ اے سرلقا نعمہ مرا شد ہر کجا
اے ملجا و ماوائے ما بنگر بہ حالِ ایں گدا — در ہر قفص ہر ماجرا آمد ذکرا اے مقتدا

مؤرخِ اہلِ سنت مولانا پیر غلام دستگیر نامی قدس سرہ

حضرت پیر غلام دستگیر نامی ابن پیر حامد شاہ (م ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء) رحمہما اللہ تعالیٰ ۲۲ جمادی الاخریٰ، یکم مئی (۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء) بروز سہ شنبہ، دن کے گیارہ بجے اپنے نانا پیر غلام محی الدین کے گھر رتہ پیراں (ضلع شیخوپورہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پھوپھی نے محسنِ اہلِ سنت مولانا غلام دستگیر قصوری (م ۱۳۱۵ھ) کے نام پر آپ کا نام رکھا۔ خود فرماتے ہیں:

زادم و گشتم غلامِ دستگیر — من شدم نامی بنامِ دستگیر
بنامِ نیک مولانا قصوری — غلامِ دستگیرم نام کردند

آپ لاہور کے قدیم علمی و روحانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ قطب العالم حضرت شیخ عبد الجلیل چوہڑ بندگی (م ۹۱۰ھ) داماد سلطان بہلول لودھی، لاہور کے اولین مبلغ اسلام سہروردی بزرگ ہیں جن کی بدولت پنجاب میں سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا اور کئی قبائل مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے علاوہ اس خاندان میں اور بھی متعدد صاحبِ علم و فضل روحانی پیشوا ہوئے ہیں۔

نومبر ۱۸۹۰ء میں مولانا نامی کو مسجد طلائیہ محلہ چلہ بیبیاں (لاہور) میں مولانا محمد بخش جلیل (م ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء) برادرِ اکبر مولانا غلام دستگیر قصوری کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ نومبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے قرآن کریم ختم کر لیا، پھر والد ماجد نے اسلامیہ سکول کی برانچ واقع حویلی کابلی مل کی دوسری جماعت میں داخل کرا دیا۔ کچھ عرصہ بعد پیر حامد شاہ کا تبادلہ قصور ہو گیا چنانچہ مولانا نامی ۱۸۹۴ء تک دیہاتی ریج میں قصور گورنمنٹ سکول میں پڑھتے رہے۔ ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۴ء میں آپ کے والد گرامی کا وصال ہو گیا اور آپ داغِ یتیمی لیکر رتہ پیراں چلے گئے۔

۱۸۹۵ء میں آپ اسلامیہ سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور کی پانچویں جماعت میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۲ء میں فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کیا، سکول کی تعلیم کے دوران لاہور کے ممتاز فضلاء مثلاً پروفیسر شجاع الدین صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج، لاہور (م ۱۹۶۵ء) کے نانا [illegible]

اور مولانا علامہ اصغر علی روحی سے اکتسابِ فیض کیا، ان کے علاوہ دیگر متعدد اہلِ علم کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے جن کی صحبت نے آپ کے ذوقِ علمی کو نکھار عطا کیا۔

مولانا نامی نے کسی دینی درس گاہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اس کے باوجود اردو، فارسی اور انگریزی میں مہارت کے ساتھ ساتھ عربی سے بھی اچھی طرح آشنا تھے چونکہ قدرت نے آپ کو ابتداء سے ہی ذہانت وفطانت کے جوہرِ اعلیٰ سے نوازا تھا اس لئے بہت جلد بہترین مضمون نگار، مصنف، شاعر، تاریخ گو، ماہرِ قانونِ وراثت اور ماہرِ علم الانساب کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔

تحصیلِ علم کے بعد چند ماہ محکمہ ریلوے میں ملازمت کی پھر محکمہ ڈاک میں بھرتی ہو کر میل کرام کی ٹریننگ حاصل کی، اسی اثناء میں ڈپٹی کمشنر لاہور نے انٹرنس پاس مسلمانوں کو ضلع کچہری کی ملازمت کے لئے طلب کیا چنانچہ آپ ضلع کچہری میں چھ ماہ تک بلا تنخواہ کام کرتے رہے بالآخر مئی ۱۹۰۵ء میں مستقل ملازمت مل گئی لیکن یہاں کی رشوت آلود فضا آپ کو پسند نہ آئی اور آپ ۱۹۰۶ء میں محکمہ تعلیم میں منتقل ہو گئے اور آخر تک اسی محکمہ میں مختلف کاموں پر مامور رہے بالآخر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں تبادلہ ہو گیا اور یہاں خازن رہ کر ۱۹۳۸ء میں ریٹائر ہو گئے۔

مولانا نامی کو بچپن ہی سے اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات، علمی کمالات اور نسب معلوم کرنے کا شوق تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنے بزرگوں کے نادر مخطوطات اور دیگر کتبِ تاریخ کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا حتیٰ کہ تاریخی تجسس اور کتب بینی کا ذوق لازمِ زندگی بن گیا، بار بار رکاوٹیں پیدا ہوئیں مگر ہر بار آپ کے پہاڑ ایسے عزم و استقلال سے ٹکرا کر پسپا ہو گئیں اور آپ کے تصنیف و تالیف اور مطالعہ کے ذوق میں بدستور اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ملازمت کے زمانہ میں فارغ وقت تالیف اور مضامین نویسی میں صرف کرتے اور ریٹائر ہونے کے بعد تو گویا آپ اس کام کے لئے وقف ہو گئے، آپ نے ایک سو سے زائد کتابیں اور رسائل لکھے جنہیں قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ان میں سے بعض تصانیف تو لازوال اہمیت کی حامل ہیں۔ مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کی تعداد ہزاروں تک

پہنچتی ہے چند تصانیف کے نام یہ ہیں :۔

١۔ تاریخِ جلیلہ : خاندانی بزرگوں کے حالات اور دیگر اہم تاریخی معلومات۔
٢۔ بزرگانِ لاہور : لاہور کے ڈیڑھ سو بزرگانِ دین کے حالات۔
٣۔ نسب نامۂ رسولِ انام وصحابۂ کرام۔
٤۔ مناقب خلفائے راشدین (منظوم)
٥۔ اسلامی قانونِ وراثت۔
٦۔ تاریخ نجدیہ : یعنی حقیقتِ وہابیہ۔
٧۔ صدیق اور فاروق مستشرقین کی نظر میں ، وغیرہ وغیرہ

ان مستقل تصانیف کے علاوہ آپ نے کئی کتابوں کو جامۂ اردو بھی پہنایا۔

جنابِ نامی کو شعر گوئی کا ملکہ ورثے میں ملا تھا۔ پہلے پہل از خود طبع آزمائی کرتے رہے۔ ۱۹۰۷ء میں علامہ اصغر علی روحی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنا کلام سناتے رہے اور بہت جلد پختہ کلام پر دسترس حاصل کر لی۔ ابتداءً غزل نگاری کی جانب میلان تھا پھر نعت، منقبت اور تاریخ گوئی سے لگاؤ پیدا ہو گیا، تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا، بلاشبہ آپ نے اپنی زندگی میں ہزاروں منظوم تاریخیں کہی ہیں۔

مولانا نامی نے اپنے بعض مخلص دوستوں کے تعاون سے ۱۵-۱۹۱۴ء میں اصلاحِ رسوم اور اصلاحِ اخلاق کی غرض سے دائرۃ الاصلاح کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت لٹریچر شائع ہو کر مفت تقسیم ہوتا رہا، پھر اس ادارے کی طرف سے فضائلِ صحابۂ کرام اور اتحاد بین المسلمین کے موضوع پر رسائل طبع ہونے لگے، اس ادارے کی طرف سے تقریباً نوے کتب اور رسائل طبع ہو کر مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں جن میں سے دس بارہ کے علاوہ باقی سب مولانا نامی کی کاوشِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت نامی کے ماموں اور خسر جناب پیر محمد اشرف عالم شاہ (م ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء) متولی خانقاہ حضرت عبد الجلیل چوہڑ شاہ بندگی نے اپنی وفات سے قبل وصیت لکھ دی تھی کہ میرے بعد اوقاف کے متولی نامی صاحب ہوں گے چنانچہ آپ نے اس ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا اور نہ صرف بزرگوں کے مزارات

کی دیکھ بھال کی بلکہ ان کے علمی تبرکات کو شائع کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ غرض جناب نامی نے ایک پیرزادہ اور مزارات کا متولی ہونے کی حیثیت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ ان کا طرزِ عمل موجودہ دور کے بعض مشائخ کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۷ رجب المرجب ۱۶ دسمبر (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کو ایک ماہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد اسلام کے مخلص خادم اور مسلمانوں کے محسن جناب پیر غلام دستگیر نامی کا انتقال محلہ چابک سواراں لاہور میں ہوا اور آپ کی میت رتہ پیراں (ضلع شیخوپورہ) لے جا کر حضرت قلندر شاہ کے پائیں میں دفن کی گئی۔

قطعہ تاریخِ وفات: از جناب حضرت مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی ؎

غلام دستگیر آں پیرِ نامی　　بہ جنات العلیٰ کرد مسکن
ز رحلتش شرافت گفت تاریخ　　"بفردوسِ بریں شد شاد محسن"

جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے ان الفاظ سے تاریخِ وصال کا استخراج کیا۔

"بجھا آج ہائے چراغِ علوم" [1]

---

[1] محمد موسیٰ امرتسری، حکیم اہلِ سنت: مقدمہ بزرگانِ لاہور

علامۃ العصر قدوۃ العارفین حضرت خواجہ غلام رسول تونگیروی قدس سرہٗ

امام الفضلاء والعرفاء حضرت خواجہ غلام رسول تونگیروی ابن حضرت خواجہ سلطان محمود قدس سرہما ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء میں بونگہ محمود شاہ (مضافاتِ بہاولنگر) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں جدِ امجد حضرت مولانا حافظ محمد عظمت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ (خلیفہ حضرت شیخ محمد فاضل نیکوکارہ خلیفہ حضرت خواجہ قبلۂ عالم نور محمد مہاروی قدس سرہما) سے پڑھیں۔ پھر جدِ امجد کے ایما پر ۱۲۴۵ھ میں مہار شریف گئے اور فارسی صرف کی بعض کتابیں مولانا نور الدین اور مولانا محمد عمر تونسوی سے پڑھیں۔ بعد ازاں بہاولپور تشریف لے گئے اور مولانا محمد کامل بہاولپوری سے علوم و فنون کی تحصیل کی، کچھ کتابیں مولانا غلام رسول بہاولپوری سے پڑھیں۔ ازاں بعد موضع چیلاواہن (مضافاتِ بہاولپور) میں جا کر مولانا حافظ محمد افضل سے علمی استفادہ کیا۔ اس کے بعد موضع مہتہ جبّہ (مضافاتِ بہاولنگر) میں گئے اور مولانا جان محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اکتسابِ فیض کیا، پھر لاہور گئے اور حضرت مولانا خلیفہ حمید الدین لاہوری سے کسبِ کمال کر کے آخر میں دہلی جا کر مولانا عبد الرحمٰن پنجابی مدرس مدرسہ مولوی محمد حیات (دہلی) کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیلِ علوم کی اور سندِ فراغت حاصل کی۔

وطن واپس آ کر جدِ امجد اور حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہما سے روحانی فیض حاصل کیا اور ظاہری و باطنی علوم و معارف میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ آپ نے تمام عمر علومِ دینیہ کی تدریس اور رشد و ہدایت کی اشاعت میں صرف کی۔ بے شمار خلقِ خدا ظاہری علوم اور باطنی فیوض سے مستفید ہوئی۔ آپ کے چند مشاہیر تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ مولانا محمد سرفراز، جلال آباد مضافاتِ فیروزپور۔
۲۔ مولانا نبی بخش، موضع نکوڑہ مضافاتِ حصار۔
۳۔ مولانا کریم الدین، موضع بجھو متصل تونگیرہ شریف۔ (وغیرہم)

آپ کے بعض خلفاء کے اسماء یہ ہیں :-

۱۔ مولانا الٰہی بخش ، موضع تمبی لعل بیگ مضافات ساہیوال ۔
۲۔ مرشد کبیر حضرت مولانا عبدالحلیم ، حویلی لکھا " " "
۳۔ حضرت خواجہ نور محمد ، موضع کلی بانیکے " " "
۴۔ حضرت مولانا عبدالحق ، موضع سنتیکا مضافات بہاولنگر ۔
۵۔ مولانا اللہ جوایا ، موضع مخدوماں " " "
۶۔ حضرت مولانا نور محمد تونگیروی ۔
۷۔ مولانا غلام علی ، چک تحصیلدار مضافات بہاولنگر ۔
۸۔ مولانا محمد ابراہیم (مولف گل فردوسی) موضع کندووالی مضافات فیروزپور (وغیرہم)

حضرت خواجہ غلام رسول تونگیروی قدس سرہٗ سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے کثیر الاحسان اور عمیم الفیض بزرگ تھے ، آج بھی ان کا مزار گوہر بار فیض وجود کا سرچشمہ ہے ۔

۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء کو آپ کا وصال ہوا اور تونگیرہ شریف (تحصیل و ضلع بہاولنگر) میں جد امجد کے پہلو میں محو استراحت ابدی ہوئے ۔ آپ کے آستانہ عالیہ پر کمال العلوم کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم ہے اور علم و معرفت کے شیدائی مستفید ہو رہے ہیں [1]

[1] غلام سرور ، مولانا : الیواقیت المہریہ ، ص ۸۹ ، ۹۰

مؤرخِ جلیل حضرت مولانا مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ العزیز

حضرت علامہ مولانا حکیم مفتی غلام سرور قریشی اسدی ہاشمی ابن حضرت مولانا مفتی غلام محمد قدس سرہما محلہ کوکل منقبال لاہور میں ۱۲۴۴ھ/۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی ، علم طب بھی انہیں سے پڑھا اور سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں ان سے بیعت ہوئے ، پھر حضرت علامہ مولانا غلام اللہ قصوری ثم لاہوری کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام مروجہ علوم ، تاریخ اور لغت کی تحصیل کی ۔

مفتی صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک تھے ، وہ بیک وقت جید عالم ، بلند پایہ شاعر و ادیب ، معلم اخلاق ، باکمال تاریخ گو ، مستند مؤرخ ، مشہور زمانہ سوانح نگار اور سب سے بڑھ کر سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ، صحابہ کرام اور اولیاء عظام کے محبِ صادق تھے ۔

زندگی کا کچھ ابتدائی حصہ ملازمت میں گزارا لیکن جلد ہی ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے اور تمام عمر علم و ادب کی خدمت میں صرف کر دی اور اس فن میں وہ ناموری حاصل کی کہ علم و ادب کی تاریخ میں آپ کا نام قیامت تک زندہ و پائندہ رہے گا ۔

آپ کے خاندان کے تمام بزرگ سنی حنفی ، مفتی وقت اور جامع شریعت و طریقت تھے ، مذہبی اور اخلاقی اقدار آپ کو ورثے میں ملی تھیں ، آپ شگفتہ مزاج ، ملنسار اور عبادت گزار صوفی تھے ، شریعت و طریقت ، تفسیر و حدیث ، تاریخ و ادب پر گہری نظر رکھتے تھے ، جس موضوع پر گفتگو کرتے اس سے متعلقہ تمام تفصیلات کو بے تکلفی سے بیان کر دیتے ، بات بات میں تاریخ کہہ دینا ان کے لئے معمولی کام تھا ، آپ کو اہل علم قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ آپ کی طبیعت میں بے حد استغنا تھا ، حکام وقت کی ملاقات کو پسند نہیں کرتے تھے ، غیور اور خوددار تھے ، حق بات کہنے سے کبھی پہلو تہی نہ کرتے تھے ۔ ۱۸۸۴ء میں سرسید مرحوم علی گڑھ کالج کی امداد کے لئے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دیرینہ دوست خان بہادر ڈپٹی برکت علی

کے پاس قیام کیا۔ خان بہادر نے بیرون موچی دروازہ اپنی کوٹھی پر لاہور کے چیدہ چیدہ افراد کو مدعو کیا جن میں مفتی صاحب بھی تھے۔ خان بہادر نے سرسید سے آپ کا تعارف کرایا۔ سرسید آپ سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے مشن کا کوئی کام آپ کے سپرد کرنا چاہا تو مفتی صاحب نے فرمایا :-

"سید صاحب! میں اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوں۔ میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی ہے یہ اس مقصد کے لئے بہت مفید ہیں، اور پھر جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہے اور یہ چیز میں یہاں نہیں دیکھتا۔"

یہ جواب سن کر سرسید خاموش ہو گئے۔

مفتی صاحب کا دنیائے تاریخ پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اپنی تالیفات میں پنجاب کے جلیل القدر علماء و مشائخ کے حالات کو بڑی حد تک تفصیل سے قلمبند کر دیا ہے ورنہ جس طرح تذکرہ نگاروں نے اس مردم خیز خطہ کو نظر انداز کیا ہے باعثِ تعجب ہی نہیں قابلِ افسوس بھی ہے۔

مفتی صاحب نے شعر و ادب، سوانح نگاری اور لغت میں اکیس یادگارِ زمانہ تصانیف لکھی ہیں جن کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اس کے باوجود وہ کتابیں نایاب ہو گئیں اور شائقین کی طلب بدستور جاری رہی۔

آپ کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں جنہیں آج بھی درجہ استناد حاصل ہے :-

۱۔ گلدستۂ کرامات ؛ ۱۲۷۷ھ میں لکھی گئی، اس میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب اور کرامات کا بیان ہے۔ شیخ نور صادق شیبانی کی مناقب غوثیہ کا اردو ترجمہ۔

۲۔ گنجینۂ سروری المعروف باسم تاریخی گنج تاریخ ؛ ۱۲۸۴ھ ؛ اس میں سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک سے لے کر خلفائے راشدین، خلفاء بنو امیہ، خلفاء

بنو عباس، سلاطین اسلام اور مشائخ صوفیا، علماء اور شعراء کی ولادت و وفات کی تاریخیں درج ہیں۔ اس کتاب میں کم و بیش دس ہزار مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ اس سے فن تاریخ گوئی میں مفتی صاحب کے معراج کمال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حواشی میں مختصر تعارفی حالات شامل کرنے سے کتاب کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

۳۔ تاریخ مخزن پنجاب — پنجاب کی مفصل تاریخ اور جغرافیہ کے علاوہ کشمیر، لداخ اور کشتواڑ کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

۴۔ حدیقۃ الاولیاء — اردو نثر میں پنجاب کے اولیاء کرام کے ذکر پر مشتمل ہے۔

۵۔ خزینۃ الاصفیاء (۱۲۸۱ھ) — اس میں سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لیکر مصنف کے زمانہ تک کے گیارہ سو صوفیاء، علماء اور شعراء کے تحقیقی حالات درج کئے ہیں۔ ہر شخصیت کی تاریخ ولادت اور وفات نظم میں لکھی ہے۔ مکتبۃ المعارف گنج بخش روڈ لاہور نے اس کا اردو ترجمہ پانچ جلدوں میں مرتب کروایا ہے اور پہلی جلد نہایت آب و تاب سے شائع کر دی ہے۔

۶۔ جامع اللغات — یہ آپ کی آخری اور نہایت قابلِ قدر تصنیف ہے۔ اس میں عربی، فارسی، ترکی اور اردو الفاظ کے معانی اردو میں بیان کئے ہیں۔ بطور سند اساتذہ کا کلام پیش کیا ہے اور جہاں کسی استاذ کا شعر نہیں مل سکا وہاں برمحل اپنا شعر پیش کیا ہے۔

ان کے علاوہ لغات سروری، اخلاق سروری، دیوان حمد ایزدی، کلیات لغت عرب، دیوان سروری، گلشن سروری، مخزن حکمت، تحفۂ سروری، انشائے یادگار اصغری وغیرہ بلند پایہ تصانیف آپ کے علمی و ادبی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔

آپ نے چار فرزند مفتی غلام حیدر، مفتی غلام صفدر، مفتی غلام اکبر، مفتی محمد انور اور ایک صاحبزادی اقبال بیگم یادگار چھوڑی۔

حضرت مولانا مفتی غلام سرور قدس سرہ کو حج بیت اللہ اور دربار رسالت میں حاضری کا بے انتہا اشتیاق تھا چنانچہ جولائی ۱۸۹۰ء میں حج مبارک کی سعادت سے مشرف ہوئے

حج کے بعد ۲۰ ذوالحجہ کو مدینہ منورہ روانہ ہوئے، تیسری منزل پر پہنچے تھے کہ مسافروں میں اچانک وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی، پانچویں منزل پر آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر ۲۴ ذوالحجہ/۱۲ اگست (۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) بروز جمعرات سفرِ آخرت اختیار کیا۔ نمازِ جنازہ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری نے پڑھائی اور آپ کو بیر بال احسانی (مضافات میدانِ بدر) میں سپردِ خاک کیا گیا۔ روضۂ اقدس کی حاضری کے متعلق آپ نے ایک قطعۂ تاریخ لکھا جسے آپ دربارِ رسالت میں پڑھنا چاہتے تھے وہی قطعہ آپ کی تاریخ وفات بن گیا ع

ابھی مر ونے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی (۱۳۰۷ھ)

آپ کے وصال پر متعدد شعراء نے مرثیے لکھے، تاریخیں کہیں اور اپنے رنج و الم کا اظہار کیا۔ مولانا پیر غلام دستگیر نامی نے تاریخ وفات کہی ہے ؎

گئے راہِ مدینہ میں گزر آہ جو تھے اک شہرۂ آفاق سرور
ہوا القا یہ تاریخ نامی قلم لے کر لکھو "مشتاقِ سرور" ۱

۱ محمد عالم شاہ ہاشمی: مقدمہ خزینۃ الاصفیاء (مطبوعہ مکتبۃ المعارف لاہور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۲ء) ص ۹-۲۳

بحرِ معرفت حضرت خواجہ غلام فرید فاروقی چشتی قدس سرہٗ (چاچڑاں شریف)

قدوۃ العاشقین حضرت خواجہ غلام فرید ابن حضرت خواجہ خدا بخش (م ۱۲ ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ) ابن حضرت خواجہ احمد علی (م ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ) ابن حضرت قاضی محمد عاقل (م ۸ رجب ۱۲۲۹ھ) خلیفۂ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدست اسرارہم ۲۶ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء کو چاچڑاں شریف (تحصیل خانپور) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں سے پہلے پہل مالک بن یحییٰ سندھ میں وارد ہوئے، بعد ازاں آپ کے اجداد نے کوٹ مٹھن کو شرفِ سکونت بخشا لیکن آپ کے والد ماجد سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر نواب صادق محمد خان اول کی درخواست پر چاچڑاں شریف میں قیام پذیر ہوئے تھے یہیں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا اسی دوران آپ کے والد ماجد کا وصال ہو گیا۔ ظاہری و باطنی علوم و معارف اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ فخرِ جہاں غلام فخر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ) سے حاصل کئے اور مرتبۂ کمال کو پہنچے، حضرت خواجہ فخرِ جہاں قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے ۱

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ملتانی زبان کے ملک الشعراء تھے۔ آپ کے وجد آفریں کلام میں بلا کا سوز ہے۔ آپ کی کافیاں آج بھی اثر آفرینی میں جواب نہیں

۱ احمد اختر میرزا بہادر شاہ ظفر: مناقب فریدی (مطبع احمدی، دہلی ۱۳۱۴ھ) ص ۹۹

نوٹ: جناب مسعود حسن شہاب نے اپنی تالیف "خواجہ غلام فرید" میں مقابیس المجالس کی اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی ولادت ذوالحجہ ۱۲۶۱ھ کے آخری عشرہ کے یکشنبہ ۲۳ ذوالحجہ کو ہوئی۔

۲ مسعود حسن شہاب: خواجہ غلام فرید (اردو اکادمی بہاولپور ۱۹۶۳ء) ص ۲۸-۳۶

دلکشیں، عوام وخواص کے لئے کیف وسرور کا خزینہ اور عشق وعرفان کا سرچشمہ ہیں۔ اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

"جس قوم میں خواجہ فرید اور اس کی شاعری موجود ہے، اس قوم میں عشق ومحبت کا موجود نہ ہونا تعجب انگیز ہے۔" [1]

چونکہ آپ مسئلہ وحدۃ الوجود کے بہت بڑے حامی تھے اس لئے آپ کے کلام میں اس مسئلہ کی نمایاں ترجمانی پائی جاتی ہے۔ آپ نے اردو، فارسی اور ملتانی زبان میں بھی اظہار خیال کیا ہے۔ آپ کے مطبوعہ دیوان کے مطالعہ سے قدرت بیان، جودت طبع اور بلندی تخیل کا پتہ چلتا ہے۔

آپ شریعت مطہرہ اور سنت مبارکہ پر سختی سے کاربند تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، رسوم بد کو ختم کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے۔ اپنے زمانہ کی عورتوں اور مردوں کے نازیبا افعال پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"عورتیں غیر مردوں کے سامنے اوڑھنی کندھے پر ڈال کر جلوہ گر ہوتی ہیں اور اسے باعث فخر سمجھتی ہیں، شادی بیاہ کے موقع پر بہت سی بری رسمیں پیدا ہو گئی ہیں مثلاً مرد اور عورتیں حلقہ باندھ کر رقص کرتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں اور حلقہ کے درمیان نقارہ بجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کئی ممنوع اور مہلک امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ نا بجاء کافروں کے کاموں کو مسلمانوں نے اپنا رکھا ہے اگر انہیں منع کیا جائے تو کہتے ہیں جس کام پر ہمارے باپ دادا تھے ہمیں وہی کافی ہے۔" [2]

---

[1] فیض احمد اویسی، مولانا، التذکار السعیدی فی ذکر خواجہ غلام فرید، مکتبہ اویسیہ بہاولپور، ۱۴۰۱ھ، ص ۵۴
[2] ایضاً، ص ۲۱

جود وسخا کی کوئی انتہا نہ تھی، دور ونزدیک کے کثیر التعداد غرباء ومساکین کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے، بہت سے یتیم اور بیوہ عورتیں آپ کے زیر سایہ خوشحالی سے وقت گزارتے، کبھی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتے۔ آپ نے سجادۂ فقر پر فائز ہونے کے باوجود علوم باطنی کے علاوہ ظاہری علوم کا درس بھی جاری رکھا، خاص طور پر حدیث شریف اور تصوف کی کتب کا درس ہمیشہ جاری رہتا، بڑے بڑے علماء حاضر خدمت رہتے لیکن جب آپ کسی مسئلہ پر اظہار خیال فرماتے اور تائید میں عقلی ونقلی دلائل کے انبار لگا دیتے تو انہیں اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرنا پڑتا۔ [1]

شوال ۱۳۰۶ھ میں جب مولانا غلام دستگیر قصوری نے براہین قاطعہ کی بعض عبارات پر (جو خلاف مسلک اہل سنت تھیں) گرفت کی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (مدرس اول جامعہ عباسیہ بہاولپور) سے ان عبارات پر مناظرہ کیا تو اس مجلس کے حکم نواب بہاولپور نواب محمد صادق عباسی کے پیر ومرشد حضرت خواجہ صاحب ہی تھے آپ نے فیصلہ دیا تھا کہ متنازعہ فیہا عبارات وہابیت کی ترجمانی کرتی ہیں اور مسلک اہل سنت کے خلاف ہیں۔ [2]

آپ نے چاچڑاں شریف میں ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام جامعہ فریدیہ رکھا اور اس میں اس دور کے چوٹی کے فضلاء کو تدریس پر مقرر کیا۔ اس مدرسہ سے بے شمار فضلاء پیدا ہوئے۔

حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کے مریدین ومعتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا، عوام اور خواص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفیض ہوتے۔ بڑے بڑے نواب اور امراء آپ کی نسبت ارادت اور خدمت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے۔ آپ کے درس توحید وہدایت سے ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد مستفید ہوئے اور متعدد حضرات منازل سلوک طے کر کے صاحب

---

[1] فیض احمد اویسی، مولانا، التذکار السعیدی، ص ۲۹-۳۱
[2] اقبال احمد فاروقی، مولانا، تقدیس الوکیل (حالات وتعلیقات مؤلف)

کمالی ہوسکے خلافت عطا کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، فرماتے تھے، جب تک کل منازل طے نہ ہو جائیں شیخ کو لازم ہے کہ مرید کو خرقۂ خلافت نہ دے۔ آپ کے چند خلفاء کے اسماء یہ ہیں :-

۱۔ حضرت خواجہ محمد بخش المعروف بہ نازک کریم رحمہ اللہ تعالے (فرزند ارجمند)
۲۔ مخدوم سید ولایت شاہ رحمہ اللہ تعالے (اوچ شریف)
۳۔ حضرت خواجہ میاں فضل حق ساروی رحمہ اللہ تعالے۔
۴۔ میاں بلند و خاں بیکانیری۔
۵۔ مولانا احمد بخش ساکن چنو عباسیاں (بہاولپور) وغیرہم [۱]

آپ کی بلند پایہ اور مقبول عام تصانیف یہ ہیں :-

۱۔ فوائد فریدیہ ، مسلک توحید اور اعتقادی مسائل پر بہترین کتاب۔
۲۔ دیوان فرید (اردو)
۳۔ 〃 (ملتانی)

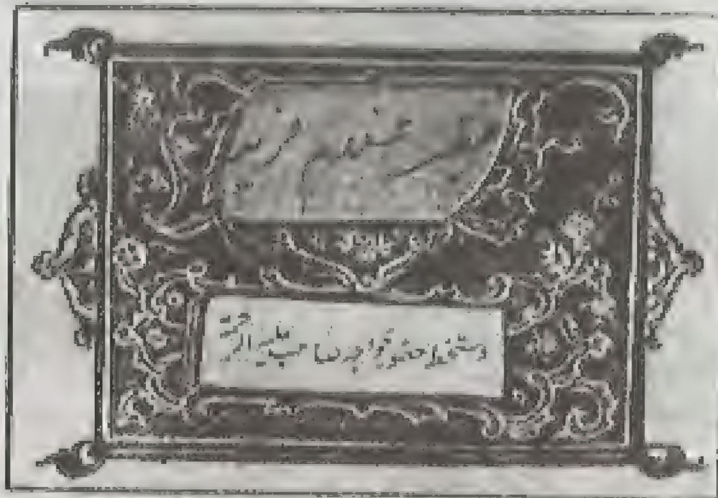
نیز آپ کے ملفوظات مرتبہ مولانا رکن الدین، "اشارات فریدی" کے نام سے چار جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں [۲]

۶ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ مزار پر انوار کوٹ مٹھن شریف (بہاولپور ڈویژن) میں مرجع خلائق ہے۔ قطعۂ تاریخ وصال یہ ہے :

"خدا امیدہ بہ قصر خلد امروز" (۱۳۱۹ھ)

---

[۱] فیض احمد اویسی، مولانا، التذکار السعید، ص ۶۸
[۲] ایضاً، ص ۶۴-۶۵
[۳] ایضاً، ص ۷۱



عارف باللہ حضرت مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ

استاذ الاساتذہ، مقتدائے اہل سنت حضرت مولانا عبد القادر المعروف بہ غلام قادر ہاشمی ابن مولانا غلام حیدر رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں بھیرہ، ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا غلام محی الدین بگوی (جو اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں درس حدیث پاک دیا کرتے تھے) اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا احمد الدین بگوی سے حاصل کی، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت مولانا مفتی صدر الدین، آزردہ صدر الصدور دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیل علوم کے بعد لاہور تشریف لے گئے اور اندرون بھاٹی دروازہ، اونچی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے، ان کی عالمانہ تقریر کی کشش سے دور دور کے لوگ حاضر ہونے لگے، بیگم شاہی مسجد کی متولیہ مائی جیواں آپ کے ارشادات سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنی مسجد کا خطیب مقرر کر دیا، بعد ازاں مسجد کی تولیت بھی آپ ہی کے سپرد کر دی۔[1]

سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے بہرہ ور تھے، آپ کے اوراد و اشغال میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اویسی نسبت کی بنا پر قادریت کا غلبہ تھا، مشہور تاریخ گو اور تذکرہ نویس بزرگ مولانا غلام دستگیر نامی لکھتے ہیں:-

"آپ کو لاہور کا قطب سمجھا جاتا تھا"[2]

۱۸۶۹ء میں اورینٹل کالج، لاہور میں عربی کے نائب استاد مقرر ہوئے اور دو سال تک طلباء کو علم و فضل سے فیضیاب کرتے رہے کہ انہی دنوں انگریزوں کو ایک فتوے

[1] محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور: تاریخ اولیائے چشت، لاہور، ص ۲۳۲

[2] غلام دستگیر نامی، مؤرخ: بزرگان لاہور، ص ۱۸۲

[3] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۳۸

کی ضرورت پیش آئی، متدین علماء نے صاف انکار کر دیا، کالج سے متعلق علماء سے رجوع کیا گیا تاکہ وہ وظیفہ خوار ہونے کی بنا پر انگریز کے منشا کے مطابق فتوے صادر کر دیں، مولانا غلام قادر بھیروی کے سامنے دستخط کرنے کے لئے فتوے پیش کیا گیا تو انہوں نے استعفاء پیش کر دیا اور فرمایا:

"میں ملازمت سے دستبردار ہو سکتا ہوں لیکن غلط فتوے کی تائید نہیں کر سکتا"

چنانچہ آپ نے جامعہ نعمانیہ، لاہور میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا اور تمام تر توجہ قرآن و حدیث کی تعلیم پر صرف کر دی۔[1]

لاہور کے سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلانے کے لئے عیسائیوں اور مرزائیوں کے علاوہ دیوبندی، وہابی، نیچری اور شیعہ علماء نے سازشوں کے جال بچھانے شروع کئے تو مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ نے تحریر و تقریر اور وعظ و مناظرہ کے ذریعہ سب کے دانت کھٹے کر دئے، علمی دبدبہ اور طبیعت کے جلال کے سبب کسی کو سامنے آنے کی جرأت کم ہی ہوتی تھی۔ آپ نے مسجد میں مفسدین کا داخلہ بند کر رکھا تھا اور مسجد کی پیشانی پر ایک پتھر نصب کروا دیا تھا جس پر یہ عبارت درج تھی:

"باتفاق انجمن حنفیہ و حکم شرع شریف قرار پایا کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری، مرزائی مسجد ہذا میں نہ آئے اور خلاف مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے"

فقیر غلام قادر عفی عنہ، متولی بیگم شاہی مسجد

آج کل کے بعض "دانشور" یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سنی وہابی اختلاف محض فروعی حیثیت رکھتا ہے لہذا آپس میں رواداری کا ثبوت دینا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ اہل سنت کو کافر و مشرک کہتے ہوئے نہیں جھجکتے، بارگاہ رسالت کے آداب کو پس پشت ڈال کر گستاخانہ روش اختیار کرتے ہیں، وہ کس رواداری کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

[1] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت، لاہور، ص ۳۲۸

مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ کی مسجد میں کوئی بدمذہب بغرضِ فساد داخل ہو جاتا تو اسے دھکے دے کر باہر نکلوا دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر علماء اہلِ سنت اس تصلب کا مظاہرہ نہ کرتے تو آج دین کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا۔ پنجاب کے علماء میں سب سے پہلے مرزائے قادیانی کے خلاف آپ ہی نے فتوے دیا اور اس وقت مرزا کی تردید کی جب کہ اس نے ابھی تک نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

پنجاب کے علماء کی غالب اکثریت آپ کے رشتۂ تلمذ میں منسلک تھی۔ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری۔
۲۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری (مصنف الکاویہ علی الغاویہ)
۳۔ مولانا نبی بخش حلوائی (مصنف تفسیر نبوی وغیرہ)
۴۔ مولانا غلام احمد حافظ آبادی (سابق صدر مدرس جامعہ نعمانیہ، لاہور)
۵۔ مولانا غلام حیدر قریشی پونچھوی۔
۶۔ قاضی ظفر الدین۔
۷۔ صوفی غلام قادر چشتی سیالوی۔[1]
۸۔ حضرت مولانا محمد ضیاء الدین مدظلہ العالی، مقیم مدینہ منورہ، خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ۔

مولوی حکیم عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"لم یکن لہ نظیر فی کثرۃ الدرس والافادۃ" [2]

"درس و افادہ کی کثرت میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا"

---

[1] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور، ص ۲۲۹
[2] عبد الحی لکھنوی، حکیم مؤرخ: نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۳۴۹

حضرت مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ نے درس و تدریس اور رشد و ہدایت کی بے پایاں مصروفیات کے باوجود تصانیف کا گرانقدر ذخیرہ یادگار چھوڑا، تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ اسلام کی گیارہ کتابیں (دینی تعلیم کا بہترین نصاب)
۲۔ الشوارق الصمدیہ، ترجمہ و تلخیص البوارق المحمدیہ (از مولانا شاہ فضل رسول بدایونی)
۳۔ نمازِ حضوری۔
۴۔ مقاماتِ خواجگان۔
۵۔ شمس الحنفیہ بجواب نصر الحنفیہ (مسئلہ وحدۃ الوجود)
۶۔ نور الربانی فی مدح المحبوب السبحانی۔
۷۔ شمس الضحیٰ فی مدح خیر الوریٰ۔
۸۔ نمازِ ضروری۔
۹۔ حقیقتِ انوارِ محمدیہ
۱۰۔ جوہر ایمانی۔
۱۱۔ مذاکرہ در صلوٰۃ جنازہ۔
۱۲۔ فاتحہ خوانی۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ انگریزی خوان طبقے کو تواریخ حبیب الٰہ اور اسلام کی گیارہ کتابیں پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

استاذ الاساتذۃ العصر حضرت مولانا غلام قادر قریشی ہاشمی بھیروی قدس سرہ العزیز ۱۹ ربیع الاول، ۱۰ اپریل (۲۷-۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء) کو واصل بحق ہوئے[1] اور بیگم شاہی مسجد میں محوِ استراحت ابدی ہوئے۔ نمازِ جنازہ میں خلقِ خدا کا ہجوم اس قدر تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ مولانا کرم الدین دبیر بھیں ضلع جہلم فرماتے ہیں:۔

"مولانا غلام قادر صاحب مرحوم کا جنازہ جب شہر لاہور میں اٹھایا گیا تو ہجوم خلائق اس قدر تھا کہ نماز جنازہ باہر بیڈن میں پڑھی گئی، کارخانوں کے مزدوروں نے اس روز مزدوری ترک کر کے شمولیت جنازہ کی۔" [2]

آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے تاریخ وفات کہی:

(۱) منبع فیض ربِ جلیل
۱۳ ۵ ۲۷

(۲) در خلد بریں قبلہ من
۱۳ ۵ ۲۷

---

[1] غلام دستگیر ہاشمی، پیر: بزرگانِ لاہور، ص ۲۱۶
[2] کرم الدین دبیر، مولانا: تازیانۂ عبرت (اردو دوم) ص ۸-۱۹۷

مولانا فتح محمد فاروقی حقیر نے تاریخ وفات ۱۳۲۶ھ قرار دیتے ہوئے قطعۂ تاریخ کہا ہے ؎

تھے غلام قادر ساکن جو مولوی باصفا
تھے ستونِ دینِ احمد بے ریا و باعمل
تھے علاقہ بھر میں کہتا اہلِ سب کے تھے دوست
گوہرِ بحرِ علوم اور تھے مناظر بے بدل
تھا ربیع الاول اور انیسویں تاریخ تھی
چارشنبہ کا تھا دن جب آ گئی ان کی اجل
دارِ فانی سے گئے ملکِ بقا کو جبکہ وہ
مرگ سے ان کی گیا سب کے متوں کا دل دہل
سالِ رحلت پوچھا ہاتف سے جو میں نے سلے حقیر
کان میں میرے کہا "مغفور" اس نے بے خلل ؎[1]
۱۳۲۶ھ

[1] محمد امام الدین، مولانا: ریاض المنور۔ (شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین، لاہور ۱۳۳۳ھ)، ص ۲۴

حضرت مولانا غلام قادر شائق فاروقی رسول نگری رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا حاجی غلام قادر شائق فاروقی قادری نوشاہی رحمۃ اللہ تعالیٰ ابن مولانا شیخ احمد (ف ۱۲۴۳ھ) قصبہ رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے ایک قدیمی علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ نے اپنے والد گرامی سے تحصیلِ علوم کی اور حضرت حافظ سید قل احمد نوشاہی ثانی برخورداری ساکن پارہی (ف ۱۲۸۹ھ) سے بیعت ہو کر خلافت سے نوازے گئے۔

مولانا شائق عربی اور فارسی کے بلند پایہ ادیب و شاعر اور خوش نویس تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی باکمال تھے اور اپنے علاقہ کے مفتی اعظم تھے۔ آپ کی تصنیف "شائق" [illegible] ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ آپ کی بیاض کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے عصر سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ ان علمائے کرام میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری (ف ۱۳۱۲ھ)
۲۔ حضرت مولانا عبدالرسول قصوری (ف ۱۲۹۲ھ)
۳۔ مولانا سراج الدین (گوجرانوالہ)
۴۔ مولانا عبدالرحمٰن ساکن چوکالیاں (ف ۱۲۹۸ھ)
۵۔ مولانا شیخ عبداللہ (چک عمر ضلع گجرات)
۶۔ مولانا حکیم غلام احمد (کوٹ تارڑ والے) (ف ۱۲۹۹ھ) جو حضرت مولانا محمد عالم آسی امرتسری کے جدِ امجد تھے۔

حضرت مولانا غلام قادر شائق رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو صاحبزادے تھے، مولانا محمد دین اور مولانا نور الدین، یہ دونوں حضرات جید عالم اور خوش نویس تھے، مولانا محمد دین کے بیٹے مولانا مفتی بشیر حسین خطیب جامع مسجد محلہ گورستان، گوجرانوالہ، باصلاحیت اور صاحبِ تصانیف ہیں۔

حضرت مولانا شائق ۱۳۰۱/۳/۱۲ – ۱۸۸۲ء میں واصل بحق ہوئے اور وصال سے ایک روز قبل خود ہی اپنی تاریخِ وصال کہی جو درج ذیل ہے ؎

الٰہی از کرم پیدا کنی خلق
فتعطی الرزق فضلاً غیر عدلٖ
چو با فضلت شدم محتاج گفتم
کہ "یا اللہ ترزقنی بالفضلٖ"

۱۳ ۰ ۱

حاشیہ اس فاضل جلیل کے تفصیلی حالات مولانا سید شرافت احمد شرافت نوشاہی نے "شریف التواریخ" جلد سوم میں تحریر کئے ہیں، یہ حالات اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

مجاہد تحریک آزادی مولانا غلام مجدد سرہندی مجددی قدس سرہٗ

حضرت مولانا الحاج غلام مجدد سرہندی ابن حضرت مولانا عبدالحلیم ابن حضرت عبدالرحیم مجددی سرہندی (قدست اسرارہم) ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۱۰ واسطوں سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ نے میدانِ سیاست کو منتخب کیا اور فرنگی سامراج کے خاتمہ کے لئے زبردست جدوجہد کی۔ علی برادران کے ساتھ دو سال جیل میں رہے، اسی دوران قرآن پاک کے پندرہ پارے حفظ کر لئے۔

آپ کٹر مسلم لیگی منجھے ہوئے سیاست دان، شعلہ بیان خطیب اور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے محب تھے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں فضا ہموار کرنے کے لئے ولولہ دار تقریریں کیں اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے شب و روز کام کیا۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

حق گوئی، بے باکی، مہمان نوازی اور خود داری آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ باوجودیکہ آپ ہندوؤں کے سخت مخالف تھے، ہندو آپ کا دلی طور پر احترام کرتے تھے۔ چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد کئی ہندو جاتے ہوئے اپنے مکانات آپ کے حوالے کر گئے جو آپ نے مہاجرین کے حوالے کر دئے البتہ دیوان ولی رام کے بنگلہ واقع ہیرآباد حیدرآباد میں آپ نے رہائش اختیار کر لی، کچھ عرصہ کلکٹر حیدرآباد نے یہ کہہ کر آپ سے بنگلہ خالی کرا لیا کہ یہ آپ کی ضرورت سے زائد ہے۔ چیف منسٹر سندھ کو پتہ چلا تو اس نے کہا کہ اگر مولانا غلام مجدد مجھ سے ملیں تو میں انہیں بنگلہ واپس دلا دوں گا۔ آپ نے شانِ بے نیازی سے فرمایا:۔

"میرے لئے بنگلے کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔"

یہ بات خان لیاقت علی خان کو بھی پہنچ گئی، انہوں نے معذرت کے ساتھ بنگلہ آپ کو واپس کر دیا اور کلکٹر صاحب پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

اپریل ۱۹۵۷ء/۱۳۷۶ھ کو مجمع علم و فضل، پیکرِ زہد و تقویٰ، میدانِ شجاعت و فصاحت کا شہسوار، تحریکِ پاکستان کی صفِ اول کا مجاہد دنیا سے رخصت ہو گیا جنہیں ایک دنیا غلام مجاہد کے نام سے یاد کرتی تھی (رحمہ اللہ تعالیٰ) ٹھیاری ضلع حیدرآباد میں آپ کا مزار شریف ہے۔

مولانا غلام رسول جان سرہندی درویش منش بزرگ آپ کے فرزندِ ارجمند ہیں[1]

---

[1] مکتوب مولانا پیر محمد اسحاق جان سرہندی مدظلہ، (میرپور خاص سندھ) بنام راقم الحروف ۱۰ دسمبر ۱۹۷۶ء

شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ العزیز

علامۂ زماں فاضلِ اجل مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ العزیز موضع گمرالی (گجرات) میں جمادی الاولیٰ ہجری ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور صرف و نحو کی کتابیں چکوڑی (گجرات) میں مولانا محمد چراغ سے پڑھیں، پھر قصبہ گھوٹہ ضلع ملتان میں سیبویہ زمانہ مولانا حافظ محمد جمال رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر قطبی اور میبذی تک کتابیں پڑھیں بعد ازاں مولانا علامہ سید غلام حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں موضع کلیری (مظفر گڑھ) حاضر ہوئے اور اکتسابِ علوم کیا، پھر بمقام جگی (مضافاتِ کیمبلپور) مولانا علامہ محمد زمان رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے، انہیں آپ کی ظاہری حالت بکھرے ہوئے بال اور پرانے کپڑے دیکھ کر گمان ہوا کہ یہ پڑھنے والا طالب علم نہیں ہے اس لئے انہوں نے داخلے کی اجازت نہ دی، مولانا خاموشی سے بیٹھ گئے، اتفاقاً صدرا (شرح ہدایۃ الحکمۃ) کا ایک مشکل ترین مقام زیرِ درس تھا، مولانا محمد زمان نے اس مقام کی تقریر کی اور طلبہ کو تقریر دہرانے کے لئے کہا لیکن کوئی بھی اسے دہرا نہ سکا، علامہ گھوٹوی نے اجازت طلب کی اور پوری تفصیل سے اس مقام کو بیان کر دیا، اب جو مولانا محمد زمان کو ان کی قابلیت کا پتہ چلا تو نہ صرف داخلے کی اجازت دی بلکہ انہیں قربِ خاص سے نوازا۔

وہاں کچھ عرصہ استفادہ کرنے کے بعد جامعہ نعمانیہ لاہور چلے آئے اور مولانا علامہ غلام احمد حافظ آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا، پھر علامۂ زمن مولانا احمد حسن کانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر فنونِ عالیہ کا درس لیا، ڈیڑھ سال بعد جب ان کا وصال ہو گیا تو آپ مدرسہ عالیہ رامپور میں مولانا فضل حق رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس میں شریک ہوئے اور کسبِ فیض کیا، طب اور صحاح کا درس حضرت مولانا وزیر حسن رامپوری سے لیا، سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں شیخ الاسلام مرشد السالکین حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے

فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس مقرر ہوئے اور تین سال تک درس
دیا ۔ ازاں بعد قصبہ گھوٹہ میں تشریف لے آئے یہاں بیس سال تک علم و فضل کے دریا
بہائے اور قصبہ گھوٹہ میں قیام کی وجہ سے گھوٹوی مشہور ہو گئے ، پھر نواب صاحب کے
بلانے پر بہاولپور تشریف لے گئے اور جامعہ عباسیہ (اب جامعہ اسلامیہ) بہاولپور
کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے اور تقریباً بیس سال تک علوم دینیہ کی گرانقدر خدمات انجام دیں
اور بے شمار تشنگانِ دولتِ علم و فضل کو منزلِ مراد تک پہنچایا [1]

مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ اپنے دور کے شہرہ آفاق علامہ اور زبردست مناظر
تھے بہت سے مناظروں میں آپ کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے ۔

۱۹۱۱ء میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے ، ارادہ یہ تھا کہ اجمیر شریف
حاضری دے کر بمبئی سے جہاز پر سوار ہوں گے لیکن دہلی کے اسٹیشن پر پتہ چلا کہ کئی گھنٹے
انتظار کرنی پڑے گی ، اتفاقاً اس وقت دیوبند جانے والی گاڑی تیار تھی ، آپ اس میں
سوار ہو گئے ۔ دیوبند پہنچے تو دیکھا کہ مولوی محمود حسن مسئلہ سماع موتیٰ پر اجلاس سے
خطاب کر رہے ہیں ، حضرت شیخ الجامعہ نے اجلاس کے دوران مداخلت کرتے ہوئے
فرمایا علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں آپ کی عالمانہ گفتگو سے مولوی
محمود حسن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جب انہیں پتہ چلا کہ یہ مولانا غلام محمد گھوٹوی ہیں
تو فوراً آپ کو اسٹیج پر لے گئے اور کہنے لگے :۔

" مردے سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں محمود کا کیا بگڑتا ہے ؟ " [2]

۱۹۲۳ء میں جب حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ قدس سرہ اور مولوی جلال الدین شمس
قادیانی کے درمیان مسئلہ " حیات مسیح " پر مناظرہ ہوا تو مولانا غلام محمد گھوٹوی اہل اسلام
کی جماعت کے صدر تھے ، اس مناظرہ میں اسلامی مناظر مولانا مفتی غلام مرتضیٰ قدس سرہ کو
زبردست کامیابی ہوئی اور قادیانی مناظر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ مقدمہ فیصلہ بہاولپور میں بھی

---

[1] غلام مہر علی مولانا : الیاقوت المہریہ : ص ۹۷ - ۹۹
[2] مہر منیر : حضرت شیخ الجامعہ مقالہ : صاحبزادہ الزبیر بہاولپور (۳) ۱۹۷۲ء : ص ۷۹

آپ نے اہم کردار ادا کیا ۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی ابتداءً نیشنل کانگرس ملتان ڈویژن کے صدر رہے بعد ازاں
مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریک پاکستان کے لئے دل و جان سے کام کیا ۔ قیام
پاکستان کے بعد جب مہاجرین کے قافلے بہاولپور آئے تو ان کی آبادکاری کے لئے نہایت
سرگرمی سے کام کرتے رہے [1]

حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا ،
ان میں سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مہر محمد اچھروی قدس سرہ العزیز کا نام نامی
سرفہرست ہے ۔

ان کے علاوہ چند تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

۱۔ پیر امام علی شاہ — سرآباد تحصیل لودھراں ، ملتان
۲۔ مولوی محمد شفیع — مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ، چشتیاں شریف
۳۔ مولانا سید دین محمد شاہ — مظفر گڑھ
۴۔ مولانا محمد ذاکر — بانی جامعہ محمدی — جھنگ
۵۔ مولانا محمد صادق — دریاپور
۶۔ علامہ رحمت اللہ ارشد — (مشہور لیڈر) — بہاولپور
۷۔ مولوی غلام یٰسین — وال بھچراں
۸۔ مولانا افضال الحق — رامپور
۹۔ پیر ولایت شاہ — گجرات
۱۰۔ مولانا مفتی عطا محمد — رتہ ، چکوال [2]

حضرت شیخ الجامعہ نے علم غیب پر ایک مسودہ رسالہ لکھا تھا جو طبع نہ ہو سکا ۔

---

[1] مہر منیر ، ص ۷۷
[2] ایضاً ، الزبیر صاحبزادہ (۲-۱) ۱۹۷۲ء ، ص ۶۷

"تمہارا ہاتھ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا ہے۔ وہ تمہارے ہر کام دینی و دنیوی میں مدد و معاون ہوں گے۔" ؎۱

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ آپ پر نہایت مہربان تھے، گاہ و بیگاہ ان کی عنایات کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ خان نجیب الدین خان قصوری حاضر تھے، حضرت شاہ صاحب نے بطور انبساط فرمایا "غلام محی الدین کو کس جگہ کا پیر بنایا جائے؟" خان صاحب نے کہا "انہیں قصور کا پیر بنا دیجئے"۔

اس پر حضرت شاہ صاحب جوش میں آگئے اور فرمایا:۔

"تم بہت کم ہمت ہو، ہم انہیں سارے پنجاب کا پیر بنائیں گے۔" ؎۲

آپ نے علم حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے پڑھا اور علم حدیث پڑھانے کی باقاعدہ سند حاصل کی ؎۳

خلافت و فراغت کے بعد آپ نے اپنے مسکن قصور کو رشد و ہدایت کا مرکز بنایا اور اپنے شیخ کے حکم سے دور دراز کا سفر کیا اور درس توحید و معرفت کو عام کیا، ہزاروں افراد آپ کی تربیت اور راہنمائی سے راہ راست پر آ گئے۔ یہ وہ دور تھا جب پنجاب پر سکھوں کے تسلط نے ہر شخص کو ہراساں کر رکھا تھا۔ آپ کے اخلاق کریمہ اخلاق نبوی کا بہترین نمونہ تھے لباس، خوراک، گفتگو، نشست و برخاست، غرض ہر کام میں سنت مطہرہ کے اتباع کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے، بزرگان دین خاص طور پر حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کمال عقیدت و محبت رکھتے تھے، ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

طریقم قادری عرقم قریشی — حنیفی مشربم مولد قصوری
غلام غوث اعظم محی الدینم — طفیلش یافتم ہر دم حضوری ؎۴

؎۱ محمد حسن نقشبندی، حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، ص ۳۵۷
؎۲ شبیر احمد سعید: انوار محی الدین، ص ۵۰
؎۳ ایضاً، ص ۵۲
؎۴ ایضاً، ص ۹۹

آپ ہمیشہ ملاقات کرنے والوں کو اتباع شریعت کی تلقین، علماء سوء اور انگریز سے دور رہنے کا درس دیا کرتے تھے، چنانچہ نواب شیر محمد خان ٹوانہ کو فرمایا:

"علماء سوء کے وعظ میں شرکت نہ کرنا، شریعت کے احکام کی پابندی کرنا، فرنگی حکام سے نفرت رکھنا۔" ؎۱

حضرت خواجہ قصوری اپنے دور کے خدا رسیدہ بزرگ اور بلند پایہ ولی تھے، آپ سے کرامات کا ظہور ایک عام سی بات تھی۔ کوئی شخص اولاد کے حصول کے لئے تعویذ مانگتا تو تعویذ دیتے وقت اگر آپ ارشاد فرماتے کہ اسے چاندی کے خول میں بند کر کے رکھنا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ لڑکی ہوگی اور اگر فرماتے کہ اسے جست کے خول میں رکھنا تو بیٹے کا پیدا ہونے کی بشارت ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی نے تعویذ طلب کیا تو آپ نے فرمایا اسے چاندی کے خول میں رکھنا آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی نے عرض کی: حضور اسے لڑکے کی خواہش ہے۔ آپ نے فرمایا اب تو چار ماہ گزر چکے ہیں چنانچہ اس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ؎۲

تبلیغ کے علاوہ تدریس پر بھی کافی توجہ صرف فرماتے تھے، تشنگان علوم ظاہری اور باطنی علوم کے فیض سے سرشار ہوتے تھے۔ آپ تمام متداولہ علوم میں مہارت کاملہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا بہترین ذوق بھی رکھتے تھے لیکن حمد باری، نعت شریف اور منقبت کے علاوہ کسی موضوع پر خامہ فرسائی نہ فرماتے تھے۔ آپ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں بے تکلف اظہار خیال فرماتے تھے، آپ کے کلام میں روانی، قوت بیان، کیف و سرور اور استادانہ پرکاری کے جوہر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ایک قصیدہ نعتیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں عربی و فارسی کے امتزاج نے دلکشی اور عجیب حسن پیدا کر دیا ہے ؎

؎۱ شبیر احمد سعید: انوار محی الدین، ص ۱۸۰
؎۲ ایضاً: ص ۱۶۵-۶۶

آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے :

۱۔ مولانا عبدالحی چشتی

۲۔ مولانا حافظ غلام احمد

۲۷ جمادی الاولیٰ / ۹ مارچ (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) بروز منگل آپ کا وصال ہوا اور قبرستان ملوک شاہ متصل نور محل، بہاولپور میں دفن ہوئے۔[1]

۱۔ عبدالحی چشتی : الزبیر سہ ماہی (۲)، ۱۹۷۲ء ، ۲ ص ۷۹

مبلغ اسلام حضرت مولانا غلام محمد ترنم امرتسری قدس سرہ

شعلہ بیان مقرر، مبلغ اسلام مولانا غلام محمد ترنم ابن جناب عبدالعزیز، امرتسر میں ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی دینی تعلیم پروفیسر عبدالرحیم اور فقیہ عصر مولانا مفتی عبدالصمد خاں کاشمیری سے حاصل کی، قالین بافی اور شال بافی کا کام سیکھا، حکیم فیروزالدین فیروز طغرائی کی خدمت میں طلب علم کے لئے حاضر ہوئے اور بہت جلد منشی فاضل اور ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا، علامہ طغرائی کے جانشین علامہ محمد حسین عرشی امرتسری نے آپ کا تخلص ترنم تجویز کیا۔ اس کے بعد مختلف اساتذہ سے علوم و فنون کی تحصیل کر کے ادب عربی کے فاضل مولانا محمد عالم آسی امرتسری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب عربی کی کتابیں پڑھ کر مولوی فاضل کا امتحان دیا، علوم دینیہ سے فارغ ہو کر طب کی کتابیں حکیم حاجی محمد علی، حکیم محبوب عالم اور حکیم فتح چند سے پڑھیں، لاہور کے نامور طبیب حکیم شہزادہ غلام محمد سے اصول طب سیکھے اور انگریزی میں بھی خاصی استعداد پیدا کر لی۔

مولانا ترنم قادر الکلام مقرر تھے۔ ان کی تقریر میں روانی، بے باکی، بے پناہ خلوص اور سب سے بڑھ کر سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عشق جلوہ گر ہوتا تھا، غالباً ۱۹۳۱ء میں امرتسر میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی جس کی بدولت مسلمان نوجوانوں کے لئے یونیورسٹی کے امتحانات پاس کرنے آسان ہو گئے، مولانا ترنم انجمن تبلیغ الاحناف امرتسر کی روح رواں تھے جس کے زیر اہتمام ہر سال عرس امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا، اسی انجمن نے دارالعلوم حنفیہ صوفیہ کی بنیاد رکھی جس کا افتتاح ۱۹۴۵ء میں حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی نے کیا۔ قیام امرتسر کے دوران مختلف سیاسی تحریکوں میں حصہ لیا خصوصاً تحریک پاکستان میں فعال کردار ادا کیا، اپنی شعلہ بیان تقاریر کے ذریعے مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کیا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں قیام پذیر ہوئے، جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ، بیرون موری گیٹ وعظ و درس کا سلسلہ جاری کیا، پھر عقیدتمندوں کی فرمائش پر مسجد سول سیکرٹریٹ میں خطابت کی

ذمہ داری قبول کی۔ ایک عرصہ تک جمعیت علمائے پاکستان (پنجاب) کے صدر رہے پھر مرکزی جمعیت کے نائب صدر ہو گئے اور نہایت وقیع خدمات انجام دیں۔

تحریک ختم نبوت میں پرجوش حصہ لیا اور نو ماہ سے زائد عرصہ تک جیل کی صعوبتوں کو پامردی سے برداشت کیا۔ مولانا ترنم حضرت حافظ الحاج پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ سے بیعت تھے، حضرت شاہ علی حسین قادری کچھوچھوی سے بھی کسب فیض کیا۔ بے شمار بیش قیمت مضامین کے علاوہ چند علمی تبرکات آپ سے یادگار ہیں: تحفۂ کرام، دستور پاکستان، مقدمہ و حواشی بطل نبوت، الجہاد، غلاف کی چادر۔ ماہنامہ ترجمان لاہور جو تین سال تک جاری رہا، مولانا ترنم اس کے پرنٹر اور پبلشر تھے، مولانا ترنم نغز گو شاعر بھی تھے، پنجابی، اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔

اڑھائی تین سال تک ذیابیطس کے مریض رہ کر ۱۷ محرم الحرام، ۲۳ جولائی (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو سفر آخرت اختیار کیا، مزار گورستان میانی، لاہور میں بہاول پور روڈ پر واقع ہے۔[1]

۱؎ محمد صادق قصوری، تذکرۂ اہلسنت، مولانا غلام محمد ترنم

قدوۃ المحققین علامہ مولانا غلام محمود قدس سرہ (محشی تکملہ عبد الغفور)

امام معقولات و منقولات، فاضل ریاضیات، ادب عربی کے بلند پایہ ادیب، فقہ حنفی کے متبحر فاضل یگانۂ زمانہ مولانا غلام محمود بن نور نگ بن محمد باقر، بمقام قصبہ واندہ محمد خان ضلع میانوالی میں ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ اسی جگہ حافظ محمد مرزا سے قرآن مجید حفظ کیا، فارسی و صرف کی کتابیں اور نحو، عروض اور قوافی کی بعض کتابیں مولانا سلطان محمود بندیالوی (بندیال، ضلع سرگودھا) سے پڑھیں، کتب نحو کی تکمیل مولانا فیض محمد شاہ جمالی (قصبہ شاہ جمال، ملتان) سے کی، فنون کی کتابیں جامعہ نعمانیہ، لاہور میں مولانا غلام احمد حافظ آبادی سے پڑھیں، کتب ریاضی میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا، درس حدیث مولانا محمود حسن شیخ الحدیث دیوبند سے لیا، ۱۹۰۲ء کو فارغ التحصیل ہو کر پپلاں (لیاقت آباد، ضلع میانوالی) میں تدریس کا کام شروع کیا، ۱۹۰۷ء میں مکھڈ شریف ضلع کیمبلپور تشریف لے گئے۔ اسی دور میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے، تین سال وہاں قیام کیا، اس کے بعد تین سال چکی شیخا (ضلع کیمبلپور) اور تین سال وطن قیام پذیر رہے اور تین سال ترکھال ضلع ملتان میں کام کیا پھر واپس آکر پپلاں میں دارالعلوم محمودیہ قائم کیا اور تمام عمر علوم دینیہ کی خدمت میں صرف کر دی۔

آپ کو تمام علوم دینیہ میں زبردست عبور حاصل تھا، خاص طور پر صرف و نحو، فقہ و اصول، ادب عربی، ہیئت، زیج الحبیب، ربع المقنطرہ اور زیج وغیرہ میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ اکثر و بیشتر علم و عرفان کے ماہتاب بن کر چمکے، ملک المدرسین مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی زیب مسند تدریس دارالعلوم مظہریہ امدادیہ، بندیال ضلع سرگودھا اور حضرت مولانا پیر سید محمد کرم شاہ بھیروی فاضل جامعہ ازہر، مدیر اعلیٰ ماہنامہ ضیائے حرم آپ ہی کے فیض یافتہ ہیں۔

آپ کی تصنیفات تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ شاہکار ہیں، چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱۔ نجم الرحمٰن — علم غیب کے موضوع پر فاضلانہ تالیف۔

۲۔ الدهقان شادان : گرامر فارسی ، (نحو اور ریاضی میں بھی رسائل لکھے ہیں)

۳۔ تحفۂ سلیمانیہ : آفتاب پنجاب مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے تکملۂ عبد الغفور کا حاشیہ ،

تکملۂ عبد الغفور نحو کی نہایت ادق کتاب ہے ، اس سے پہلے اس پر کوئی مستقل حاشیہ نہ تھا ، یہ پہلا مستقل حاشیہ ہے جس میں سلیس اور شگفتہ عربی عبارت میں اس کے مطالب کی تشریح اس خوبی سے کی ہے کہ بے ساختہ علامہ لقمان کی دقت نظر اور تحریر کی فصاحت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے ۔

۲۳ رمضان المبارک ، یکم اگست (۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء) کو آپ کا وصال ہوا ، آپ کے صاحبزادے مولانا غلام محمد حسین شوقی ، دار العلوم محمدیہ میں تدریس علوم و فنون میں مصروف ہیں[۱]

---

[۱] غلام مہر علی گولڑوی : الیواقیت المہریہ ص ۲۰-۲۱

قدوۃ العارفین حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری ثم الصنوی قدس سرہ

شیخ المشائخ ، امام الفضلاء ، مرجع العرفاء حضرت مولانا خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری ابن حضرت مولانا غلام مصطفٰے ابن حضرت مولانا غلام مرتضٰے (رحمہم اللہ تعالٰے) ۱۲۰۲ھ/ ۸-۱۷۸۷ء میں قصور میں پیدا ہوئے[۱] آپ کے والد ماجد اور جد امجد بلند پایہ ولی اور متبحر اہل علم تھے پنجابی زبان کے شیکسپیئر پیر وارث شاہ اور حضرت پیر بلھے شاہ قدس سرہما آپ کے جد امجد ہی کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے[۲] آپ کا شجرۂ نسب خلیفۂ اول یار غار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ملتا ہے ، آپ کے اجداد عرب سے ہجرت کر کے پہلے سندھ تشریف لائے پھر سندھ سے آکر قصور کو اپنا مسکن بنا لیا[۳]

ابھی حضرت خواجہ قصوری رحمہ اللہ تعالٰی کی عمر بمشکل ایک سال تھی کہ والد ماجد کا ظاہری سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ کی تربیت کا ذمہ آپ کے عم بزرگوار حضرت خواجہ شیخ محمد نے اٹھایا ۔ تمام علوم متداولہ معقول و منقول کی تحصیل عم بزرگوار سے کی اور انہی سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہو کر خلافت حاصل کی ، عم محترم کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی اکتساب فیض کیا جن میں سے مولانا با سید اللہ رحمہ اللہ تعالٰے کا اسم گرامی ملتا ہے[۴] عم مکرم کے وصال کے بعد قطب الاقطاب حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ تعالٰے کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور گیارہ ماہ شیخ کی خدمت میں رہنے کے بعد سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کبرویہ قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ میں ماذون مجاز ہوئے ، حضرت شاہ صاحب نے بیعت کے بعد آپ کا ہاتھ ہوا میں لہرا دیا اور فرمایا :-

---

[۱] نفیس احمد ، سید : انوار محی الدین ، ص ۱۴

[۲] ایضاً : ص ۱۹

[۳] ایضاً : ص ۵

[۴] ایضاً : ص ۴۳

"تمہارا ہاتھ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں
دیا ہے تمہارے ہر کام دینی و دنیوی میں ممد و معاون ہوں گے۔" [1]

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ آپ پر نہایت مہربان تھے، گاہ و بیگاہ ان کی عنایات کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ خان نجیب الدین خاں قصوری حاضر تھے، حضرت شاہ صاحب نے بطور انبساط فرمایا "غلام محی الدین کو کس جگہ کا پیر بنایا جائے؟" خاں صاحب نے کہا "انہیں قصور کا پیر بنا دیجئے"

اس پر حضرت شاہ صاحب جوش میں آگئے اور فرمایا:

"تم بہت کم ہمت ہو، ہم انہیں سارے پنجاب کا پیر بنائیں گے۔" [2]

آپ نے علم حدیث حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے پڑھا اور سلسلہ حدیث پڑھانے کی باقاعدہ سند حاصل کی [3]

خلافت و فراغت کے بعد آپ نے اپنے مسکن قصور کو رشد و ہدایت کا مرکز بنایا اور اپنے شیخ کے حکم سے دور دراز کا سفر کیا اور درس توحید و معرفت کو عام کیا، ہزاروں افراد آپ کی تربیت اور راہنمائی سے راہ راست پر آئے۔ یہ وہ دور تھا جب پنجاب پر سکھوں کے تسلط نے ہر شخص کو ہراساں کر رکھا تھا۔ آپ کے اخلاق کریمہ اخلاق نبوی کا بہترین نمونہ تھے لباس، خوراک، گفتگو، نشست و برخاست غرض ہر کام میں سنت مطہرہ کے اتباع کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے، بزرگان دین خاص طور پر حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کمال عقیدت و محبت رکھتے تھے، ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

طریقم قادری عرفم قریشی ۔۔۔ حنیفی مشربم مولد قصوری
غلام غوث اعظم محی الدینم ۔۔۔ طفیلش یافتم بردم حضوری [4]

۱؎ محمد حسن نقشبندی، حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، ص: ۳۵۹
۲؎ شبیر احمد سعید، انوار محی الدین، ص: ۵۰
۳؎ ایضاً، ص: ۵۲
۴؎ ایضاً، ص: ۹۹

آپ ہمیشہ ملاقات کرنے والوں کو اتباع شریعت کی تلقین، علماء سوء اور انگریز سے دور رہنے کا درس دیا کرتے تھے، چنانچہ نواب شیر محمد خاں ٹوانہ کو فرمایا:

"علماء سوء کے وعظ میں شرکت نہ کرنا، شریعت کے احکام کی پابندی کرنا، فرنگی حکام سے نفرت رکھنا۔" [1]

حضرت خواجہ قصوری اپنے دور کے خدا رسیدہ بزرگ اور بلند پایہ ولی تھے۔ آپ سے کرامات کا ظہور ایک عام سی بات تھی، کوئی شخص ولد کے حصول کے لئے تعویذ مانگتا تو تعویذ دیتے وقت اگر آپ ارشاد فرماتے کہ اسے چاندی کے خول میں بند کر کے رکھنا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ لڑکی ہوگی، اور اگر فرماتے کہ اسے جست کے خول میں رکھنا تو یہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی نے تعویذ طلب کیا تو آپ نے فرمایا اسے چاندی کے خول میں رکھنا، آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی نے عرض کی، حضور اسے لڑکے کی خواہش ہے، آپ نے فرمایا اب تو چار ماہ گزر چکے ہیں چنانچہ اس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی [2]

تبلیغ کے علاوہ تدریس پر بھی کافی توجہ صرف فرماتے تھے، تشنگان علوم ظاہری اور باطنی علوم کے فیض سے سرشار ہوتے تھے، آپ تمام متداولہ علوم میں مہارت کاملہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا بہترین ذوق بھی رکھتے تھے لیکن حمد باری، نعت شریف اور منقبت کے علاوہ کسی موضوع پر خامہ فرسائی نہ فرماتے تھے، آپ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں بے تکلف اظہار خیال فرماتے تھے، آپ کے کلام میں روانی، قوت بیان، کیف و سرور اور استادانہ پرکاری کے جوہر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ایک قصیدہ نعتیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں عربی و فارسی کے امتزاج نے دلکشی اور عجیب حسن پیدا کر دیا ہے ؎

۱؎ شبیر احمد سعید، انوار محی الدین، ص: ۱۸۰
۲؎ ایضاً، ص: ۱۶۰-۱۶۵

اے شرفِ آلِ آدم و دُرِّ فخرِ انبیاء	انت الذی وصالک لی غایۃ المطلب
حقا کہ در کمالِ جمالت نظیر نے	فی المشرق والمغرب فی الارض والسماء
احوالِ امتت ہمہ معلوم یک بہ یک	من شک فیہ ضل ومن ایقن اہتدی
جز بر شفاعتت نبود اعتمادِ دل	عجل لنا الشفاعۃ یا شافع الوری
ہر کس وسیلہ نامِ تو دارد بہ شوقِ دل	الکل یطلبونک انت ومن مضی

یارب بفضلِ خویش رسان تحفۂ درود
من اضعف العباد الی اشرف الوری [1]

تحفۂ رسولیہ نامی مبارک کتاب آپ کی وہ زندۂ جاوید کرامت ہے جس میں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ اور معجزات عالیہ کا بیان کیا ہے۔ اس کے ایک باب میں آپ نے حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرسول قصوری کی ولادت سے ایک سال پہلے ان کی ولادت کی خبر دی، انہیں پند و نصائح فرمائے اور ان کا نام مبارک بھی معین فرمایا اس نظم کا مطلع ہے ؎

اے کہ ہنوزی تو بہ کتم عدم
زود بہ گلزارِ جہاں نہ قدم [2]

اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی روحانی بصیرت اور کشف و کرامت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ آپ نے متعدد باکمال ہستیوں کی تربیت فرما کر انہیں خلافت سے نوازا اور مسندِ رشد و ہدایت پر سرفراز فرمایا جن میں سے حضرت خواجہ عبدالرسول قصوری (فرزند ارجمند) مولانا غلام دستگیر قصوری (تلمیذ و داماد) مولانا غلام مرتضیٰ (بیربل شریف) حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی خلیفۂ اول حضرت مولانا حافظ نور الدین (چکوڑی شریف) وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نہایت مشہور و معروف ہیں [3]

[1] شبیر احمد رسید ، انوار محی الدین ، ص ۱۰۱-۱۰۳۔
[2] ایضاً ، ص ۱۳۸۔
[3] ایضاً ، ص ۱۸۷۔

آپ نے اصلاح عقائد، اصلاح اعمال و اخلاق کے ساتھ ساتھ متعدد تصانیف قلم بند فرمائیں جنہیں اہلِ علم و عرفان حضرات نے حرزِ جاں بنایا۔ تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ تحفۂ رسولیہ (فارسی نظم)	۷۔ زاد الحاج (پنجابی)
۲۔ دیوانِ حضوری (" ")	۸۔ خطبات جمعہ و عیدین (عربی و فارسی نظم)
۳۔ رسالہ نظامیہ (مسئلہ توحید، فارسی نظم)	۹۔ شرح دیباچہ بوستان (عربی)
۴۔ خلاصۃ التقریر فی مذمۃ المزامیر	۱۰۔ شرح درود مستغاث شریف
۵۔ رسالہ در ردّ فرقہ ضالہ وہابیہ	۱۱۔ حلیِ مجالس (ملفوظاتِ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ)
۶۔ رسالہ سماع	۱۲۔ مکتوبات شریف [1]

حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری قدس سرہ کا وصال ۲۲ ذیقعدہ، ۱۷ اگست (۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء) کو ہوا۔ مولانا غلام دستگیر قصوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بے نظیر زماں" سے تاریخ وصال نکالی [2]

۱۲۷۰ھ

[1] شبیر احمد رسید ، انوار محی الدین ، ص ۱۲۳-۱۲۵۔
[2] ایضاً ، ص ۱۳۲-۱۳۲۔

مرشدِ طریقت حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی قدس سرہ

حضرت خواجہ سید غلام محی الدین ابن حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہما (۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء) کو گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) میں پیدا ہوئے۔ جب یہ اطلاع مبارکباد کے ساتھ حضرت قبلۂ عالم کو دی گئی تو آپ نے فرمایا "مبارکباد سے تو میں سمجھا تھا کہ شاید مجھے فنا مل گیا ہے۔" پھر فرمایا "نرینہ اولاد کی پیدائش سے ہر شخص کو خوشی ہوتی ہے لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے گھر میں اللہ اللہ کرنے والی ایک روح کا ورود ہوا ہے۔"

آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی کی تعلیم و تربیت کے لئے نادرِ روزگار اساتذہ مقرر کئے گئے۔ تجوید و قراءت میں مولانا قاری عبدالرحمن جونپوری سے استفادہ کیا اور علومِ دینیہ کی تکمیل حضرت مولانا علامہ محمد غازی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کی۔ والدِ ماجد حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ کے فیضِ توجہ نے آپ کو جلد ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ [1]

تربیت اور نگرانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدم قدم پر ہدایات جاری فرماتے جن کی تعمیل کمال سعادت مندی سے کی جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت خواجہ سید غلام محی الدین قدس سرہ علم و عمل، نظم و ضبط، صبر و تحمل، فراست، بے نفسی، اوراد و اشغال کی پابندی اور اربابِ اقتدار سے بے نیازی میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ کے نام حضرت اعلیٰ گولڑوی کے ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:-

"سب گھروں اور مہمانوں کی خبرگیری رکھنا، جمعہ و جماعت کا التزام رہے، اپنے استاد صاحب کا حسبِ ہدایت خیال رکھنا، ان کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا، ان کی صحت کا خیال رہے، نہ صرف اپنے

[1] فیض احمد، مولانا : مہرِ منیر ، ص ۳۶۱، ۳۶۲۔

سبق اور مطلب کا، ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبرگیری رکھو یعنی کوئی وطنی ناشائستہ حسبِ عادتِ اہلِ وطن پیش آنے نہ پائے، ایسا حلیم نہ ہونا چاہیے کہ ضروریات میں نقصان ہو اور نہ ایسا درشت کہ خلق اللہ بیزار ہو۔" [1]

آپ کو بچپن ہی سے گاڑی کے انجن سے دلچسپی تھی، اسی لئے حضرت اعلیٰ قدس سرہ نے آپ کو "بابو جی" کا خطاب دیا جو اتنا مقبول ہوا کہ پیر و جواں آپ کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ گولیاروی نے آپ کو انجن کا ایک ماڈل پیش کیا جس میں کوئلے کی جگہ مٹھائی اور پانی کی جگہ شربت بھرا ہوا تھا جو تاحیات آپ کے کمرے کی زینت بنا رہا۔ ایک مرتبہ کسی دوست نے انجن سے دلچسپی کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا، مجھے اس کی چار ادائیں پسند ہیں:-

۱۔ حوصلہ : کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو، اتنا ہی تیز چلتا ہے۔
۲۔ وفا : جہاں خود جائیگا وہیں تمام ڈبوں کو بلا تمیز ساتھ لے جائے گا۔
۳۔ ایثار : خود جلتا ہے اور دوسروں کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔
۴۔ استقامت : ہمیشہ معین راستہ (لائن) پر چلتا ہے۔ [2]

گویا آپ نے بڑے عام فہم انداز میں مرشد کی خصوصیات بیان فرما دیں۔

علمی و روحانی تکمیل کے بعد حضرت اعلیٰ قدس سرہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا لیکن آپ کسی کو بیعت کرنے پر تیار نہ ہوتے تا آنکہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:-

"جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کریگا اس کا میں ذمہ دار ہوں۔" [3]

۱۹۱۰ء میں آپ کی شادی ہوئی جس میں دیگر علماء و مشائخ کے علاوہ حضرت سید محمد

[1] فیض احمد، مولانا : مہرِ منیر ، ص ۳۶۳۔
[2] ایضاً ، ص ۳۶۷۔
[3] ایضاً ، ص ۳۶۸۔

دیوان پاکپتن شریف، حضرت صاحبزادہ خواجہ محمود تونسہ شریف، حضرت صاحبزادہ خواجہ ضیاء الدین سیال شریف، حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری (قدست اسرارہم) شریک ہوئے [1]

آپ متعدد دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے اور ہر دفعہ سینکڑوں افراد آپ کے ساتھ ہوتے۔ ۱۹۴۴ء میں حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور زر کثیر حجاز مقدس کے غرباء، فقراء اور علماء میں تقسیم کیا۔ حضور غوث اعظم اور مولی نامی قدس سرہما سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی چنانچہ متعدد دفعہ بغداد شریف اور قونیہ شریف (ترکیہ) کا سفر کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ایک سو اٹھا سی افراد کے ہمراہ بغداد شریف کا سفر کیا اور گرد و نواح کے قریباً تمام مزارات مقدسہ پر حاضری دی [2] ہندوستان، افغانستان، عراق، شام، مصر، ترکی، ایران اور حجاز مقدس میں شاید ہی کسی بزرگ کا مزار ہو جہاں آپ نے حاضری نہ دی ہو۔ ہر سفر میں آپ کے منظور نظر قوال جناب محبوب صاحب ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے جنہیں آپ کی تربیت نے اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم ان کا پڑھا ہوا کلام سنکر محو حیرت ہو جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ نے جامعہ غوثیہ (گولڑہ شریف) کی تعمیر و ترقی پر خاص توجہ دی، کتب خانہ کی توسیع فرمائی، حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کی تصانیف عالیہ کی اشاعت کا اہتمام فرمایا، دیگر تقریبات کے علاوہ آپ کے زیر اہتمام حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس ماہ ربیع الثانی میں بڑے تزک و احتشام سے ہوتا۔ لاکھوں کے اجتماع کے باوجود نظم و نسق ایسا شاندار ہوتا تھا کہ کسی کو شکایت نہ ہوتی تھی۔

دو صاحبزادے آپ کی یادگار ہیں حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہ (متولد ۱۹۲۲ء) اور حضرت شاہ عبد الحق مدظلہ اول الذکر فرزند اکبر آپ کے جانشین ہیں۔ اہل نظر کا کہنا ہے کہ ان کی ذات سے

[1] فیض احمد، مولانا : مہر منیر ، ص ۳۷۰۔

[2] اس سفر کی مکمل روئیداد روزنامچہ کی صورت میں ملک المدرسین استاذ العلماء حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ نے تحریر فرمائی تھی، خدا کرے کہ یہ اہم یادداشت طبع ہو کر محفوظ ہو جائے۔

[3] فیض احمد، مولانا : مہر منیر ، ص ۳۷۵-۳۷۶۔

سلسلۂ عالیہ کو مزید ترقی و عروج حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہ کے فرزند ارجمند حضرت صاحبزادہ سید غلام نصیر الدین مدظلہ (متولد ۱۹۴۹ء) عبقری صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ وہ بیک وقت عالم دین، بلند پایہ قادر الکلام اردو، فارسی، عربی اور پوربی زبان میں مشق سخن فرماتے ہیں۔ ان کے کلام کی پختگی اور ندرت تخیل میں اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے، ناواقف یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ یہ ان کا کلام ہے لیکن چند لمحات ان کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد تسلیم کئے سوا چارہ کار نہیں رہتا۔ مولانا حافظ مظہر الدین مدظلہ فرماتے ہیں:-

"شاہ نصیر الدین کی نعتیہ شاعری رومی، جامی، سعدی کی عظمت کی بازگشت معلوم ہوتی ہے کلام سے ہرگز یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی جواں سال شاعر کا کلام ہے" [1]

۲۲ جون ۱۹۷۴ء/۱۳۹۴ھ بروز اتوار لاکھوں دلوں کے مرکز عقیدت حضرت خواجہ سید غلام محی الدین قدس سرہ کیپٹل ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں وصال فرما گئے [2] دو لاکھ سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے جوار میں آخری آرامگاہ بنی۔ جناب ابو الطاہر فدا حسین فدا مدیر مہر و ماہ، لاہور نے قطعہ تاریخ کہا ہے

ہوئے عازم سوئے جنت میں آج — فدا حضرت محی دیں، دیں پناہ
وہ شیدائی حسن محبوب خالق — وہ مخمور و مست مئے لا الٰہ
سراپا تھے اک شرع دین نبی کا — نشانات سر حقیقت کی راہ
چمکتے نہ چرخ ولایت پہ کیوں وہ — رہی ان پہ مہر علی کی نگاہ

سن وصل ان کا فدا برمحل
کہو "رحلت ہادی خلق آہ" [3]
۱۳ ۰ ۹۲

[1] روزنامہ نوائے وقت، لاہور ، ۲۹ ستمبر ۱۹۷۴ء

[2] احسان بٹالوی : ماہ منیر ، انوار جیلانیہ، انارکلی لاہور، طبع ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۔

[3] ماہنامہ فیض رضا، لائل پور ، شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۷۴ء، ص ۱۳

برہان الواصلین حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین نقشبندی قدس سرہ
(نیریاں شریف)

حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین ابن خواجہ محمد اکبر خاں قدس سرہما افغانستان کے مردم خیز محلہ غزنی میں ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے ماموں حضرت مولانا گل محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔[1]

اوائل عمر میں اخروٹ کی تجارت کیا کرتے تھے، ان دنوں بھی دینداری کا یہ عالم تھا کہ رات کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ ایک دفعہ سرِ راہ بابا اقبال سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے استفسار پر بتایا کہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہوں، آپ نے اس نام میں اتنا کیف و سرور محسوس کیا کہ جو کچھ جیب میں تھا نکال کر بابا اقبال کو دے دیا اور کہا کہ غزنی کے ایک مسافر کا سلام اور یہ نذرانہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا، جب حضرت خواجہ محمد قاسم کی خدمت میں بابا اقبال نے وہ نذرانہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: دوبارہ ملاقات ہو تو اس شخص سے کہنا کہ:

"ہمیں تمہاری ضرورت ہے نذر و نیاز کی ضرورت نہیں ہے"

پھر کیا تھا کشاں کشاں بارگاہِ شیخ میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور واپس آ گئے، کاروبارِ تجارت ایک مرتبہ خوب چمکا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ تمام پس انداز رقم بھی خسارے کی نذر ہو گئی، صرف تین سو روپے باقی رہ گئے، اسی عالم میں بارگاہِ شیخ میں حاضر ہوئے اور رقم پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اسے بطور امانت رکھ لیں

---

[1] ریاض احمد صدیقی، مولانا: پیر صاحب نیریاں شریف، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مئی ۱۹۷۶ء، ص ۲۵

تاکہ بوقتِ ضرورت کسی سے مانگنے کی نوبت نہ آئے۔ مرشدِ کامل نے وہ رقم فقراء میں تقسیم کر دی جس سے آپ حد درجہ کبیدہ خاطر ہوئے۔ حضرت باباجی موہڑوی قدس سرہ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا: "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں نے تمہارے لئے ایسا سودا کیا ہوا ہے جس کے خریدار مشرق اور مغرب سے تمہارے پاس پہنچیں گے۔" اس فرمان سے اطمینانِ قلبی حاصل ہو گیا اور آپ یکسوئی سے شیخ کی خدمت اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

بارہ سال تک منازلِ طریقت طے کرنے کے بعد مرشد کامل نے حکم دیا کہ آزاد کشمیر کے بے آباد مقام ڈناپوٹھی پیر خاں (نیریاں شریف) کو اپنا مرکز بنا کر رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دو، وہ مقام جہاں دن کے وقت بھی جاتے ہوئے لوگ گھبراتے تھے آپ کے قدوم میمنت لزوم سے اس طرح آباد ہوا کہ رات کے وقت بھی وہاں کی فضا ذکر و فکر کرنے والوں کے دم قدم سے معمور رہتی۔

سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد آپ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کر کے معصیت و نافرمانی کی زندگی سے تائب ہو گئے۔ آپ نے راولپنڈی، کیمبل پور، مظفر آباد، مردان، پونچھ، ہری پور، جہلم اور ہزارہ کے علاقوں کے متعدد دورے کئے، عوام الناس کو اتباعِ شریعت کی تلقین کی، بدمذہبوں سے کنارہ کشی اور مسلکِ اہلِ سنت و جماعت پر ثابت قدمی کا خوب خوب درس دیا، حق یہ ہے کہ ان کے وجودِ مسعود کی بدولت مسلکِ اہلِ سنت کو بہارِ تازہ حاصل ہوئی تھی، خدا کرے کہ یہ بہار ان کے گرامی قدر صاحبزادگان کے ذریعہ ترقی پذیر رہے۔ راقم الحروف چکوال میں ان کی زیارت سے مشرف ہوا تھا، کم گو، بارعب اور پُروقار شخصیت کے مالک تھے۔ مزاج میں استغناء بدرجۂ اتم موجود تھا، اتباعِ شریعت اور معمولات کی ادائیگی کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

آپ نے قریباً تیس حضرات کو خلافت عطا فرمائی، چند حضرات کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مفتی پیر ہدایت الحق مدظلہ مہتمم مدرسہ حقائق العلوم، حضرو۔
۲۔ جناب فیض محمد آف تناپانی۔

۳۔ جناب غلام محمد ، ساہیوال۔
۴۔ جناب محمد شفیع ، گوجرخان۔
۵۔ جناب محمد امیر ، افغانستان۔

غالباً ۱۹۳۵ء میں آپ کی پہلی شادی ہوئی جس سے دو صاحبزادے یادگار ہیں :

۱۔ حضرت مولانا الحاج علاء الدین صدیقی مدظلہ۔
۲۔ جناب نظام الدین قاسمی۔

دوسری بیوی سے پانچ صاحبزادے ہیں :

۱۔ جناب امام ربانی ۳۔ فضل ربانی
۲۔ غلام ربانی ۴۔ شبیر ربانی ۵۔ شمس العارفین

اول الذکر مولانا علاء الدین صدیقی مدظلہ والد ماجد کے جانشین ہیں۔ حج و زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں اور ایک عرصہ تک انگلینڈ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ کے پیٹ میں ایک گولا سا پیدا ہو گیا، اپریشن ہوا تو پانی کی خاصی مقدار خارج ہو جانے کی وجہ سے کمزوری بہت ہو گئی لیکن آپ بدستور وضو کر کے باقاعدگی سے نماز ادا کرتے رہے۔ آپ کے معالج جناب جنرل شوکت علی اور آئی ڈی حسن نے وضو کرنے سے منع کیا اور نماز اشارے سے پڑھنے کو کہا تاکہ اپریشن کے ٹانکے ٹوٹنے نہ پائیں، آپ نے فرمایا :

"چھیالیس سال تک کوئی وقت بغیر وضو کے نہیں گزرا، اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ زندگی بھر کا معمول چھوڑ دوں، نماز حسب سابق ادا کروں گا۔ ٹانکے ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹتے رہیں۔"

۱۰ ربیع الاول، ۱۷ اپریل[۱] (۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء) کو نیریاں شریف کا نیر تاباں

سلہ محمد صادق علاء الاسلام، مولانا: حضرت پیر صاحب نیریاں شریف، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۵۷-۶۲

چشم ظاہر بیں سے روپوش ہو گیا جسے خلق خدا حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ نیریاں شریف (تھانہ کھل، آزاد کشمیر) میں آج بھی آپ کے مزار سے سکون قلبی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت پیر کرم شاہ مدظلہ، مدیر اعلیٰ ضیائے حرم تعزیتی کلمات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"پچاس سال کے قریب یہ مرد کامل اپنی مسیحا نفسی سے مردہ دلوں کو حیات جاوید بخشتا رہا، ہزاروں گم کردہ راہ لوگوں نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اپنے دلوں میں عشق الٰہی کا چراغ روشن کیا۔ آپ کے اخلاق حسنہ کا دامن اتنا وسیع تھا کہ اپنے قدموں میں حاضر ہونے والوں کو کبھی محروم واپس نہیں کیا، آپ کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تبلیغ دین میں بسر ہوئی۔ آپ سنت نبوی کا حسین پیکر تھے، ہم انتہائی قلبی رنج و اندوہ کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ صد حیف! وہ چراغ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا جس کی تابناک کرنوں سے ہزاروں سینے منور ہو رہے تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔"[۱]

سلہ محمد کرم شاہ الازہری، مولانا پیر: اداریہ ضیائے حرم مئی ۱۹۷۵ء ص ۱۲

عارفِ کامل حضرت مولانا غلام مرتضیٰ قدس سرہٗ (بیربل شریف)

قدوۃ السالکین، امام المتقین حضرت مولانا غلام مرتضیٰ قدس سرہٗ ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء میں بیربل شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خانوادہ کئی پشتوں سے علم و عرفان کا سرچشمہ چلا آرہا تھا۔ آپ کی ولادت سے پہلے ہی ایک مردِ کامل نے آپ کے والدِ ماجد کو عظیم مرتبہ فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی تھی۔ ابھی آپ کی عمر تیرہ برس ہی تھی کہ والدِ ماجد کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ اس عرصے میں آپ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد درسی ابتدائی کتب پڑھ چکے تھے۔ والدِ گرامی کے وصال کے بعد علمِ دین کا شوق کئی جگہ لے گیا لیکن کہیں بھی سکونِ قلب و نظر کا سامان مہیا نہ ہو سکا بالآخر مولانا غلام نبی للٰہی (للہ شریف ضلع جہلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری دلجمعی سے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام کتبِ متداولہ کی تحصیل و تکمیل کر لی اور ۱۸ سال کی عمر میں دستارِ فضیلت حاصل کر کے آبا و اجداد کی مسندِ تدریس پر جلوہ گر ہوئے اور مشتاقانِ علوم کو سیراب کرنا شروع کیا۔

دورِ طالب علمی میں حضرت مولانا شاہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

جب آپ نے مسندِ تدریس کو رونق بخشی تو جلد ہی تشنگانِ علوم کی بہت بڑی تعداد آپ کے گرد جمع ہو گئی۔ کثرتِ طلبا کے باوجود آپ کبھی ملال نہ فرماتے۔ علمی نوادرات فراہم کرنے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ جہاں کہیں کسی نایاب کتاب کی اطلاع ملتی تو اسے حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے۔ کبھی کسی سے بطورِ امتحان کوئی سوال نہ پوچھتے البتہ اگر کوئی تعلّی کا اظہار کرتا تو اس سے کوئی ایسا سوال کرتے کہ وہ خاموش ہو جاتا اور آپ کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتا۔ باوجود جلالتِ علمی اور علوِ مرتبت کے تواضع اور انکسار کا یہ عالم تھا کہ اپنے لئے کبھی جمع کا صیغہ استعمال نہ فرماتے۔ توکل اور قناعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ طلبا اور خدام پر خاص مہربانی فرماتے، جو کچھ آتا عزیز و اقارب اور مساکین میں تقسیم فرما دیتے، روزانہ سینکڑوں حاجتمند حاضر ہوتے مگر کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، اگر کسی وقت کچھ پاس نہ ہوتا تو دوسرے وقت آنے کی ہدایت فرماتے۔ رات کو بہت کم سوتے تھے، اکثر فرش

پر بستر بچھا کر آرام فرماتے، نمازِ تہجد کے لئے خاص اہتمام فرماتے اور اگر خادم موجود نہ ہوتا تو خود پانی نکال کر وضو اور غسل کرتے۔

آپ نے رشد و ہدایت اور تبلیغِ دین کا مشن پوری قوت و جہت سے جاری رکھا۔ بدعات اور غیر شرعی رسوم کے انسداد کے لئے بھرپور جہاد کیا اور بے شمار خلقِ خدا کو راہِ راست دکھائی۔ کسی شخص نے پوچھا کہ بدمذہب مثلاً وہابی، نیچری اور رافضی کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟ فرمایا:

"ہرگز نہ بیٹھنا چاہیے" پھر یہ شعر پڑھا ؎

صحبتِ بد راہ تبہ می کند — دیگِ سیہ جامہ سیہ می کند

سائل نے پھر پوچھا: "کیا صرف پاس بیٹھنے سے بھی اثر ہو جاتا ہے؟"

فرمایا: "کیا آگ کے پاس بیٹھنے سے اثر نہیں ہوتا؟"[1]

ان گنت خوش نصیب آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور کثیر التعداد باکمال حضرات خلافت و اجازت اور شرفِ تلمذ سے سرفراز ہوئے۔

حضرت مولانا غلام مرتضیٰ قدس سرہٗ اپنے دور کے نامور فاضل حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر خلیفہ مجاز اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ آپ کسی عقیدتمند کے پاس تشریف لے گئے، چند روز قیام فرمایا لیکن نمازِ فجر سے پہلے جب آپ عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتے تو ایک مشرک کے ناقوس بجانے سے سخت تکلیف ہوتی، ایک دن باہر تشریف لیجاتے ہوئے بتکدہ کے پاس سے گزر ہوا آپ نے ایک مخلص سے پوچھا: صبح کے وقت ناقوس کون بجایا کرتا ہے؟ خادم نے بتکدہ میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے اس پر ایک جلالی نگاہ ڈالی اور فرمایا:

"ان شاء اللہ تعالیٰ پھر ناقوس نہیں بجائے گا" چنانچہ وہ شخص اسی روز بیمار ہوا اور ناقوس بجانے کے وقت سے پہلے ہی چل بسا۔

آپ سال میں دو عرس کرتے تھے اور فرماتے تھے: یہ غلام رسول کے مزار ہیں، ایک عرس

---

[1] عبد الرسول، مولانا : انوارِ مرتضوی ، ص ۶۵

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو اور دوسرا معراج شریف کے موقع پر ۲۷ رجب المرجب کو، ان دونوں مواقع پر خلق خدا کثرت سے جمع ہوتی، تمام شب وعظ و تقریر کا سلسلہ جاری رہتا اور کوئی غیر شرعی رسم دیکھنے میں نہ آتی۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ نماز فجر کے بعد ختم امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پڑھتے پھر مراقبہ فرماتے، حاضرین و خدام توجہات و فیض باطنی سے مستفیض ہوتے۔

آپ نے تالیف و تصنیف کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور متعدد و بلند پایہ تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ رسالہ مختصر نزہۃ الناظرین مع شرح روض الریاحین۔
۲۔ مصباح الدجیٰ اور اس کی شرح شمس الضحیٰ (علم حدیث میں بلند مرتبہ کتاب)
۳۔ تحفۃ العارفین و ہدیۃ السالکین۔
۴۔ تذکرۃ الحسنات، معراج نامہ (عربی)
۵۔ رسائل در فضائل رمضان و عیدین

ان کے علاوہ متعدد رسائل لکھے اور کئی کتابوں پر حواشی لکھے، آپ کے بے شمار فتاویٰ کو یکجا کیا جاتا تو ضخیم فتاویٰ تیار ہو جاتا۔

۱۵ رجب، ۸ اکتوبر ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کو غروب آفتاب سے کچھ قبل آپ کا وصال ہوا، نماز جنازہ مولانا عبدالرسول رحمہ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین عمر شریف نے پڑھائی [1] حضرت مولانا صاحبزادہ محمد عمر (بیربل شریف) آپ کے پوتے اور سجادہ نشین اور جید فاضل تھے جن کی وفات ماضی قریب میں ہوئی ہے۔

---

[1] شبیر احمد شاہ، سید صاحبزادہ : انوار جمال الدین ، ص ۲۴۹-۲۵۹۔

حضرت مولانا سید غلام مصطفیٰ شاہ نوشاہی قدس سرہ

آپ کا اسم گرامی غلام مصطفیٰ، تخلص نوشاہی اور لقب نوشہ ثانی تھا۔ آپ ۲۰ جمادی الاخرے، ۸ فروری (۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) کو بمقام ساہنپال شریف ضلع گجرات پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری قدس سرہ کی اولاد امجاد سے تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی حضرت مولانا حافظ سید محمد شاہ نوشاہی (م ۱۳۲۱ھ) سے حاصل کی پھر حضرت مولانا شیخ احمد حنفی (م ۱۳۲۸ھ) ساکن دھریکاں کلاں ضلع گجرات، خلیفہ حضرت مولانا غلام نبی مجددی للٰہی سے صرف، نحو، منطق، فقہ اور حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے اور والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے سجادۂ ہدایت پر رونق افروز ہو کر مخلوق خدا کو راہ ہدایت دکھانے میں مصروف رہے۔

آپ عبادت و ریاضت اور علوم و فنون میں یگانۂ زمانہ تھے۔ آپ فارسی، اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے، فن تاریخ گوئی میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں، چند ایک کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ رسالۃ الخواص (اپنے مشائخ کے مختصر حالات) ۳۔ رسالہ طاعون
۲۔ رسالہ رفع سبابہ ۴۔ تفسیر نوشاہی (تفسیر سورۂ فاتحہ و مزمل)
۵۔ عیون التواریخ (چار جلدوں میں) اکثر معاصرین کی تاریخہائے ولادت و وصال (نظم)

ان کے علاوہ پند نامہ عطار، کریما سعدی، نام حق، گلستان سعدی، بوستان سعدی اور محمود نامہ کے پنجابی میں ترجمے کئے ہیں۔ دیوان نوشاہی (پنجابی)، غزلیات نوشاہی (پنجابی)، پنج گنج نوشاہی (پنجابی) آپ کے منظوم کلام کے مجموعے ہیں۔ علاوہ ازیں فیض محمد شاہی آپ کی بیاض ہے اور دس ضخیم جلدوں میں ہے۔ آپ کی دو اور کتابیں خطبات نوشاہی اور نوشاہی نامہ منظوم (پنجابی) کے نام سے موجود ہیں۔

آپ ۷۷ سال کی عمر میں ۱۰ شوال (۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء) کو واصل بحق ہو کر ساہنپال شریف میں دفن ہوئے۔ مزار مرجع خلائق ہے۔

آپ کے دو نامور اور ذی علم فرزند ہوئے:

۱۔ حضرت مولانا ابو الظفر سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ جو اس دور کے بہترین فاضل اور باکمال مصنف و مؤلف ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ طریقت اور ساہنپال شریف کے سجادہ نشین ہیں۔

۲۔ مولانا ابو الرضا سید بشیر احمد بشارت مرحوم و مغفور جو ۵۳ سال کی عمر پا کر ۱۳۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ جناب بشارت صاحب بھی صاحب تصانیف تھے۔[1]

---

[1] شریف احمد شرافت نوشاہی، مولانا سید: تذکرہ نوشاہیہ (مکتبہ نوشاہیہ ساہنپال شریف ۱۹۷۳ء) ص ۸۵، ۹۱

[2] ایضاً : ذاکر نوشاہی (مطبوعہ جون ۱۹۶۵ء) ص ۳۰، ۱۹

مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی قدس سرہ

مولانا مخدوم غلام معین الدین نعیمی ابن سید صابر اللہ شاہ چشتی صابری اشرفی نعیمی ۱۰ ربیع الثانی، ۲۳ دسمبر (۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء) کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ مراد آباد کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ میں تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی اور صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ سے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی، دینی تعلیم کے حصول کے زمانہ ہی میں فن طب حاصل کیا اور ۱۹۴۳ء میں وہاجیہ طبیہ کالج لکھنؤ سے "الحکیم الفاضل" کی سند حاصل کی، ۱۹۴۵ء میں آپ تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی قیادت میں تحریک پاکستان کے لئے سرگرمی سے کام کیا، ایک عرصہ تک آل انڈیا سنی کانفرنس کے منتظم رہے۔

۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے آئے، غازی کشمیر مولانا ابو الحسنات قادری نے آپ کو جمعیت کا نائب ناظم مقرر کیا، ایک مدت تک جمعیت کا ترجمان "جمعیت" نکالتے رہے اور پوری تندہی سے کام کیا، بعد ازاں حضرت صدر الافاضل کی یاد میں ہفت روزہ سواد اعظم نکالا اور بڑی محنت اور ہمت سے تاحیات جاری رکھا۔ اس جریدے کی خصوصیت یہ تھی کہ مسلک اہل سنت وجماعت کے تحفظ کے لئے حتی الامکان کوشش کرتے رہے اور اسی کے ذریعے مسلک کے مخالفین کی فتنہ سامانیوں کا سختی سے نوٹس لیا جاتا رہا، ان کی حق گوئی و بے باکی ہمارے لئے قابل فخر اور مشعل راہ ہے۔

مفتی صاحب نے ناقدری کے اس دور میں تقریباً پچاس کے قریب کتابوں کے ترجمے کئے جن میں سے شفاء شریف، مدارج النبوۃ اور کشف المحجوب کے ترجمے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بے سروسامانی کے عالم میں مسلک اہل سنت کی بہت سی کتابوں کی اشاعت کی۔

۱۲ جمادی الاخری ، ۱۴ اگست (۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) بروز بدھ آپ نے وصال فرمایا اور لاہور میں میانی صاحب کے قبرستان میں بہاولپور روڈ پر مولانا غلام محمد ترنم کے مزار کے پاس آسودہ خاک ہوئے ، نمازِ جنازہ حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالےٰ نے پڑھائی [1]

جناب بشیر حسین ناظم نے قطعہ تاریخ لکھا جس کا تاریخی شعر درج ذیل ہے ؎

چوں از فلک بخواستم کہ چیست سالِ رحلتش ؟
بگوش مژدہ آمدہ " غریقِ رحمتِ ابد " [2]

۱۹ ، ۷۱

[1] ظفر مظفر میاں ، مظفر گڑھی : پندرہ روزہ ذراب جنت بہاولپور سواد اعظم لاہور ، محی الدین نمبر جولائی ۱۹۷۲ء ص ۲۰-۲۱
[2] ایضاً ، ص ۱۳

زبدۃ الکاملین حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی قدس سرہٗ

جامع ظاہر و باطن حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی ابن حضرت مولانا قاضی غلام حسین ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء میں للّٰہ شریف ضلع جہلم میں پیدا ہوئے ، صرف و نحو کی کتب کے علاوہ میبذی ، قطبی ، شرح وقایہ اور خیالی وغیرہ اپنے والد ماجد اور بعض دیگر علماء سے پڑھیں ، بعد ازاں علامۃ العصر حضرت مولانا محمد احسن المعروف بہ حافظ دراز رحمہ اللہ تعالےٰ سے پشاور میں تحصیل و تکمیل کی اور وطن واپس آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ اسی دوران اچانک شوقِ الٰہی کا ایسا غلبہ ہوا کہ آپ مرشد کی تلاش میں گھر سے چل کھڑے ہوئے ۔ اتفاقاً شاہ پور میں حضرت مولانا خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری تشریف فرما تھے ، استخارہ کے بعد ان کے دستِ اقدس پر بیعت ہو گئے ، حضرت خواجہ قصوری نے توجہ فرما کر مختصر سے عرصہ میں مقاماتِ مجددیہ طے کرا دیئے اور خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا ، اثنائے سلوک میں آپ نے چھ ماہ میں قرآن مجید حفظ کر کے تراویح میں سنا دیا [1]

حضرت خواجہ قصوری رحمہ اللہ تعالےٰ کے وصال کے بعد آپ نے للّٰہ شریف میں خلقِ خدا کی اصلاح و ہدایت اور علمِ ظاہری و باطنی کی اشاعت شروع کی ۔ آپ کی خدمت میں ۷۰ ، ۸۰ طلبہ حاضر رہا کرتے تھے ، آپ مبتدی اور منتہی طلبہ کو یکساں توجہ و التفات سے پڑھاتے تھے جو کتاب بھی زیرِ درس ہوتی اس کے شروح و حواشی کو سامنے رکھ لیتے اور انہیں ملاحظہ فرماتے جاتے تھے حتیٰ کہ سکندر نامہ اور زلیخا کی شرح بھی سامنے رکھ لیا کرتے تھے ، طلبہ کے طعام ، کتب اور دیگر ضروریات کا آپ خود انتظام فرماتے ، پہلے طلبہ کے لئے گھر سے کھانا بھجواتے اور خود بعد میں کھایا کرتے تھے ۔ اپنے تمام اوراد و وظائف پابندی اور اطمینان سے ادا کرتے ، باقی اوقات طلبہ کو درس دینے اور مسترشدین پر توجہ دینے میں صرف کرتے تھے [2]

[1] محمد حامد ، سید : انوارِ محی الدین ، ص ۲۳۶-۲
[2] محمد حسن نقشبندی ، مولانا : حالاتِ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ، ص ۱ -۳۷۰ ۔

آپ کے مزاج اقدس میں کبر و غرور نام کو نہ تھا، حد درجہ منکسر المزاج تھے۔ ایک دفعہ کسی جگہ تشریف لے گئے، لوگ استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور پیچھے پیچھے چلنے لگے، آپ نے فرمایا ایسے ہجوم پر فخر نہیں کرنا چاہئے، اگر کوئی بندر یا ریچھ والا کسی گاؤں میں آتا ہے تو لوگ اس کے پیچھے لگے ہو جاتے ہیں۔[1] اللہ اللہ! بے نفسی اور فروتنی!

اللہ تعالے نے آپ کو روشن ضمیری کا وہ مقام بخشا ہوا تھا کہ ایک شخص نے صاف پانی پینے کیلئے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا یہ مکدر ہے کوئی اور شخص پانی لے آئے۔ اس شخص سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا راستے میں میری نظر نامحرم عورت پر پڑ گئی تھی[2] اسے کہتے ہیں مومنانہ فراست، مشفقانہ تنبیہ اور پردہ داری!

تصلب اور دینداری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے غیر مقلدوں کے بعض مسائل پر فتوے دیا۔ انہوں نے آپ کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا، ڈپٹی اور تحصیلدار آپ کے خیر خواہ تھے، انہوں نے کوشش کی کہ فریقین میں مصالحت ہو جائے، کہیں قید نہ ہو جائے۔ جب آپ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ دین میں فرق نہ آئے اور جو فتوے دیا ہے اس سے انحراف نہیں ہو سکتا خواہ قید ہی کیوں نہ ہو جائے، آخر آپ کو کامیابی ہوئی[3]

حضرت مولانا للہی رحمہ اللہ تعالے سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے سینکڑوں افراد کو اپنی باطنی توجہات سے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ آپ کے ملفوظات دانش و حکمت کے بہترین جواہر پارے ہیں جن میں چشم حق بین کے لئے راہنمائی کے زریں اصول پنہاں ہیں، فرماتے ہیں:۔

○ معرفت الٰہی کی نہایت نہیں ہے، تھوڑے سے ذوق و شوق پر قانع نہیں ہونا چاہئے

[1] محمد حسن نقشبندی، مولانا: حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، ص ۳۷۳
[2] ایضاً : ص ۳۷۳
[3] ایضاً : ص ۳۷۴

گویا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا" فرمایا تو دوسروں کا کیا ذکر ہے؟

○ بڑا کام یہ ہے کہ شریعت پر استقامت رکھے۔
○ جس قدر طالب میں شکست و عاجزی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس پر فیض زیادہ وارد ہوتا ہے۔
○ سالک کو چاہئے کہ نیچی نظر کرکے چلا کرے ؎

خوئے سگان است بہر سو نگاہ
شیر سر افگندہ رود سوئے راہ

○ سالک کو نامحرم کی طرف نظر کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے، نامحرم پر اتفاقی نظر بھی ضرر سے خالی نہیں ہوتی ؎

بنامحرم نظر دل را کند کور
ز دولت خانۂ قرب افگند دور

○ وظیفہ "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" دو طرح سے پڑھنے کا معمول ہے ایک یہ کہ حضرت شیخ کو وسیلہ سمجھا اور دوسرے یہ کہ ان کلمات میں اثر و برکت سمجھے۔
○ بری صحبت سے استعداد باطنی خراب ہو جاتی ہے۔
○ وہابیوں کی صحبت دیوانے کتے کی مانند ہے کہ اپنا سا کر لیتی ہے۔[1]
○ اصل چیز اعتقاد ہے اگر اعتقاد درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں اور اگر اعتقاد میں فرق ہے تو سب اعمال بیکار ہیں[2]

وصال سے قبل آپ کے ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے سفر آخرت سے بخوبی مطلع تھے۔ ۲۹ رمضان المبارک، ۲۹ مئی (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء) کو حضرت صاحبزادہ میاں گل محمد رحمہ اللہ تعالے کا انتقال ہو گیا، لوگ تعزیت کے لئے حاضر ہوتے تو آپ فرماتے کہ کیا ہم یہاں بیٹھے

[1] محمد حسن نقشبندی، مولانا: حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، ص ۳۸۰-۲
[2] محمد حسن نقشبندی، مولانا: ملفوظات حضرت غلام نبی صاحب، ص ۸۔

رہیں گے، ہم بھی چلنے کو تیار ہیں، رنج کس بات کا کریں! آخر بروز یکشنبہ ۱۴ ربیع الاول شریف ۲۵ نومبر ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) مؤذن کو اذان کہنے کا حکم دیا، آپ اذان کا جواب دیتے رہے، جب مؤذن نے کہا "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" اس وقت آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔[1]

آپ نے متعدد حضرات کو خلافت و اجازت سے نوازا، چند اسماء یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا حافظ دوست محمد، فرزند ارجمند (م ۱۳۱۸ھ)
۲۔ مولانا حافظ فضل محمد،
۳۔ مولانا غلام حسن (ساکن ڈھڈیاں)
۴۔ مولانا امام الدین (ساکن جموں) وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ

ان دنوں حضرت صاحبزادہ مطلوب الرسول مدظلہ دربارِ عالیہ للہ شریف کے سجادہ نشین ہیں، اپنے آباؤ اجداد کے طریق پر قائم، پاکیزہ خصائل، و اخلاقِ حمیدہ کے مالک ہیں۔ حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی قدس سرہ کے مریدِ صادق مولانا محمد حسن نقشبندی (ساکن کوٹلہ کرت پور، بجنور) مؤلف حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ (مطبوعہ اللہ والے کی قومی دکان، لاہور) نے یکم محرم سے ۱۵ رجب (۱۳۰۱ھ) تک کے ملفوظات مرتب کئے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔

---

[1] محمد حسن نقشبندی، مولانا : حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ، ص ۵-۳۰۲۔

عارفِ ربانی حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قادری قدس سرہ

(کھروٹہ سیداں، سیالکوٹ)

شیخ المشائخ حضرت مولانا سید فتح علی شاہ بن سید امیر شاہ ابن قیوم زمان شاہ قدست اسرارہم ۱۱ ربیع الاول، ۵ مارچ (۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) کو کھروٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد اور جد امجد اپنے دور کے مقتدر فضلاء میں شمار کئے جاتے تھے، آپ نے پرائمری پاس کرنے کے بعد درس نظامی کی ابتدائی کتابیں جد امجد سے پڑھیں پھر حضرت مولانا عبد الرحمن کوٹلوی (م ۱۲۹۸ھ) سے فقہ و حدیث کا درس لیا، بعد ازاں جامعہ حنفیہ، گجرات میں مولانا محمد عبد اللہ سے اکتسابِ فیض کیا، کچھ عرصہ جامع مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی میں رہے پھر مدرسہ منظر اسلام، بریلی شریف میں دورۂ حدیث کیا اور ۱۹۱۴ء میں سند حدیث حاصل کی، ۱۹۰۷ء میں جامعہ طبیہ، دہلی سے طب کی سند حاصل کی، ۱۹۱۸ء میں دوبارہ بریلی شریف حاضر ہو کر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

تکمیل علوم کے بعد اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی، سیالکوٹ اور اس کے اطراف، جموں و کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں مسلسل دورے کئے اور عوام و خواص کو اسلامی تعلیمات اور مسلکِ اہل سنت سے روشناس کرایا، ۱۹۲۴ء سے ۱۹۴۰ء تک سیالکوٹ چھاؤنی کی جامع مسجد میں فرائضِ خطابت انجام دیتے رہے اور فوجی جوانوں کے دلوں کو حبِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جذبۂ جہاد سے گرماتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کی قیادت میں شاہی مسجد، لاہور کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ ۴ راکتوبر ۱۹۳۹ء کو مراد آباد میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی

قدس سرہ کی صدارت میں موتمر العلماء کا اجلاس ہوا۔ آپ علماء سیالکوٹ کے ساتھ اس عظیم الشان اجلاس میں شریک ہوئے۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے فقید المثال اجلاس میں شریک ہوئے، قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں نظریہ پاکستان کی تبلیغ کی اور قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے لئے زبردست جدوجہد فرمائی، ۱۹۵۳ء میں سیالکوٹ میں تحریک ختم نبوت کو بڑی کامیابی سے چلایا، غرض یہ کہ ملک وملت کی بہتری کے لئے جو تحریک بھی اٹھی حضرت شاہ صاحب نے دل وجان سے اس کے لئے کام کیا۔

تصانیف میں معیار صداقت، چہل حدیث، سچا ایمان، مجموعہ وعظ حسن اور مجموعہ اشعار یادگار ہیں۔

۸ رجب، ۱۸ جنوری ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء کو حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قدس سرہ کا وصال ہوا، کھروڑ سیداں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا سید احمد حسن قادری، جامع حنفیہ کھروڑ سیداں میں فرائض خطابت انجام دے رہے ہیں۔[1]

---

[1] رضا مصطفیٰ چشتی، روزنامہ مساوات، لاہور، ۱۹ راکتوبر ۱۹۷۵ء

زبدۃ الکاملین حضرت مولانا حافظ فتح محمد اچھروی قدس سرہ العزیز

رہبر شریعت وطریقت حضرت مولانا حافظ ابو المشتاق فتح محمد اچھروی بانی جامعہ حنفیہ اچھرہ لاہور ابن میاں امام دین، اچھرہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں آپ پر چیچک کا شدید حملہ ہوا جس سے ظاہری بینائی زائل ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے آپ کو وہ نور بصیرت و معرفت ملا کہ مشائخ کبار نے آپ سے استفادہ کیا، عربی، فارسی، طب، تصوف اور تمام مروجہ علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے اور ہر قسم کے طلباء کو شرح وبسط سے درس دیا کرتے تھے۔ آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبد الرسول قصوری ابن حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری قدس سرہما سے بیعت تھے اور انہی کے مجاز تھے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ عبد الرسول قصوری، اچھرہ کی ایک مسجد کے قریب سے گزرے دیکھا کہ ایک کتیا اپنے بچوں سمیت اس مسجد سے باہر نکل رہی ہے۔ اس سے آپ کو بہت صدمہ ہوا کہ لوگ خانۂ خدا سے اس قدر بے پروا ہو چکے ہیں کہ مساجد حیوانات کی آماجگاہ بن چکی ہیں۔ واپسی پر پھر یہیں سے گزرے تو فرمایا "مجھے اس جگہ نور دکھائی دیتا ہے یہاں خدا کا نور برسے گا"۔ آپ کی یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ مولانا حافظ فتح محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد میں جامعہ حنفیہ جاری کیا جہاں سے بڑے بڑے فضلاء فیضیاب ہوئے اور قال اللہ وقال الرسول کا سلسلہ جاری رہا۔[1]

مولانا حافظ فتح محمد تقویٰ و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے، اپنے گھر میں بوئی ہوئی سبزی سے آپ کا کھانا تیار ہوا کرتا تھا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تقدس مآب خاتون تھیں۔ اگر کسی خادمہ کا پکایا ہوا کھانا تناول فرما لیتے تو فوراً قے ہو جاتی۔ اس دور کے مشائخ عظام مثلاً شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور حضرت خواجہ محبوب عالم توکلی خلیفہ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی وغیرہما

---

[1] شیر محمد، ساجد ولسیر : الدرالمجی الدین ص ۳۰۶

کے آپ کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ یہ حضرات اکثر ملاقات کے لئے آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب کو بزرگانِ دین اور مشائخ کرام سے گہری عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے۔ ایک درویش نے بحالت مراقبہ بارگاہِ مجددی میں کرایہ کی درخواست کی، ارشاد ہوا، حافظ فتح محمد شاہ سے لے لو اور ان کی شکل بھی دکھا دی، مگر وہ درویش سوال نہ کر سکے، ادھر دربارِ مجددی سے حافظ صاحب کو اشارہ ہوا کہ فلاں شخص کو کرایہ دے دیا جائے چنانچہ آپ نے اپنے خادم جمال الدین کو فرمایا کہ یہ مسافر جو احاطۂ درگاہ سے باہر جا رہا ہے اسے اتنا کرایہ دے دو۔

حضرت حافظ صاحب کے زمانے میں مولوی عبد اللہ چکڑالوی امام مسجد چینیانوالی (لاہور) نے فتنۂ انکارِ حدیث کھڑا کیا تو آپ نے اس کے استیصال کے لئے سعی بلیغ فرمائی اور چکڑالوی کے رد میں متعدد رسائل تصنیف فرمائے۔ ان میں سے ایک رسالہ کا نام صلوٰۃ القرآن بمتابعت حبیب الرحمٰن المعروف بہ ردِ چکڑالوی ہے۔

۲۹ شوال المکرم (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) کو حضرت حافظ فتح محمد قدس سرہ کا وصال ہوا۔ پیر فقیر اصغر علی روحی نے تاریخ وفات کہی جو لوحِ مزار پر درج ہے ؎

امام حافظاں فتح محمد — کہ در عشقِ پیمبر بود یکتا
اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَکَانَ مِنْهُمْ — فَفَاقَ الْقَوْمَ صِدْقًا اَجْمَعِیْنَا
فَلَمْ یَاْتِ الْهَوَامَ دَامَ حَیًّا — لِیَوْمٍ یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا
صدائے ارجعی در گوشش افتاد — بعہدِ قربِ حق شد مسند آرا
بسالِ عزمِ خلدش گفت روحی — بجنت رفت و با حق باد مولا!

حضرت الحاج میاں محمد حسین مدفون بھگیاں ناگرہ (لاہور) آپ کے خاص مریدین میں سے تھے۔[1]

۱ــ [illegible] نقوشِ جمیل، ص ۱۲ تا ۱۵۔

[illegible] تمام حالات نقوشِ جمیل سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲ شرف قادری

استاذ العلماء مولانا فتح محمد بہاولنگری قدس سرہٗ

استاذ الاماثل والافاضل، عارفِ کامل حضرت مولانا فتح محمد ابن حیات ولی خاں ابن تبریز خاں بمقام موضع حبیب کے، بہاولنگر ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد زراعت پیشہ اور ذکی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے مولانا سلطان محمود (میراں پور تحصیل ضلع حصار)، مولانا سلطان محمود افغانی، مولانا سلطان محمود مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی اور اجمیر شریف مدرسہ معینیہ میں مولانا معین الدین اجمیری سے علوم کی تحصیل کی۔ حدیث شریف مدرسہ عبد الرب دہلی میں مولانا عبد العلی محدث سے پڑھی، ۲۴ ذوالقعدۃ المبارکہ (۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) کو تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔

حضرت خواجہ غلام رسول ترگڑوی کے خلیفہ مجاز حضرت خواجہ عبد الحکیم احمد علی لکھا، ضلع ساہیوال سے بیعت ہوئے، اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں خلافت سے مشرف ہوئے۔ ایک عرصہ تک صادق گنج ضلع بہاولنگر میں درس دیا، چار سال موضع جموں، تحصیل ضلع ساہیوال، پچیس سال گگنڈ پور ضلع بہاولنگر، دو سال چک فلعسانہ، بہاولنگر میں پڑھاتے رہے۔ غالباً ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ مفتاح العلوم، بہاولنگر کی بنیاد رکھی اور تاحیات علم و عرفان کے دریا بہاتے رہے۔ آپ کے مریدین دس ہزار کے قریب بتائے جاتے ہیں، بے شمار علماء آپ سے فیض یاب ہوئے، چند اسماء مشاہیر یہ ہیں:-

۱۔ فقیہ عصر مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور۔
۲۔ مولانا غلام مہر علی، مصنف دیوبندی مذہب، چشتیاں شریف۔
۳۔ مولانا جلال الدین، جیون شاہ
۴۔ مولانا عبد الحق، حصار

۱ــ غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۰۰

۵۔ مولانا اسمٰعیل دیوبندی بہاولنگری۔

۶۔ مولانا سید سردار علی شاہ، کھلوکا۔

۷۔ مولانا محمد اکبر علی محمود پوری۔

۸۔ مولانا عبدالمجید ، وغیرہم

مولانا پنجابی، عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے "ادب در وحدت وجود و وحدت شہود" کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہو سکی، مولانا فرمایا کرتے تھے، یہ کتاب میری زندگی کا ذخیرہ ہے۔ حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خاں رحمہ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین بسی شریف سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ مراسم تھے اور حضرت میاں صاحب مولانا صاحب کی بے حد عزت و تکریم کرتے تھے۔ مولانا ہر سال بستی لوہا (ضلع ہوشیارپور) میں حضرت میاں محمد شاہ علیہ الرحمہ کے عرس پر جایا کرتے تھے۔

۱۸ رمضان المبارک بروز بدھ ۱۰ دسمبر ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء ساڑھے آٹھ بجے صبح آپکا وصال ہوا آپ کا مزار مبارک بہاولنگر موضع بستی میں مرجع خلائق ہے۔[1]

---

[1] مکتوب جناب حافظ منظور احمد ابن حضرت مولانا خواجہ محمد (بہاولنگر) بنام راقم محررہ یکم اگست ۱۹۷۲ء۔

فاضل محقق حضرت مولانا فتح الدین آذر انصاری حنفی قادری (خوشاب)

حضرت مولانا فتح الدین آذر ابن حکیم میاں غلام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ ۱۲۹۱ھ / ۰۵-۱۸۷۴ء میں خوشاب ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت اسید بن حضیر انصاری الصحابی سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم خوشاب میں حاصل کی، منشی فاضل کا امتحان دیا، پھر سوداں والی مسجد لاہور میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے، بعد ازاں حیدرآباد دکن جا کر مولانا انوار الحق سے معقول و منقول کی تعلیم حاصل کی، انہوں نے آپ کی قابلیت کے پیش نظر اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا، مزید تعلیم کے لئے جامعہ ازہر مصر بھی گئے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت سید ابراہیم قادری قدس سرہ (بغداد شریف) سے بیعت ہوئے اور سلوک قادریہ کی منازل طے کر کے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ شیخ الدلائل مدنی مولانا شیخ ممتاز احمد المعروف بہ عارف اللہ شاہ نقشبندی قادری چشتی سے دلائل الخیرات شریف کی اجازت حاصل کی، مروجہ علوم دینیہ کے علاوہ طب میں بھی دسترس حاصل کی۔

امیر عثمان علی خاں والی دکن کے ابتدائی دور میں شاہی طبیب اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ دس سال تک اس منصب کے فرائض انجام دیتے رہے پھر کچھ ناگوار واقعہ کے طور پر خوشاب واپس آگئے۔

حضرت مولانا فتح الدین آذر رحمہ اللہ تعالیٰ متبحر عالم دین، حق گو اور کثیر التصانیف بزرگ تھے آپ کی اکثر و بیشتر تصانیف حیدرآباد دکن سے شائع ہوئیں، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ مقدمہ تفسیر روح الایمان (تصنیف ۱۳۴۰ھ، مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء)

۲۔ تفسیر روح الایمان فی تشریح آیات القرآن (۱۳۲۲ھ، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۶ھ، پہلا پارہ ۴۶۲ صفحات پر مشتمل ہے)

۳۔ الوقف الاسلامیہ (محرم ۱۳۵۱ھ، مطبوعہ قیومی کانپور ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء، صفحات ۲۳۳)

۴۔ شرح ترکیب (دیباچہ گلستاں مع حواشی مفیدہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۲۶ھ، صفحات ۵۸)

۵۔ کتاب العطایا (علم میراث) مطبوعہ

۶۔ خزینۃ المیراث " "

۷۔ تنقیح انوار الفرائض (علم میراث) مطبوعہ

۸۔ صفوۃ المصادر العربیہ المعروف صرف اذبریہ (قلمی)

۹۔ کتاب الصرف المعروف صرف کبیر "

۱۰۔ شجرہ ولایۃ السّمدار (مطبوعہ)

۱۱۔ ترجمہ و حاشیہ دلائل الخیرات " صفحات ۲۳۲

۱۲۔ رسالہ مفتاح الدلائل "

۱۳۔ قرار الافوار و مراداۃ الاسرار (عملیات) مطبوعہ

آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان میں سے مولانا سید امیر علوی اجمیری قدس سرہ اور مولوی غلام مرشد (دیوبندی) کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

آپ کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں :

۱۔ مولوی حکیم محمد شریف ابن میاں بہاء الدین (برادر زادہ مولانا فتح الدین اذبر) چونکہ مولانا اذبر کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے ان کے وصال پر جانشین ہوئے، صاحب علم و فضل اور بہترین طبیب تھے، ۶۵ سال کی عمر میں ۲۷ شوال ۱۳۹۳ھ کو وفات پائی۔

۲۔ مولوی حکیم مظفر الدین ابن میاں بہاء الدین (برادر زادہ)

۳۔ صوفی عبد اللطیف ، (مجاز دلائل الخیرات) خوشاب

۴۔ مولانا سید محمد صدیق شاہ ، ساکن ڈیرہ غازی خان

۵۔ حضرت مولانا سید امیر علوی اجمیری قدس سرہ

۱۶ شوال، ۱۲ جنوری ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۶ء کو مولانا فتح الدین اذبر قدس سرہ کا وصال ہوا، آپ کا مزار شریف خوشاب، ضلع سرگودھا، مسجد حافظ خان محمد کے شمالی جانب چار دیواری میں محفوظ ہے[1]

---

[1] [illegible] شریف التواریخ (قلمی)

فرید العصر مولانا فرید الدین رحمہ اللہ تعالےٰ (بھوئی ضلع کیمبلپور)

فرید العصر حضرت مولانا فرید الدین ابن استاذ العلماء حضرت مولانا احمد الدین قدس سرہ غالباً ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں قصبہ بھوئی ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد نے اپنے فرزند کا نام فرید الدین رکھا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ بڑے ہو کر واقعی بیداری علم و فضل اور اخلاق عالیہ میں فرید العصر ثابت ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب امام محمد ابن حنفیہ کے واسطہ سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ آپ کا علمی خاندان پورے علاقہ میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

چار پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے گاؤں کی مسجد میں جانا شروع کیا، بعد ازاں درس نظامی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی مدظلہ العالی سے پڑھنا شروع کیں، بعض آخری کتابیں مثلاً حمد اللہ شرح سلم وغیرہ والد ماجد سے پڑھیں، تکمیل علوم کے لئے علامۂ زماں مولانا مشتاق احمد کانپوری ابن استاذ زمن مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہما کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے۔ جب علامہ مشتاق احمد جامعہ نعیمیہ مراد آباد تشریف لائے تو دوسرے طلباء کے ہمراہ آپ بھی تھے، پھر جب علامہ مراد آباد سے میرٹھ تشریف لے گئے تو مولانا فرید الدین، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمہما اللہ تعالےٰ اور دوسرے طلباء کسب فیض کے لئے ان کے ہمراہ میرٹھ چلے گئے۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کو ابتداء ہی سے ذہن رسا، تقویٰ و پرہیزگاری اور سلامتیٔ طبع ایسے اوصاف سے نوازا تھا۔ دورِ طالب علمی میں بھی آپ کی یہ صفات نمایاں رہیں۔ آپ کے فرزند ارجمند مولانا حسن الدین ہاشمی کا بیان ہے کہ :

> " ایک مرتبہ ملتان کے سفر کے دوران جب میں نے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے والد ماجد کے حوالے سے اپنا تعارف کرایا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے اور فرمایا اچھا آپ مولانا فرید کے لڑکے ہیں ؟ —— ہم انہیں

طالب علمی کے دور میں مولانا فریاد کے نام سے پکارا کرتے تھے —— وہ
بہت قابل اور پرہیزگار طالب علم تھے اور اپنے ساتھی طلباء کو حمد اللہ وغیرہ
پڑھایا کرتے تھے ''۔

میرٹھ سے واپس آکر کچھ کتابیں والد گرامی —— سے اور زیادہ تر اپنے بڑے بھائی
استاذ العلماء مولانا محب النبی دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھیں اور سند حدیث بھی انہی سے
حاصل کی۔

تقریباً ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ صلاحیہ سجادہ والا
ضلع لائل پور میں باقاعدہ طور پر تدریس کا آغاز کیا اور تمام عمر اس مقدس فریضہ کو انجام
دیتے رہے۔ آپ کا زمانۂ تدریس چالیس سال پر پھیلا ہوا ہے جس میں سے زیادہ تر وقت
اپنے آبائی گاؤں بھوئی میں گزارا، اس کے علاوہ مختلف اوقات میں جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف،
جامعہ محمدیہ بھیرہ، جامعہ رضویہ داربرٹن، دارالعلوم مکھڈ شریف، دارالعلوم ترگ شریف،
دارالعلوم لالہ موسیٰ وغیرہ میں پڑھاتے رہے۔

آپ کو اپنے پیر طریقت اور شیخ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے بے پناہ
عقیدت و محبت تھی، اسی طرح ان کے صاحبزادے حضرت پیر سید غلام محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ
سجادہ نشین گولڑہ شریف سے بھی بے حد نیازمندی رکھتے تھے، ان کا حکم کبھی نہ ٹالتے اور ان کے
حکم کے مقابل ہر شخص کی بات کو ٹھکرا دیتے تھے جس مدرسہ میں بھی تدریس کے لئے تشریف لے جاتے
پہلے ان سے اجازت لیتے اور جب وہ فرماتے واپس آجاتے، انہی کے ایما پر آپ کے اکثر و
بیشتر اوقات قصبہ بھوئی میں گزارے۔ بعض اوقات آپ کو اس جگہ تکالیف کا سامنا بھی کرنا
پڑا لیکن آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔

آپ منتہی کتب کے برسہا برس تک پڑھاتے رہے ہیں، اس کے باوجود باقاعدگی
کے ساتھ ہر کتاب کا مطالعہ فرماتے اور طلباء کو بھی یہی تلقین فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مطالعہ
کے بغیر مدرس خود بے یقینی سے دوچار رہتا ہے، طلبہ کو یقین کی نعمت سے کس طرح بہرہ ور
کر سکتا ہے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ سحری کے وقت مختصر اوراد و وظائف پڑھنے کے بعد مطالعہ

کتب میں مصروف ہو جاتے۔ نماز فجر سے ظہر تک اسباق پڑھاتے اور نماز کے بعد پھر مطالعہ
میں محو ہو جاتے۔ عمر کے آخری حصہ میں ناسازی طبع کی بنا پر اسباق کم کر دئے اور اسی تناسب
سے اوراد و وظائف میں اضافہ ہو گیا۔

آپ بنیادی طور پر عالم دین، صوفی اور مدرس تھے اس لئے سیاست کے ساتھ کچھ زیادہ
لگاؤ نہ تھا، لیکن دو مواقع ایسے آئے کہ آپ سرگرم سیاست ہوئے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے
موقع پر آپ نے مسلم لیگ کی پُر زور حمایت کی اور دوسرے لوگوں کو بھی یہی تبلیغ کی جب بعض
کانگرسی ذہن کے مولوی قائد اعظم پر تنقید کرتے تو آپ فرماتے،

"اس وقت کفر اور اسلام کا مقابلہ ہے، قائد اعظم ایک مسلمان
ہے اور اسلام کا نمائندہ ہے جبکہ گاندھی کافر ہے اور کفر کا نمائندہ ہے
اس لئے اس موقع پر قائد اعظم کا ساتھ دینا اسلام کا ساتھ دینا ہے
اور گاندھی کا ساتھ دینا دانستہ یا نادانستہ طور پر کفر کا ساتھ دینا
ہے"

دوسرا موقع ۱۹۵۳ء میں آیا جب ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر مرزائیوں کے
خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی آپ نے بڑی تندہی سے اس میں حصہ لیا، تقریریں کیں،
جلسوں میں شریک ہوئے، ایک جلوس آپ کی قیادت میں بھوئی سے حسن ابدال پہنچا اس
وقت تو حکومت نے آپ کو گرفتار نہ کیا لیکن جب راولپنڈی جا کر ایک جلوس میں شریک
ہوئے تو گرفتار کر کے سنٹرل جیل بھیج دیئے گئے جہاں اسی تحریک کے سلسلے میں آپ کے فرزند
ارجمند مولانا حسن الدین ہاشمی پہنچ چکے تھے۔

آپ نہایت خوش اخلاق، کم گو، جید عالم دین اور متواضع شخصیت تھے، تصنع اور
تکبر سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا، سادگی کا پیکر مجسم تھے، ایک دفعہ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ
ہری پور تشریف لے گئے اور راقم الحروف سے حمد اللہ پر مولانا احمد حسن کانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ
کے حاشیہ کا ایک نسخہ طلب کیا، میں نے منگوا کر دے دیا، اس وقت میرا ان سے تعارف
نہ تھا اور چونکہ سرحد کے اکثر و بیشتر مولوی باریش ہوتے ہیں اور سر پر پگڑی باندھتے ہیں اس لئے

مجھے یہ خیال تک نہ ہوا کہ یہ اپنے علاقہ کے بہت بڑے فاضل ہوں گے۔ ان کے چلے جانے کے بعد کسی نے بتایا کہ یہ مولانا فرید الدین تھے۔

اب مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں ان کے شایانِ شان خاطر و مدارات نہ کر سکا تھا چنانچہ اسی وقت ایک طالب علم کو بھیج کر ان سے واپس تشریف لانے کی درخواست کی چنانچہ آپ بلا تکلف تشریف لے آئے اور فرمایا میرے پاس اس حاشیہ کا قلمی نسخہ موجود تھا لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ یہ حاشیہ چھپ گیا ہے تو میں نے سوچا کہ لے لینا چاہیئے۔ ان کے ذوقِ علمی اور بے نفسی نے مجھے بہت متاثر کیا۔

آپ سرورِ دوجہاں، محبوب ربّ انس و جاں صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار رہتے تھے، جب کبھی نعت شریف سنتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی، اولیائے کرام کا بہت احترام کیا کرتے تھے، جہاں جاتے اہل اللہ کی جستجو میں رہتے۔

یکم صفر، ۱۷ رجون (۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) میں آپ کی شادی ہوئی، ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں مولانا حسن الدین ہاشمی کی پیدائش ہوئی، ڈیڑھ سال بعد ایک اور فرزند پیدا ہوا جو چند ماہ بعد فوت ہو گیا، چند سال بعد آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد آپ نے تجرد کی زندگی بسر کی، آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں لیکن جسمانی اولاد میں اس وقت صرف مولانا حسن الدین ہاشمی یادگار ہیں۔

۷ رشوال، ۱۴ رنومبر (۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء) کو صبح آٹھ بجے جونی کی مسجد غوثیہ کے ایک کمرے میں مصروفِ مطالعہ تھے کہ دل کا شدید دورہ پڑا اور آپ پر سکتہ کی حالت طاری ہو گئی، ساڑھے پانچ گھنٹے اسی حالت میں گزر گئے آخر دن کے ڈیڑھ بجے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، ۱۵ رنومبر کو حسبِ وصیت والدِ ماجد مولانا احمد الدین رحمہ اللہ تعالےٰ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ [1]

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم، نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۶۹ - ۷۲ -

مبلغِ اسلام مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری قدس سرہ

مولانا فضل الرحمٰن انصاری رحمہ اللہ تعالےٰ دنیائے اسلام کے مایہ ناز مبلغ اور بین الاقوامی شخصیت کے حامل تھے انہوں نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی کا اکثر حصہ تبلیغِ اسلام میں صرف کیا پاکستان کے علاوہ افریقہ، امریکہ، ایشیا اور یورپ کے مختلف ممالک میں تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں نمایاں کام کیا، مولانا انصاری اپنی دینی خدمات کی بنا پر عالمِ اسلام میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، مصر کے نائب وزیر اعظم ڈاکٹر عبد العزیز کامل ۱۸ رجون ۱۹۷۴ء کو مولانا انصاری کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے اور ان کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا :-

"ان کے انتقال سے عالمِ اسلام ایک جید عالم، مفکر اور اسلام کے مبلغ سے محروم ہو گیا ہے، میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ڈاکٹر انصاری کے طریقۂ کار سے بہت متاثر ہوں جو تعلیم یافتہ اور ذہین افراد کو متاثر کرتا تھا۔" [1]

مولانا فضل الرحمٰن انصاری نے نو عمری میں قرآن پاک حفظ کیا، درسِ نظامی پر عبور حاصل کیا اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ایک عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے، مولانا فرماتے تھے :-

"جامعہ علی گڑھ سے سائنس میں فیکلٹی سے انٹر پاس کرنے کے بعد اسلامی عقائد کے بارے میں عجیب و غریب شکوک و شبہات دل میں پیدا ہونے لگے تھے بلکہ ایک وقت تو دماغ انکار پر مائل ہو گیا تھا۔"

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، عالمِ اسلام کے عظیم ترین مبلغ مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی قدس سرہ سے ملاقات ہوئی ان کی نگاہِ کیمیا اثر نے دل و دماغ کی کایا پلٹ

---

[1] روزنامہ جسارت، کراچی، ۲۰ رجون ۱۹۷۴ء -

دی اور فکر و نظر کا دھارا صحیح سمت کو موڑا ، جو دل انکارِ اسلام پہ مائل تھا وہ دینِ فطرت کی محبت اور عظمتِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا گہوارہ بن گیا۔

پروفیسر محمود حسین صدیقی لکھتے ہیں :۔

" مولانا کی ذات وہ مرکز تھی جہاں عشق و عقل دونوں اکٹھے ملتے ہیں ، سیاحِ عالم مولانا حافظ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری کی چشمِ کرم سے فضل الرحمٰن صاحب کے قلب و دماغ کو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے نور سے منور کیا تھا ، ایک مبلغِ اسلام کی خصوصیات میں بنیادی چیز حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت ہے اور یہ محبت کی چنگاری کسی محبت میں فنا فی اللہ والے کی نظر سے ہی منتقل ہوتی ہے اور پھر شعلہ بن کر جسدِ خاکی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے تب ہی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کام سے وابستگی اور اس میں ہمہ تن انہماک پیدا ہوتا ہے ۔" [1]

اب نہ صرف مولانا کے خیالات بدل گئے بلکہ وضع قطع میں بھی تبدیلی آگئی ، فیکلٹی آف تھیولوجی میں داخلہ لیا ، فلسفہ میں مولانا ظفر الحسن اور دینیات میں مولانا سید سلیمان اشرف کے شاگرد بنے ، اول درجہ میں امتحان پاس کیا اور وہ امتیازی مقام حاصل کیا کہ طالب علمی ہی میں اساتذہ آپ پر فخر کرنے لگے [2]

کراچی یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ، پیر و مرشد مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی کے ساتھ دنیا بھر کے تبلیغی دورے کئے اور اپنی سحر انگیز خطابت سے دلوں کی دنیا پہ نقشِ اسلام ثبت کیا ، پیر و مرشد کے ساتھ پہلے دورۂ دنیا کے بعد گرینڈ عہدے سے استعفا دے دیا اور مکمل طور پر مطالعہ و تبلیغ کے لئے وقف ہو گئے ، آپ نے دورۂ فلپائن کا ایک مشاہدہ بیان فرمایا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔

---

[1] محمود حسین صدیقی ، پروفیسر : روزنامہ جنگ ، کراچی ، ۲۵ جون ۱۹۷۴ء

[2] ایضاً ، ص ۳ ۔

۱۹۵۰ء ، رجب کوتاہا میں شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرمانے والے تھے جس تقریر کے وقت برق و باراں کے آثار پیدا ہونے سے مجمع میں اضطراب پیدا ہونے لگا حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی نے نورِ بصیرت سے معلوم کر کے اعلان کرا دیا کہ آپ مطمئن رہیں بارش نہیں ہوگی ، چنانچہ آپ کی دو گھنٹے کی ولولہ انگیز تقریر کے دوران بارش نہ ہوئی اور بعد میں موسلا دھار بارش ہوئی ، یہ آپ کی بیّن کرامت تھی جس نے بے شمار دلوں کو متاثر کیا [1]

مولانا انصاری کا یہ کارنامہ ناقابلِ فراموش ہے کہ آپ نے شمالی ناظم آباد ، کراچی میں ایک ادارہ المرکز الاسلامی (ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشن) قائم کیا جہاں سے زیادہ تر غیر ملکی طلباء حالاتِ حاضرہ کی ضروریات کے مطابق تبلیغِ اسلام کی تربیت حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں فرائضِ تبلیغ انجام دیتے تھے ، بقول مولانا انصاری اس ادارہ سے ۱۴۱ افراد وابستہ ہیں جو دنیا کے گوشے گوشے میں فرائضِ تبلیغ انجام دے رہے ہیں ، خدا کرے کہ مولانا کے لواحقین اس ادارہ کو ان کے مشن کے مطابق چلاتے رہیں ۔

مولانا فضل الرحمٰن انصاری انگریزی میں سحر انگیز تقریر فرماتے تھے ، یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں میں ممتاز اہلِ علم کے سامنے آپ نے بارہا تقریر کی اور بیشمار اہلِ علم آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ، قدرت نے آپ کو تحریر و تقریر میں یکساں کمال عطا فرمایا تھا ، آپ نے تقریباً ۲۵ کتابیں دعوتِ اسلام کی تشریح اور افکارِ باطلہ کی تردید میں انگریزی زبان میں لکھیں اور اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کیا ، حال ہی میں آپ کی ایک تصنیف دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے جسے انگریزی دان طبقے نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے ، آپ جمعیۃ الفلاح ، کراچی کے رسالے وائس آف اسلام کے پہلے ایڈیٹر تھے ، آپ کی نگرانی میں انگریزی زبان میں ماہنامہ منارٹ شائع ہوتا تھا جو وقیع مضامین پر مشتمل ہوا کرتا تھا ۔

۱۱ جمادی الاولیٰ ، ۳ جون (۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) بروز سوموار دس بجے دن مولانا

---

[1] فضل الرحمٰن انصاری ، مولانا ؛ روزنامہ جنگ کراچی ، ۳ جنوری ۱۹۷۳ء ۔

فضل الرحمٰن انصاری کا حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ مولانا سید محمد کرم جیلانی نے پڑھائی۔ آپ کا مزار المرکز الاسلامی شمالی ناظم آباد کراچی کے احاطہ میں بنایا گیا ہے۔ آپ نے ایک فرزند ایک بیوہ اور چار صاحبزادیاں یادگار چھوڑی ہیں۔[1] آپ مبلغِ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی کے تربیت یافتہ اور خلیفۂ مجاز تھے بلکہ داماد بھی تھے۔

جامعہ کراچی اور سندھ کے بانی شیخ الجامعہ پروفیسر اے بی اے حلیم نے جمعیت الفلاح میں مولانا انصاری کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"مولانا انصاری تمام مذاہب اور مشرقی و مغربی علوم کے ماہر تھے۔ انہوں نے اسلام کو بہترین شکل میں پیش کیا۔ ان کا مشن کامیاب رہا اور بہت سے غیر مسلم ان کے خلوصِ محبت اور جذبہ کو دیکھتے ہوئے اسلام لے آئے۔ ان کے دل میں اسلام اور ملک کی محبت تھی اور انہی خوبیوں کی وجہ سے وہ اسلامی دنیا میں بہت بڑا مقام رکھتے تھے۔"[2]

پروفیسر محمود حسین صدیقی نے کہا:۔

"غیر مسلم ان کی علمی بصیرت کے اس قدر مداح تھے کہ ان کو گریٹ تھنکر کا خطاب دیا گیا۔ وہ کوئی سیاسی شخصیت یا سرمایہ دار نہیں تھے لیکن عالمِ اسلام میں لاکھوں افراد کے دلوں میں ان کا ایک مقام ہے۔"[3]

ماہنامہ فکر و نظر میں ہے:۔

"ڈاکٹر انصاری نے ملک اور بیرونِ ملک خصوصاً افریقہ اور لاطینی امریکہ میں وسیع پیمانہ پر تبلیغی کام کو منظم کیا تھا۔ وہ بیرونی ممالک میں قائم شدہ اسلامی مشن کے وفاق کے بھی سربراہ تھے اور اس حیثیت میں متعدد ممالک کا دورہ کر چکے تھے۔ آپ کی تصانیف میں معاشرہ کی قرآنی بنیادیں نمایاں مقام رکھتی ہے، یہ کتاب انگریزی

[1] روزنامہ جسارت، کراچی ۔ ۵ر جون ۱۹۷۴ء۔
[2] اے بی اے حلیم، پروفیسر : روزنامہ جسارت کراچی ۔ ۲۵ر جون ۱۹۷۴ء۔
[3] ایضاً ، ص ۱۳

زبان میں ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ عصرِ حاضر کے اسلامی لٹریچر میں یہ کتاب ایک بہت ممتاز حیثیت کی مالک ہے۔"[1]

مشہور شاعر ماہر القادری نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو ملتِ اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم کی تبلیغی، علمی اور دینی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں اور مرکزِ اسلامی ان کے اخلاص اور عمل پیہم و جہد کا زندہ ثبوت ہے۔[2]

جناب راغب مراد آبادی نے قطعۂ تاریخ کہا:۔

تبلیغ سے بلند کی اسلام کی شان
تعلیم کی شمعیں بھی جلائیں ہر آن
پوچھے کوئی محرمانِ علمِ دیں سے
جو ناگہ علمِ دیں تھے فضل الرحمٰن [3]

آرزو اکبر آبادی نے یہ قطعۂ تاریخِ وصال لکھا:۔

وہ مبلغ تھے نرالی شان کے — اہلِ دل کو ہے انہی کی جستجو
جانشینِ حضرت عبدالعلیم — جن کی شہرت ہے جہاں میں چار سو
دامنِ رحمت میں جا کر سو گئے — عابدِ حق فضلِ رحماں آرزو [4]
۹۴ ۶ ۱۳

[1] ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد : جولائی ۱۹۷۴ء ، ص ۱۱
[2] روزنامہ جسارت، کراچی : ۶ر جون ۱۹۷۴ء۔
[3] روزنامہ جنگ کراچی : ۱۵ر جون ۱۹۷۴ء
[4] ایضاً : ۱۲ر جون ۱۹۷۴ء۔

صدر المشائخ مولانا فضل عثمان فاروقی مجددی قدس سرہ

مجاہد ملت، صدر المشائخ حضرت مولانا پیر فضل عثمان مجددی ابن حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر المعروف بہ ملا شور بازار (متولد ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء، متوفی ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء) قدس سرہما ماہ جمادی الاولیٰ، اگست (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) میں شور بازار کابل میں خاندانِ مجددیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد سلسلۂ عالیہ مجددیہ کے برگزیدہ بزرگ حضرت مولانا غلام قیوم قدس سرہ نے آپ کی پرورش فرمائی۔ سنِ شعور کو پہنچنے پر شور بازار کابل کے مشہور مدرسہ مجددیہ میں داخل ہوئے اور اپنے دور کے ممتاز افاضل سے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ منازلِ سلوک طے کرنے کے لئے والد گرامی حضرت نور المشائخ کے دستِ اقدس پر طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ میں بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت و اجازت سے مشرف ہو گئے۔

دوسری جنگِ عظیم میں والد ماجد کے ہمراہ جنوبی افغانستان میں تل کے مقام پر انگریزوں کے خلاف عملی جہاد میں حصہ لیا۔ ان حضرات کی برکت اور فضلِ ایزدی سے انگریزوں کو شکست تسلیم کرنا پڑی اور افغانستان کو حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔ جب بچہ سقہ نے غازی امان اللہ کے خلاف بغاوت کی تو حضرت صدر المشائخ پیر فضل عثمان، افغانستان کے شمالی علاقہ ترکستان میں مقیم تھے۔ آپ نے باغیوں کے خلاف جنرل غلام نبی خاں سے مکمل تعاون کیا۔ ترکستان میں بچہ سقہ کے گورنر عطا محمد نے حضرت صدر المشائخ کو قید کر دیا اور جبر و تشدد کے ذریعے بچہ سقہ کی حمایت پر مجبور کیا۔ آپ نے واضح طور پر فرمایا:

> "وہ لٹیرے اور غاصب کو کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کا بادشاہ تسلیم نہیں کریں گے، بدطینت بچہ سقہ کے سامنے کبھی بھی اپنا سر نہیں جھکائیں گے"[1]

---

[1] مشتاق الحق مجددی، سید مولانا: تذکرۂ حیات حضرت صدر المشائخ، ص ۶-۷۔

گورنر عطا محمد نے آپ کے ناقابلِ شکست خیالات سے آگاہ ہو کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ اسی اثنا میں جنرل غلام نبی خاں نے زبردست حملہ کر کے مزار شریف، بلخ اور ترکستان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح آپ بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ رہے۔ چند دن بعد غازی امان اللہ نے اقتدار سے دستبردار ہونے کا پیغام بھیجا۔ اس سے حضرت صدر المشائخ نے افغان معززین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ترکِ وطن کا عزم کیا۔ حکومتِ روس نے یہ پابندی عائد کر دی کہ آپ تاشقند کے علاوہ کسی جگہ قیام کر سکتے ہیں، ورنہ نقل و حرکت کی اجازت ہے۔ آپ نے اہل و عیال سمیت آٹھ ماہ اسی پابندی میں گزارے۔ اتنے میں نادر شاہ نے بچہ سقہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر بادشاہت قائم کر لی اور آپ کو کابل بلا کر وزارتِ انصاف (عدلیہ) میں اصلاحِ امورِ شرعیہ کا رکن نامزد کر دیا۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ یہ وزارت اپنے فرائض کا حقہٗ ادا نہیں کر سکتی تو مستعفی ہو کر ارشاد و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

۱۹۴۸ء میں جب یہودیوں نے فلسطین کے عرب مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں بے دخل کرنا شروع کیا تو حضرت صدر المشائخ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ مل کر پورے افغانستان کا دورہ کیا اور لاکھوں روپے جمع کر کے مفتیٔ اعظم فلسطین سید امین الحسینی کے توسط سے مظلوم مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لئے بھجوا دیئے۔

حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر قدس سرہ نے جب غزنی میں ایک دینی ادارہ نور المدارس کے قیام کا ارادہ کیا تو حضرت صدر المشائخ نے بے پناہ کوشش سے اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ایک عرصہ تک اس مدرسہ کے نائب صدر رہے۔ تحریکِ خلافت کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور دوسرے لیڈروں نے افغانستان کا دورہ کیا تو آپ نے پورا پورا تعاون کیا۔ تحریکِ پاکستان کی حمایت میں آپ نے تمام مریدوں کو خاص ہدایات جاری کیں، چنانچہ آپ کی تحریک پر قبائلی اور [illegible] افغانوں نے کشمیر کے محاذ پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد افغانستان اور پاکستان کے درمیان بعض عناصر کے پیدا کردہ اختلافات کو ختم کرنے کے لئے آپ نے مسلسل جد و جہد کی، وہ کوشش تا حیات جاری رکھی۔

۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ واپسی پر جب کراچی پہنچے تو حسین شہید سہروردی، فیروز خاں نون اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے اعلیٰ افسروں نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ اس موقع پر آپ نے دوران تقریر آزادیٔ کشمیر کا اعلان فرما دیا اور کہا کہ ہم اس تحریک کے لئے جہاد کو جاری رکھیں گے۔

بعض مریدین کی خواہش پر آپ نے سندھ، دہلی، کاٹھیاواڑ، بمبئی، کلکتہ اور مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور جا بجا عالم اسلام، و افغانستان و پاکستان کے اتحاد پر زور دیا۔ اس دورے سے واپسی پر جب کراچی میں افغانستان کے سفارتخانے میں پاسپورٹ پیش کیا تو سفیر نے حکومت افغانستان کے امتناعی حکم کی بنا پر پاسپورٹ کی تجدید و توسیع سے انکار کر دیا۔ ان حالات میں آپ نے ایک سال کراچی میں قیام فرما کر گلبرگ لاہور میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ نو سال بعد جب حالات معمول پر آئے تو آپ نے اہل و عیال کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔

مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ نے آپ کے پاکستان میں قیام کا سبب یوں تحریر فرمایا ہے:۔

"جس زمانے میں افغانستان میں عریانیت اور غیر شرعی امور کی ترویج ہوئی تو آپ نے سخت مخالفت کی چنانچہ اسی وجہ سے آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے اور پاکستان میں قیام فرمایا ——— صدر پاکستان محمد ایوب خاں نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی" [1]

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں جب ہندوستان نے اعلان جنگ کے بغیر پاکستان پر حملہ کیا تو حضرت صدر المشائخ نے اپنے تمام مریدین کو اس جہاد میں شریک ہونے کی تلقین فرمائی چنانچہ قبائل علاقہ کے مجاہدین نے آپ کی آواز پر لبیک کہی اور ہر محاذ پر سرفروشانہ خدمات انجام دیں۔ غرض یہ کہ آپ نے اپنی تمام زندگی عام پیروں سے مختلف گزاری اور ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق اور عالم اسلام کے اتحاد کی کوشش کرتے رہے۔ جمعیۃ علماء پاکستان کی

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر: تذکرۂ مظہر مسعود (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء) ص ۴۲۸

ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔ آپ کے مریدین کا حلقہ افغانستان و پاکستان کے اندر پھیلا ہوا ہے۔

۱۵؍ربیع الاول، ۱۸؍اپریل (۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) کو دن کے ایک بجے البرٹ ڈکٹر ہسپتال میں اہل سنت کے محبوب رہنما حضرت صدر المشائخ پیر فضل عثمان مجددی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ ۱۶؍ربیع الاول کو ایک خاص چارٹرڈ طیارے کے ذریعے آپ کے جسد مبارک کو کابل پہنچا دیا گیا جہاں آپ کو آپ کے والد ماجد کے مزار انور کے پہلو میں خانقاہ عالیہ مجددیہ، قلعہ جواد میں دفن کر دیا گیا [1]

مولانا سید شریف احمد شرافت مدظلہ العالی نے قطعہ تاریخ وصال کہا ؎

شد ز دنیا چوں سوئے دار الخلد — آں شہنشاہِ زمرۂ ثقلین
نسلِ پاکِ مجددِ سرہند — ابنِ فضلِ عمر، مہِ حسنین
آنکہ صدرِ مشائخِ دیں بود — محرمِ رازِ سیدِ کونین
فیض ز ارشادش بکابل و لاہور — فخرِ فاروق و مظہرِ سبطین
سالِ ترحیلِ وے شرافت گفت
"فضلِ عثمان، قبلۂ دارین"
۷۳ ۲ ۱۹

ولہ ایضاً

بگو ترخیص آں فخر المشائخ
"کہ محبوب جہاں صدر المشائخ"
۹۳ ۵ ۱۳

[1] یہ تمام حالات "تذکرۂ مظہر مسعود" کے حوالے کے علاوہ "تذکرہ حیات حضرت صدر المشائخ فضل عثمان مجددی" مرتبہ مولانا سید امتیاز الحق مجددی، (مطبوعہ کراچی، ۹ جولائی ۱۹۷۳ء) سے ماخوذ ہیں۔

دیگر مادۂ تاریخ

"حاجی ہادی غفرہ اللہ" [1]

۹۴ ۵ ۱۳

حضرت مولانا فضل عثمان مجددی رحمہ اللہ تعالےٰ کے وصال کے بعد ان کے فرزند ارجمند پیر فضل الرحمٰن مجددی مدظلہ (متولد ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ/۲۵/۶/۱۹۳۵ء) کو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابوالبرکات قادری مدظلہ العالی نے پاکستان و افغانستان کے علماء و مشائخ کی متفقہ رائے سے "بدر المشائخ" کا خطاب دیا اور دستار بندی کرائی [2]

---

[1] مکتوب گرامی مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری بنام راقم الحروف۔

[2] ایس ایم ناز : ماہنامہ حکایت (اکتوبر ۱۹۷۵ء) ص ۱۴۸۔

امام الکاملین حضرت خواجہ فقیر محمد قدس سرہ (چورہ شریف)

حضرت خواجہ خواجگان فقیر محمد ابن حضرت خواجہ نور محمد قدس سرہما اپنے دور کے اکابر مشائخ سے ہوئے ہیں۔ آپ کا لقب حاجی گل تھا اور عام لوگ عقیدت و محبت سے باباجی صاحب کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت تیراہی شریف مضافات تیراہ میں ہوئی۔ ولادت کے بعد جد امجد حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی قدس سرہ کو پتہ چلا کہ آپ دودھ نہیں پیتے آپ تشریف لائے اور فرمایا یہ ابھی سے اپنا حصہ طلب کرتے ہیں چنانچہ اپنی زبان مبارک نومولود بچے کے منہ میں ڈال دی جسے حضرت خواجہ فقیر محمد دیر تک چوستے رہے اور اس کے بعد والدہ کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا یہ لڑکا بڑا نیک بخت ہوگا اور اس کے وجود سے خلق خدا کو بہت فیض پہنچے گا۔

حضرت خواجہ فقیر محمد قدس سرہ نے تمام ظاہری اور باطنی علوم حضرت والد ماجد سے حاصل کئے بچپن ہی سے آپ کی طبیعت کا میلان ذکر و فکر کی طرف تھا، علم و عرفان کے انوار نے اس شوق کو اور جلا دی۔ آپ شریعت مطہرہ کی اس قدر پابندی فرمایا کرتے تھے کہ سنت مبارکہ سے سر مو تجاوز نہ کرتے تھے، غرباء اور مساکین خاص طور پر آپ کی شفقت و عنایت سے بہرہ ور ہوا کرتے تھے۔ ۲۰ سال کی عمر میں والد ماجد نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ کے وجود مسعود سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی بے پناہ اشاعت ہوئی۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں بڑے بڑے فضلاء اور کاملین داخل ہوئے جو آپ کے فیض صحبت سے آسمان علم و عرفان کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، ان میں سے امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی، حضرت مولانا حافظ عبدالکریم (راولپنڈی)، مولانا غلام محمد بگوی، مولانا حسن محمد (گجرات)، مولانا غلام محی الدین (باولی شریف)، مولانا حافظ فتح دین (دینگہ) وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نہایت مشہور بزرگ گزرے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ حلیم الطبع اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے

مریدین کو دوست یا یار کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے مرید کا لفظ استعمال نہ کرتے تھے، بیعت کے وقت مختلف مواقع پر درج ذیل اشعار پڑھا کرتے تھے ؎

یارسول اللہ انظر حالنا | یا حبیب اللہ اسمع قالنا
انّنی فی بحر غمٍ مغرقٌ | خذ یدی سہّل لنا اشکالنا

؎ ہر دم خدا را یاد کن دل را بہ غمگیں شاد کن | بلبل صفت فریاد کن مشغول شو در ذکر ہو

؎ غافلی کفر است پنہاں در وجود آدمی
ایں چنیں کافر شدن را حاجت زنار نیست

آپ صاحب کرامات و خوارق تھے، آپ ایک گاؤں میں تشریف لیجایا کرتے تھے جہاں دو چار گھروں کے سوا سب شیعہ تھے، آہستہ آہستہ وہ لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہونے لگے دو تین سال کے عرصے میں پورا گاؤں صحیح العقیدہ سُنّی ہو گیا۔

۲۹ محرم الحرام، یکم جولائی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء بروز جمعرات بوقت عصر سو سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا، آپ کا مزار پُر انوار چورہ شریف ضلع کیمبلپور میں مرجع انام ہے، ہر سال عرس کے موقع پر بیشمار مریدین اور معتقدین آپ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں، مادۂ تاریخ وصال "غفرلہٗ" (۱۳۱۵ھ) ہے [1]

---

[1] صلاح الدین نقشبندی، جمال نقشبند ص ۲۳۰ - ۲۴۴

فاضل جلیل مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالے (مؤلف حدائق الحنفیہ)

حضرت مولانا فقیر محمد جہلمی ابن حافظ محمد سفارش ۱۲۹۰ھ/۱۸۳۲ء میں چھجرات کی تحصیل موضع چوآں (جہلم کی غربی جانب دو میل کے فاصلے پر واقع ہے) میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک پڑھنے کے بعد میاں قطب الدین (موضع ٹالیانوالہ) سے تعلیم حاصل کرتے رہے پھر مولانا نور محمد (موضع کھائی کوٹلی ضلع جہلم تلمیذ مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالے کے پاس جا کر کئی سال تک استفادہ کرتے رہے اور صرف، نحو، فقہ اور دیگر علوم کی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں راولپنڈی جا کر مولانا عبد الکریم اور مولانا محمد حسن فیروز والہ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۷۰ھ میں دہلی گئے پہلے مولوی نذیر حسین دہلوی کے پاس پنجابی کٹرہ میں پہنچے، انہوں نے عذر کیا کہ ہم معقولات نہیں پڑھا سکتے اس لئے مولانا مفتی محمد صدر الدین خاں آزردہ، صدر الصدور دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں کتب متداولہ پڑھیں۔ ۱۲۷۲ھ میں وطن واپس چلے آئے اور کچھ عرصہ بعد مولانا کرم الٰہی (م ۱۲۸۲ھ) کی خدمت میں لاہور پہنچے اور استفادہ کیا

انہی دنوں فن خطاطی سیکھنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ باقاعدہ یہ فن حاصل کر کے مطبع آفتاب پنجاب لاہور میں کتابت کا کام کرنے لگے۔

۱۲۸۴ھ میں مناظر اسلام مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری قدس سرہ کا پادری عماد الدین سے امرتسر میں مناظرہ ہوا تو مولانا فقیر محمد رحمہ اللہ تعالے کو بھی رد عیسائیت کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ حافظ صاحب مرحوم سے استفادہ کر کے اس فن میں مہارت حاصل کی۔ مولانا فقیر محمد نے عیسائیت اور عقائد باطلہ کے رد میں معتد بہ کام کیا اور تمام عمر علم و ادب اور مذہب کی خدمت میں صرف کر دی۔ ۱۱ محرم ۱۲۹۱ھ سے ۱۳۰۱ھ تک اخبار آفتاب پنجاب کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ سے جہلم میں اپنے لخت جگر محمد سراج الدین کے نام پر مطبع سراج المطابع قائم کیا اور اخبار سراج الاخبار جاری کیا، اس اخبار نے اپنے دور کے اعتقادی فتنوں خاص طور پر فتنہ مرزائیت کی تردید کے لئے بڑا کام کیا۔

مولانا کو تصنیف و تالیف سے خصوصی لگاؤ تھا، انہوں نے اہم کتابیں یادگار چھوڑیں جنہیں علمی طبقہ میں بہت وقعت کی نظر سے دیکھا گیا، تصانیف کے نام یہ ہیں :-

۱۔ اردو ترجمہ تصدیق المسیح۔

۲۔ حاشیہ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان۔

۳۔ حاشیہ ابحاث عزیزی (ہر دو تصانیف مناظر اسلام حافظ ولی اللہ لاہوری)

۴۔ تکملہ مباحثہ دینی (مناظرہ مابین مناظر اسلام مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری و پادری عماد الدین)

۵۔ زبدۃ التاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل۔

۶۔ رسالہ آفتاب محمدی۔

۷۔ عمدۃ الابحاث فی وقوع الطلقات الثلاث (اس امر میں کہ تین طلاقیں بیک وقت واقع ہو جاتی ہیں، ایک غیر مقلد کے شکوک و شبہات کا جواب)

۸۔ حدائق الحنفیہ (حنفی علماء کا تذکرہ) وغیرہ وغیرہ، اس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت ملی۔[1]

۹۔ السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم۔

مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء میں ہوا[2]

---

[1] فقیر محمد جہلمی، مولانا : حدائق الحنفیہ، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء، ص ۵۰۳-۴۹۴۔

[2] قلمی یادداشت مولوی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرقومہ امانی۔

علامۂ زمن مولانا فیض الحسن فیضی جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادیب یگانہ، فاضل اجل مولانا فیض الحسن ابن مولانا علامہ محمد حسن فیضی قدس سرہما ۲۷ جمادی الاولیٰ، ۶ اپریل (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) کو بمقام بھیر تحصیل چکوال (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد فارغ قادیانیت مولانا محمد حسن فیضی سے کی، ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، آپ ایک عرصہ تک لاہور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ نعمانیہ میں مدرس رہے، امیر حزب اللہ پیر سید فضل شاہ جلالپوری آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔

مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد گرامی کی طرح ادب عربی کے بلند پایہ فاضل اور قادر الکلام شاعر تھے۔ امام الائمہ، مالک الازمہ، سراج الامہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک قصیدہ عربیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

كيف اثني بجل من اثناء — مل في وصفه حجى العلماء

جل عما نقول فيه كما جل — باوصافه عن النظراء

امامنا بل امام كل امام — وركن قصر الشريعة الغراء

حيوة دين ابو حنيفة حيز — المكرمات وسند الرهفياء

كان والله روضة الدين في — الغبراء اغصانه على الخضراء

قمر الفلك اهل كل يوم — ولذا لك السكون وسط سماء

لابه آفة اطحاق وان لا — يبصر الفضل مقلة عمياء

تمم النظم ايها الفيضي استغفر

لما قد جنيت من اخطاء[1]

---

[1] انتخاب مناقب سلیمانیہ : ص ۱۹۷-۱۹۸

ترجمہ: "میں ان کی کیسے تعریف کروں؟ وہ تو تعریفوں سے بلند ہیں، ان کی تعریف میں اہلِ علم کی عقول عاجز ہیں ——— وہ ہماری تعریف و توصیف سے بلند ہیں جیسے صفات میں اپنے معاصرین پر فائق ہیں ——— وہ ہمارے بلکہ ہر امام کے امام ہیں اور قصرِ شریعت کے ستون ہیں ——— ابوحنیفہ دین کی زندگی، فضائل کا منبع و اہلِ صفا کے لئے مرجع ہیں ——— بخدا آپ دینِ متین کا ایک باغ تھے کہ جنگل میں ہوتے ہوئے اس کی شاخیں آبادی پر چھائی ہوئی تھیں ——— آسمان کا چاند ہر دن ڈوب جاتا ہے لیکن امتِ مسلمہ کا چاند آسمان کے وسط میں قائم و دائم رہتا ہے ——— وہ چاند (امام ابوحنیفہ) گرہن کی آفت سے محفوظ ہے اگرچہ اندھی آنکھ اس کی فضیلت کو نہ پا سکے ——— اے فیض اپنی نظم مکمل کر اور اللہ تعالےٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ"

مولانا فیض الحسن کو اپنے والد ماجد کی طرح شیخ الاسلام والمسلمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے والہانہ عقیدت تھی چنانچہ انہوں نے ایک عربی قصیدے میں گلہائے عقیدت اس طرح پیش کئے ہیں جیسے ایک مرید صادق اپنے مرشد کامل کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے، فرماتے ہیں:-

ایا من لک الحسنیٰ وانت مدارها — الیک التناهی والمکارم تنسب
لعمری انت الفرد فی المجد والتقیٰ — وانت وحید فی الاقران حبر مدرب
وکم مدع للفقر من غیر حجة — ویخدع للجهال مکرا ویخلب
ولکنه فی الناس حظک وافر — وجودک یعلو کل یوم ویغلب
حبیت من الرحمٰن رشدا وبرکة — فکل فعال من فعالک اطیب
ومن جاء یرجو من جنابک نصرة — باضعف ما قد کان یرجو ویطلب
وفی یدک الیمنیٰ کنوز هدایة — وطالبها یسعیٰ الیها ویشرب

ووجهک میمون وفیه شهادة — بانک خیل ینتخب طرا وانجب
من السادة الاخیار کانوا اعزة — بمرضاته کل یجیء ویذهب
ورثت من الاخیار فخرا وسوددا — وهمتک العلیا ونفسک تکسب
واملک خیر الانام مبلغ غایة المنیٰ — ودر بیانک احلی فی الفؤاد واعذب
وشمس سمٰوات تروح وتغتدی — وشمسک حقا شمسنا لیس تغرب[1]
امولای هل نظر الیّ متکرما — ونفسی فی العصیان تسعیٰ وتدأب
وهل کان لی فی کاسک الخیر شربة — افوز بها ام انت منه تخیب
الست من القوم الذین یمیتهم — بمرء فیوضات تسیل وتسکب
ولم اتکلف فی مدیحک انما — اردت فجبرائیل اصلی واکتب
کما انه نظمی عجیب باسره — کذلک وربی انت فی الخلق اعجب
وحاجات نفسی فی الامور کثیرة — فحتام یا مولای فیها العذب
ومثلک یرجی فی الامور لحلها — ونفزع الیه کلما نتهیب
فهب لی بما ابغی وانک تعلم
ففیضک بین الناس یجری ویذهب[2]

(ترجمہ) "اے ممدوح! آپ حسنات و برکات کے جامع اور محور ہیں! فضائل و کمالات آپ کی طرف ہی منسوب کئے جاتے ہیں ——— مجھے اپنی زندگی کی قسم آپ تقویٰ و بزرگی میں بے مثل اور معاصرین میں بے نظیر بلند پایہ عالم ہیں ——— بہت سے لوگ کسی دلیل کے بغیر فقر کے مدعی ہیں اور جاہلوں کو مکر و فریب سے لوٹتے ہیں ——— لیکن

[1] چونکہ صاحبِ ممدوح کا نام مبارک مہر علی شاہ صاحب تھا اور فارسی میں مہر شمس کو کہتے ہیں اس لئے شعر میں "شمس علی" کہا جو لطف سے خالی نہیں۔ فیض

[2] انتخاب منتخب سلیمانیہ، ص ۱۹۹۔

تمام لوگوں میں فقر کے اعتبار سے آپ کو وافر حصہ ملا ہے اور آپ کی کوشش وہمت ہر دن بلند سے بلند تر ہے ——— آپ کو اللہ تعالیٰ نے رشد و برکت سے نوازا ہے اس لئے آپ کا ہر فعل پاکیزہ ہے ——— جو شخص بھی آپ کے دربار میں آرزو لے کر آیا وہ امید سے کہیں زیادہ بامراد ہو کر لوٹا ——— آپ کے متبرک ہاتھ میں ہدایت کے جام ہیں، ہدایت کے طالب آتے ہیں اور ان سے سیراب ہوتے ہیں ——— آپ کے چہرۂ انور میں یُمن و برکت اور اس بات کی شہادت ہے کہ آپ ہر انتخاب سے بہتر اور صاحبِ عزت سادات اخیار سے نجابت میں فائق ہیں اور ہر شخص کی آمد و رفت آپ کی مسند کی سمت ہے ——— آپ کو فقر اور سیادت آبا سے ورثہ میں ملی ہے آپ کی ہمت بلند اور ذاتِ اقدس کریم ہے ——— آپ کی زیارت کا قصد بہترین مقصود بلکہ انتہائے آرزو ہے اور آپ کی زیارت میں دل کے لئے لذت و سرور ہے ——— آسمان کا سورج کبھی طلوع اور کبھی غروب ہوتا ہے جبکہ مہر علی ہمارا وہ آفتاب ہے جسے غروب نہیں ہے ——— آقا کیا آپ مجھ پر نظرِ کرم فرمائیں گے میرا نفس گناہوں میں کوشاں اور محو ہے ——— کیا آپ کے خیر و برکت والے جام میں میرا حصہ ہے مجھے بھی حصہ ملے گا یا میں محروم ہی رہوں گا؟ ——— کیا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہیں آپ کے فیوضاتِ عامہ کے بادل سے نوازا جاتا ہے ——— میں نے آپ کی مدح میں تکلف سے کام نہیں لیا بلکہ میرے ارادہ کرنے پر جبریل امین مجھے لکھاتے جا رہے ہیں اور میں لکھتا جا رہا ہوں ——— جس طرح میری نظم تمام تر عجیب ہے اس طرح آپ تمام مخلوق سے نہایت عجیب ہیں ——— بخدا میری حاجتیں بکثرت

ہیں، آقا! میں ان کے عذاب میں کب تک جلتا رہوں گا ——— آپ ایسی شخصیت ہی سے تمام امور کے حل کی توقع کی جا سکتی ہے، کوئی بھی تکلیف ہو ہم آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں ——— میری آرزو پوری کیجئے جیسے آپ جانتے ہیں، آپ کا فیض لوگوں میں عام ہے جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔"

مولانا فیض الحسن فیضی نے متعدد کتابوں کا اردو ترجمہ کیا، اس وقت جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں، یہ ہیں :-

۱۔ علم الکلام از امام غزالی قدس سرہ

۲۔ تجرید الاحادیث از امام عبد الرؤف مناوی قدس سرہ

۳۔ حدائق الاخبار از محمد صادق فرغانی

۴۔ سیرت محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) از جمال سلطانی (مفکر روس)

ان کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا، شائع کردہ پیسہ اخبار، لاہور کی تدوین و ترتیب میں آپ کا بہت بڑا حصہ تھا۔

جمادی الاولیٰ، نومبر (۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) میں اس جلیل القدر علامہ کا وصال ہوا اور اپنے آبائی گاؤں بھیں تحصیل چکوال (ضلع جہلم) میں محو استراحت ابدی ہو گئے[1]

---

[1] یہ حالات انتخاب مناقب سلطانیہ کے حوالوں کے علاوہ مکرمی سید نور محمد قادری زید مجدہ نے فراہم کئے۔

استاذ العلماء مولانا محمد قدیر بخش بدایونی قدس سرہٗ

حضرت مولانا علامہ محمد قدیر بخش ابن مولانا مفتی حافظ بخش رحمہا اللہ تعالیٰ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں ٹولہ (مضافات بریلی) میں پیدا ہوئے، والد ماجد نے تاریخی نام منظور الحبیب (۱۳۰۶ھ) تجویز کیا۔ درس نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں مدرسہ شمس العلوم، بدایوں میں حضرت والد ماجد سے پڑھیں شرح جامی کی ابتدا مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی قدس سرہٗ سے کی اور بعض درسی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں حضرت تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہٗ کے عرس کے موقع پر سند اور دستار فضیلت حاصل کی، بعد ازاں حکیم سید حسن مرادآبادی سے دو سال میں طب کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۱۲ء میں مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۹۲۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، ۱۹۲۴ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور ۳۲ سال تک نہ صرف محنت و جانفشانی سے علوم دینیہ پڑھاتے بلکہ سماجی اور اصلاحی کاموں میں بھی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت علامہ مولانا محمد قدیر بخش قدس سرہٗ ۱۹۵۶ء میں مستقل طور پر پاکستان (حیدرآباد، سندھ) تشریف لے آئے اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔ تمام زندگی آپ کا مقصد علوم دینیہ کی اشاعت رہا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

" میری زندگی کا نصب العین علوم دین کی اشاعت ہے، بحمداللہ تعالیٰ میں اپنے اساتذہ کے مسلک کے مطابق اس باب میں جد و جہد عمل میں لا رہا ہوں، میں نے درس نظامی کے مروجہ نصاب کی ہی تعلیم جاری رکھی جو بڑی بابرکت ہے اور جامعیت علوم و فنون کے اعتبار سے درس نظامی اکمل ترین نصاب ہے، اس نصاب کی تکمیل سے تمام علوم و فنون کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ درس نظامی ملا نظام الدین سہالوی علیہ رحمہ

کی زندہ کرامت ہے جن کا فیض ہمیشہ جاری رہے گا، اس درس کے ساتھ ساتھ زمانہ کے رجحانات کے پیش نظر پنجاب اور الٰہ آباد کی یونیورسٹیوں کے نصابوں کی تعلیم بھی جاری رکھی جو درس نظامی ہی میں قدرے ترمیم کے بعد ترتیب دئے گئے ہیں۔"

آپ کی تصانیف میں سے ایک رسالہ کتاب النکاح والطلاق ۱۹۵۶ء میں حیدرآباد سندھ سے شائع ہوا، ایک اور رسالہ علم الفرائض کا مسودہ آپ کے خسر زادہ مولوی عبدالباری کے پاس محفوظ ہے۔

آپ کے طویل عرصہ تدریس میں سینکڑوں علماء نے آپ سے اکتساب کیا، چند تلامذہ کے نام یہ ہیں :-

۱۔ حضرت مفتی عزیز احمد مدظلہ العالی خطیب جامع مسجد جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور۔

۲۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی — ۷۔ مولانا محمود الحسن بدایونی

۳۔ مولانا عبدالصمد بدایونی — ۸۔ مولانا عبدالقیوم ناطق جے پوری

۴۔ مولانا عبدالواحد عثمانی — ۹۔ میر سرفراز علی جے پوری

۵۔ مولانا عبدالحلیم چشتی — ۱۰۔ مولانا حکیم نسیم الدین نقوی (حیدرآباد سندھ)

۶۔ مولانا نادر حسین بدایونی — ۱۱۔ پروفیسر کے۔ ایل۔ دتہ (مہاراجہ کالج جے پور)

۱۲۔ حافظ مبارک علی نابینا (سابق ایم ایل اے حیدرآباد سندھ) وغیرہم۔

حضرت مولانا محمد قدیر بخش قدس سرہٗ کا وصال ۹ ربیع الثانی ۲۰/ نومبر (۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء) بروز جمعہ حیدرآباد (سندھ) میں ہوا، پروفیسر ایوب قادری نے تاریخ وفات کہی،

"ہائے ہائے مولانا قدیر بخش" (۱۳۷۶ھ)

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ وصال کہا جس میں مولانا کی ساری زندگی کا عکس موجود ہے ؎

ولی صفت تھے محمد قدیر بخش ضیاء — تھے علم و فضل میں یکتا و عصر بے تمثال
پدر بھی آپ کے تھے عالم و ولی و فقیہ — تھے آپ بھی ہمہ تن علم و فضل و زہد و کمال

حدیث و منطق و تفسیر و فقہ، علم کلام — غرض تھے ماہر ہر فن بغیر قیل و قال
تھے آپ اجیر و صاحب علم و زہد و سلوک — خلیق و نیک صفت، فرشتہ خصال
سند فراغ کی تھی دست مفتی سے ملی — رہے مدرس اعلیٰ وطن ہی میں کچھ سال
چلے بدایوں سے جے پور میں اقامت کی — تھے قدر دان ریاست کے سارے اہل کمال
برائے چندے ریاست سے آئے پاکستان — یہاں مقیم تھے ممدوح کے کچھ اہل و عیال
پھر تھے آپ کے مسکن گزین حیدر آباد — یہیں قیام پذیر آپ بھی ہوئے فی الحال
تھا دنشان قضا و قدر بحکم قدیر — پدر کا ہو گیا نور نظر کے گھر میں وصال
ہزار حیف اسے ملے بہشت کو مرحوم — ہیں قادریوں کے دل ان کے غم میں پُرملال
مرے حبیب و صدیق و ولی سے تھے مولانا — ہیں ان کی دید سے محروم رہ گیا امسال
کریم ایزد فنا مغفرت کرے ان کی — سکون و صبر عطا ہو جائے اہل و عیال

ضیاء تلاش ہے تاریخ کی تو کہہ دیجیے
"ولی حبیب محمد قدیر بخش" ہے سال [1]
۱۳ ۳ ۷۶

---

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر : قلمی یادداشت

مولانا علامہ حکیم محمد قطب الدین جھنگوی قدس سرہ العزیز

مناظرِ جلیل، طبیبِ حاذق حضرت علامہ مولانا حکیم محمد قطب الدین ابن مولوی احمد بخش موضع پیروکوٹ سدھانہ (ضلع جھنگ) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی بعد ازاں صرف و نحو کے امام مولانا حافظ جمال اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں گگھڑ (ضلع ملتان) میں حاضر ہوئے اور صرف سے لے کر عبد الغفور (حاشیہ شرح جامی) اور متن متین تک کتابیں پڑھیں، حضرت حافظ صاحب کے وصال کے بعد شمس العلماء مولانا غلام حسین قریشی ساکن ٹلیری کی خدمت میں تکمیلِ تعلیم کی، اس کے بعد دہلی چلے گئے اور طبیہ کالج دہلی میں داخل ہوئے، یکم رمضان المبارک، ۱۳ جولائی (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء) کو فاضل طب و جراحت کی سند اور تمغہ حاصل کر کے واپس پنجاب تشریف لائے۔

آپ کو طالب علمی کے دور ہی سے تقریر و مناظرہ سے دلچسپی تھی۔ قیامِ دہلی کے دوران مسلمانانِ دہلی نے قرارہ کے مقام پر مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے آپ ہی کو منتخب کیا ہوا تھا۔ آپ نے دہلی، آگرہ وغیرہ مقامات میں عیسائی و آریہ مبلغین سے مناظرے کئے اور انہیں شکستِ فاش دی، بڑے بڑے مناظر آپ کا سامنا کرنے سے پہلو تہی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آگرہ میں ایک آریہ کے ساتھ آپ کا مناظرہ ہوا، شرائطِ مناظرہ میں ایک بات یہ طے ہوئی کہ کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ کیا جائے جو فریقین میں مشترک ہو، آریہ نے اسلام پر اعتراض کیا کہ اس مذہب میں انصاف نہیں ہے، مثلاً جب کسی مسلمان کی ہوا خارج ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اور پھر لطف یہ کہ جہاں سے ہوا خارج ہوئی اس جگہ کو دھونے کی بجائے دوسرے اعضاء کو دھونا شروع کر دیا جاتا ہے، مولانا نے فرمایا، تم شرائطِ مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہو کیونکہ یہ مسئلہ فریقین میں مشترک ہے، دیکھو جب تمہارا کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اس کے چند خاص رشتہ دار جا کر اس سے ہزاروں میل کے فاصلے پر یوں خبر ملتے ہی غسل کرتے ہیں، کپڑے دھوتے ہیں، برتنوں اور چوکے کی صفائی کرتے ہیں، مرنے والا ہزاروں میل دور ہے وہاں کی

پلیدی یہاں اثر کر رہی ہے، وضو کے اعضاء تو بہر قریب ہیں۔

آریہ مناظر نے دوسرا اعتراض کیا: تم چند کلمات پڑھ کر جانور کو چھری، چاقو سے ذبح کرتے ہو، میں پوچھتا ہوں وہ جانور پہلے حلال تھا یا ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا؟ اگر پہلے ہی حلال تھا تو کلمات پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا ہے تو چاہئے کہ بلی کتے پر بھی یہی کلمات پڑھ کر ذبح کرکے کھا جاؤ، مولانا نے فرمایا! پنڈت صاحب ذرا ہوش سے بات کرو، تم بھی شرائط کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کیونکہ یہ مسئلہ بھی فریقین میں مشترک ہے۔ دیکھئے جب آپ نکاح پڑھاتے ہیں تو آپ کا برہمن "بھورج" پڑھتا ہے اور دولہا کو دلہن کے گرد چند چکر دلاتا ہے۔ اب بتلائیے کہ بھورج پڑھنے اور چکر دلانے سے دلہن، دولہا پر حلال ہوئی ہے یا پہلے ہی حلال تھی؟ اگر پہلے ہی حلال تھی تو بھورج پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان سے حلال ہوئی ہے تو چاہئے کہ بھورج پڑھ کر اور چکر کاٹ کر ماں بہن کو بھی حلال کرکے نکاح میں لے آؤ! غرض مولانا کی سخت گرفت پر آریہ مناظر کو راہ فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

مسئلہ تقلید شخصی پر موضع بدوآنہ تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری سے مناظرہ کیا اور فتح مبین حاصل کی، اس مناظرہ میں احناف کی طرف سے مولانا محمد قطب الدین کے علاوہ مولانا غلام حسین تلیری، مولانا غلام محمد گھوٹوی اور مولانا نظام الدین ملتانی شریک تھے، اور غیر مقلدین کی طرف سے مولوی ثناء اللہ، مولوی عبدالحمید بدوآنوی، مولوی عبدالوہاب دہلوی اور مولوی محمد یار حویلی بہادر شاہ موجود تھے۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۵ء کو روڈو جدھڑ (ضلع لائل پور) میں مولوی فیض محمد کھیانوی (مخالف صحابہ) سے مناظرہ کیا اور پانچ اہم مسائل پر گفتگو کرکے زبردست فتح حاصل کی، مولانا نے اپنی تمام زندگی مذہب اسلام اور مسلک اہل سنت وجماعت کے تحفظ اور اشاعت میں بسر کی۔

مولانا مناظر و انشاء پرداز صاحب قلم تھے، آپ کے مضامین عرصہ تک مجلہ طبیہ دہلی، المنیر دہلی، الفقیہ امرتسر، شمس الاسلام بھیرہ، لمعات الصوفیہ اور انوار الصوفیہ سیالکوٹ وغیرہ جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں سے دو رسالے "فیصلہ مذہب" (ردِّ روافض،

اور خونی داستان چھپ چکے ہیں۔

حضرت مولانا تحصیل علم کے بعد امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، حضرت امیر ملت کی معیت میں دو دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ ہی کی استدعا پر حضرت امیر ملت کی تشریف آوری جھنگ میں ہوئی اور جا بجا تبلیغی جلسے ہوئے اور کثیر التعداد بندگان خدا شرف بیعت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بہت عقیدت تھی، حضرت امیر ملت بھی آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے، آپ کو خلافت عنایت فرمائی اور ہمیشہ الطاف خسروانہ سے نوازتے رہے۔

حضرت مولانا محمد قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فن طب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، قرآن مجید اور علوم دینیہ سے تو انہیں اتنا لگاؤ تھا کہ اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو حفظ قرآن کرایا تھا، ایک صاحبزادی کو مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف پڑھا رہے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں، ایک حافظ، عالم و طبیب حکیم محمود احسن طب کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور دوسرے اہل سنت کے مایہ ناز مدرس، مناظر اور خطیب مولانا عبدالرشید جھنگوی مدظلہ دین متین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد قطب الدین جھنگوی قدس سرہ ۲۵ ربیع الثانی/ ۲۹ اکتوبر ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء بروز جمعرات تین بجے دن واصل بحق ہوئے[1] آپ کا مرقد انور قطب آباد (چک ۲۳۲ جدید نواں، ڈاکخانہ چک ۲۲۲، ضلع جھنگ) میں ہے۔ آپ کی یاد میں مزار شریف کے پاس "جامعہ قطبیہ رضویہ" قائم کیا گیا ہے، حضرت مولانا حکیم خادم علی قدس سرہ نے تاریخ وفات کہی، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

عالم و فاضل، فقیہ نامدار — بود در دنیا ز دنیا بر کنار
ماہر اسرار تفسیر و حدیث — مخزن انوار و شیخ روزگار
در شریعت چون مثال کوہسار — در طریقت بحر ناپیدا کنار

---

[1] فضل حسین، فضل الحکیم: ہفت روزہ محبوب حق، لائل پور، ۲۰ ستمبر ۱۹۶۳ء، ص ۶-۷

حالِ تاثیر ہا تقریر اُو — بُود تحریرش چو دُرِّ شاہوار

فیض یاب از آفتابِ معرفت — حضرتِ شاہ جماعت باوقار

از نگاہش قطبِ دیں ابدال شد — کرد سیمیں سینہ اش را زرنگار

آہ! آں فرخ سیر شیریں مقال — شد درونِ خاک برقد پردہ دار

ہست در الفاظ سالِ رحلتش — سیصد و پنجاہ و دو با یک ہزار

از ربیع الآخر آمد بست و پنج — چوں برفت او جانبِ دار القرار

وقتِ ظہرش بود وقتِ انتقال — روز پنج شنبہ بیاید در شمار [1]

---

[1] ہفت روزہ (اب ماہنامہ) رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ، یہ شمارہ اس وقت پیش نظر نہیں ہے۔

قدوۃ السالکین حضرت مولانا سید قطب علی شاہ قدس سرہ

حضرت مولانا سید قطب علی شاہ قادری ابن سید امام شاہ بخاری قدس سرہما ساکن سندیلیانوالی (پیر محل) ضلع لائل پور حسینی سادات سے تھے اور بیعت و خلافت حضرت سید چراغ علی شاہ قدس سرہ (م ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء) سے تھی جن کا سلسلۂ طریقت حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔

حضرت سید قطب علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ماہ بھادوں سمت ۱۹۰۲ بروز یک شنبہ متولد ہوئے۔ حضرت موصوف اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم و عارف تھے، آپ سے ہزاروں لوگ فیضیاب ہوئے، ظاہری علوم میں بھی باکمال تھے، آپ کے فضل و کمال پر آپ کی تصانیف شاہد عدل ہیں۔

آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں:-

۱۔ اسرار المعرفت (مسائل سلوک پر)
۲۔ مناظرہ پیر و قاضی (قاضی کی جانب سے شریعت کی تلقین اور بزبان پیر عشق و معرفت کی حکایات)
۳۔ شوائط البرقات فی رد رمی الجمرات (رد شیعہ میں لاجواب کتاب ہے)
۴۔ رسالہ رد شیعہ لقول اہل بیت۔
۵۔ انوار قدسیہ فی رد رموز بدعیہ (رد شیعہ)
۶۔ فہرست نہج البلاغہ (رد شیعہ)

حضرت سید قطب علی شاہ کے ملفوظات بنام رسالہ "مرآۃ الفقراء" مرتبہ سلطان بن محمد رمضان طالبانِ راہِ خدا کے لئے نہایت مفید ہیں، یہ ملفوظات ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ سے ۳ محرم ۱۳۲۸ھ تک کے ہیں۔ حضرت قطب علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ سے مخلصانہ و محبانہ تعلقات تھے۔

جمادی الاخریٰ، نومبر (۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء) میں وصال بحق ہو کر مسند ضیا نورانی (دیر محل) میں محو خوابِ ابدی ہوئے۔ آپ کا مزار پُر انوار نہایت شاندار بنا ہوا ہے اور مرجع خلائق ہے۔ سالانہ عرس پر بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ اب یہ مزار محکمہ اوقاف کی تحویل میں آچکا ہے۔ قطعۂ تاریخ وصال درج ذیل ہے ؎

یوم خمیس از جمادی الآخر — دیدہ ام حادثہ سخت پُر درد
کرد ال ماجد اقضائے قدیر — قطبِ اقطاب کامل اکمل مرد
گفت ہاتف کہ آہ احمد دین
"قطب شاہ از جہان رحلت کرد" سلہ

۴۶ · ۱۳۰

سلہ قلمی یادداشت مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی

مولانا صوفی قلندر علی سہروردی قدس سرہ العزیز

مولانا صوفی ابو الفیض قلندر علی قدس سرہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے گیلانی سادات کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آٹھ سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا لیکن نامساعد حالات میں بھی آپ نے سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ اسی اشتیاق کی بنا پر دیوبند پہنچے۔ ایک رات قیام کے بعد اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں تقریباً اڑھائی سال تک قیام کیا اور علوم دینیہ کا استفادہ امام اہلِ سنت سے کیا۔ سلہ

حیات گڑھ ضلع گجرات میں حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ نیز حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ العزیز سے بھی استفادہ کیا۔

آپ ایک عرصہ تک جامع مسجد حضرت شاہ ابو المعالی قادری قدس سرہ اور مسجد چوبداراں قلعہ گوجر سنگھ میں خطیب رہے اور دلوں کی دنیا کو سیراب کرتے رہے۔ سلہ آپ نے متعدد کتابیں لکھیں اور اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں :-

۱۔ جمالِ الٰہی۔ — ۲۔ جمالِ رسول۔

سلہ محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور : سہروردی اولیائے لاہور (مکتبہ تاریخ لاہور ۱۹۶۹ء) ص ۳۲۶
سلہ ایضاً : ص ۳۲۸

۳۔ سراج السالکین۔
۴۔ رسالہ علم غیب۔
۵۔ تذکرہ سہروردیہ۔
۶۔ انوارِ سہروردیہ
۷۔ میلاد الرسول
۸۔ حلیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۹۔ الفقر فخری
۱۰۔ پردۂ نسواں و طیور وغیرہ [1]

۲۷ صفر المظفر، ۱۰ ستمبر بروز بدھ (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کو آپ کا وصال ہوا، نماز جنازہ مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی۔ آپ کا مزار ملتان روڈ پر ساتویں میل پر لبِ سڑک ہنجروال میں واقع ہے جہاں ہر آپ کا عرس منعقد ہوتا ہے [2]

---

[1] محمد یوسف سہروردی: احیاء عقائد و شان قلندر، ص ۱۰۱-۱۶۰
[2] محمد دین کلیم: سہروردی اولیائے لاہور، ص ۳۳۲

غازیِ اسلام مولانا محمد کرم الدین دبیر قدس سرہٗ بھیں ضلع جہلم

مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر قدس سرہٗ ۱۸۵۷ء سے چار پانچ سال پہلے بھیں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں وطن ہی میں پڑھیں، مزید تعلیم لاہور اور امرتسر کے مدارس میں حاصل کی، کچھ عرصہ مولانا احمد علی سہارنپوری سے درسِ حدیث لیا پھر امرتسر آکر درسِ حدیث کی تکمیل کی۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں زبدۃ الکاملین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے [1] تکمیل کے بعد چند سال بھیں ضلع جہلم میں درس و تدریس کا شغل جاری رکھا۔

مولانا محمد کرم الدین دبیر کو قدرت نے بے پناہ مناظرانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا چنانچہ انہوں نے تمام عمر مذاہبِ باطلہ (مرزائیہ، شیعہ، وہابیہ) کی تردید اور ان سے مناظرے کرنے میں صرف فرمائی۔ آپ کے مخلص دوست مولانا فقیر محمد جہلمی (مؤلف حدائق الحنفیہ) جہلم سے ہفت روزہ سراج الاخبار نکالتے تھے۔ انہوں نے مولانا کرم الدین کو اس رسالے کا مدیر مقرر کر دیا۔ آپ نے مرزائیوں کے خلاف زوردار مضامین لکھے، دنیائے مرزائیت میں تہلکہ مچ گیا، اور کوئی چارہ نظر نہ آیا تو آپ کے خلاف یکے بعد دیگرے کئی مقدمات دائر کر دیے۔ پہلا مقدمہ ۱۲ نومبر ۱۹۰۲ء کو اور دوسرا ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو حکیم فضل دین بھیروی قادیانی کی طرف سے گورداسپور میں دائر کیا، دونوں میں مولانا باعزت طور پر بری کر دیے گئے۔ تیسرا مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم کی طرف سے مولانا کرم الدین دبیر اور مولانا فقیر محمد جہلمی پر قائم کیا گیا جس میں مدعا علیہما پر ۵۰ روپے جرمانہ ہوا جو ادا کر دیا گیا۔

۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزائیوں کی طرف سے ایک کتاب مواہب الرحمٰن جہلم میں

---

[1] مظہر حسین کاظمی: حالات مصنف آفتاب ہدایت۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ چکوال، ص ۱۷
[2] محمد متین خالد، تحریک ردِ مرزائیت کے نامور مجاہد، ماہنامہ ضیائے حرم (تحریک ختم نبوت نمبر) دسمبر ۱۹۷۴ء، ص ۵۵

تقسیم کی گئی جس میں مولانا کے خلاف جی بھر کر زہر اگلا گیا تھا، مولانا کرم الدین دبیر نے مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف استغاثہ دائر کردیا، یہ مقدمہ دو سال تک چلتا رہا ۸؍اکتوبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کے جج نے مرزا غلام احمد قادیانی پر پانچ سو روپے اور حکیم فضل دین پر دو سو روپے جرمانہ کا حکم دیا اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں بالترتیب چھ ماہ اور پانچ ماہ قید کا حکم سنایا۔ اس مقدمہ میں مولانا کرم الدین کے بے باکانہ بیانات نے مرزائیوں کے کس بل نکال دیئے، ور فیصلے نے تو ان کے گھروں میں صفِ ماتم بچھادی۔ اس کے علاوہ مولوی اللہ دتہ اور دیگر مرزائی مناظرین کے ساتھ کامیاب مناظرے کئے اور انہیں شکستِ فاش سے دوچار کردیا۔

شیعہ مناظرین کو بھی للکارا اور کئی بار انہیں شکست دی، کندیاں میں مشہور شیعی مناظر مرزا احمد علی سے مناظرہ کیا اور فتحِ مبین حاصل کی۔ ۳۰ مئی ۱۹۲۰ء کو میرپور میں اور ۲ اپریل ۱۹۲۳ء کو چک رجادی، گجرات میں اہلحدیث کے مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ امرتسری سے تقلیدِ شخصی وغیرہ موضوعات پر مناظرہ کیا اور فریقِ مخالف کو لاجواب کردیا[1] مولانا دبیر کی خصوصیت یہ تھی کہ ایک دفعہ ان کے سامنے آنے والا دوبارہ سامنا کرنے سے گھبراتا تھا، ان کا علم و فضل، حاضر جوابی اور پر رعب شخصیت مقابل پر گہرا اثر ڈال دیتے تھے۔

حضرت مولانا دبیر ناموسِ رسالت کے سچے محافظ، مسلکِ اہلسنت وجماعت کے مبلغ اور بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے والے بزرگ تھے، ان کے فرزند مولوی قاضی مظہر حسین (چکوال) اپنے والد کے برعکس دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے آفتابِ ہدایت کے آغاز میں مصنف کا التعارف کراتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مولانا کرم الدین آخر عمر میں علماء دیوبند سے متاثر ہو کر اپنے مسلک سے برگشتہ ہوگئے تھے[2] ہمارے سامنے ایسی کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنا پر ہم یہ سمجھ سکیں کہ مولانا نے مسلکِ اہلسنت چھوڑ کر مسلکِ علماءِ دیوبند اختیار کرلیا تھا البتہ ایسے شواہد

[1] مظہر حسین قاسمی: آفتاب ہدایت ص ۱۷-۱۹

[2] ایضاً ص ۲۰-۲۱

ملتے ہیں جن سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ سنی تھے مثلاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی مبارک تصنیف حسام الحرمین پر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریظ درج ذیل الفاظ میں ملتی ہے:

"باسمہ سبحانہ۔ حسام الحرمین میں جو کچھ لکھا ہے عین حق ہے، دیوبندی جن کے سرگروہ خلیل احمد و رشید احمد ہیں نجدی گروہ متبعین محمد بن عبدالوہاب نجدی سے بھی زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ نجدی تو پہلے ہی سے مسلمانان مقلدین سے الگ تھلگ ہوگئے، مسلمانوں کو ان کے عقائدِ خبیثہ سے آگاہی ہوگئی اور ان سے مجتنب ہوگئے لیکن دیوبندی حنفی وہابی نما، حنفی مسلمانوں سے شکر و شیر ہوکر گویا حلوے میں زہر ملا کر ان کو ہلاک کر رہے ہیں، اعاذنا اللہ منہم۔

اور اب تو ابن سعود نجدی کے مداح بن کر عملاً مسلمانوں سے انہوں نے علیحدگی اختیار کرلی ہے، بہرحال نجدیوں اور دیوبندیوں کے دلوں میں خدا اور رسولِ خدا کی کچھ عظمت نہیں ہے۔ امکانِ کذبِ باری کے قائل ہو کر انہوں نے توہینِ باری تعالیٰ کے جرم کا ارتکاب کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان میں مشرکین سے بھی بڑھ گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم معاذ اللہ حیوانات اور مجانین کی طرح اور شیطان کے علم سے کم بتایا، میلاد النبی کو کنہیا کے سوانگ سے تشبیہ دی اور میلاد کرنے والوں کو مشرک کہا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین" اور چونکہ ان لوگوں کے دلوں میں حب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذرہ بھی موجود نہیں اسلئے یہ خارج از اسلام اور کافر ہیں جیسا کہ علمائے حرمین شریفین کا مدلل و مفصل فتویٰ ان کی نسبت صادر ہو چکا ہے۔"

والسلام، خاکسار ابو الفضل محمد کرم الدین عفا اللہ عنہ از بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

الجواب صحیح : احمد دین واعظ الاسلام اذیاد منہانی ضلع جہلم۔

صح الجواب : محمد فیض الحسن عفا عنہ (مولوی فاضل) مدرس عربی گورنمنٹ ہائی سکول چکوال ضلع جہلم [1]

مولانا کرم الدین دبیر اپنے دور کے متبحر فاضل تھے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ صورت حال سے بے خبر ہوتے ہوئے اس قدر شدید فتویٰ صادر کرتے۔

غالباً ۱۹۳۶ء میں سلانوالی ضلع سرگودھا میں مولانا حشمت علی خاں لکھنوی اور مولوی منظور احمد نعمانی دیوبندی کے درمیان مسئلہ علم غیب پر مناظرہ ہوا تو مولانا کرم الدین دبیر اہلسنت کی طرف سے صدر مقرر تھے۔ اس مناظرے کا اہتمام حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی دام ظلہ العالی نے کیا تھا، ظاہر ہے ایسے فیصلہ کن مناظرے میں اہل سنت کی طرف سے ایسے شخص کو صدر نہیں بنایا جا سکتا تھا جو بریلوی اور دیوبندی اختلافات سے صحیح طور پر آگاہ ہی نہ ہو۔

۱۹۲۰ء میں مولانا کرم الدین دبیر اور ضلع لائلپور کے مولوی محمد فاضل (غیر مقلد) کے درمیان مسئلہ نور پر تحریری گفتگو ہوئی، بالآخر طے پایا کہ اہل سنت کے مرکزی دارالعلوم جامعہ نعمانیہ لاہور کی طرف رجوع کیا جائے، مولانا کرم الدین دبیر لکھتے ہیں :-

"رہا یہ امر کہ آپ دیوبندی مولوی صاحب منصف گردانا چاہتے ہیں حالانکہ علماء حرمین شریفین کا فتویٰ علماء دیوبند کے خلاف صادر ہو چکا ہے آپ اسی جیس دبیس میں وقت گزارنا چاہتے ہیں، اگر آپ حنفی ہیں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب کو منصف مان لیں، نہیں تو انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو پرچے بھیج دیے جائیں، یہ بھی نہیں تو آپ خاموش رہیں" [2]

مولانا نور بخش توکلی اور مولوی غلام مرشد نے محاکمہ میں مولانا کرم الدین کی تائید کی۔

[1] حشمت علی خاں، مولانا : الصوارم الہندیہ مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ص ۱۱۰-۱۱۱۔

[2] مظہر حسین قاضی : آفتاب ہدایت ، ص ۲۱۔

[3] نور بخش توکلی، مولانا : نور مطبوعہ انجمن نعمانیہ، لاہور ، ص ۳۱۔

تبلیغ و مناظرے کی بے حساب مصروفیات کے باوجود آپ نے کئی کتابیں تحریر فرمائیں، آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں :-

۱۔ آفتاب ہدایت، رد رفض و بدعت۔

۲۔ تازیانہ عبرت ، ان مقدمات کی تفصیل جو مولانا نے جہلم اور گورداسپور میں مرزا قادیانی کے ساتھ لڑے۔

۳۔ مناظرات ثلاثہ۔

۴۔ صداقت مذہب نعمانی۔

کئی کتابوں پر آپ کی منظوم تقریظیں ملتی ہیں مثلاً سیرت الحبیب از چوہدری فضل حق چکوال ضلع جہلم پر طویل تقریظ پیش نظر ہے۔ ہدایت المسلمین از حضرت میاں محمد بخش قادری (مصنف سیف الملوک وغیرہ) پر اردو نظم میں مبسوط تقریظ لکھی ہے، اس میں فرماتے ہیں ؎

ہوا اک فرقہ پیدا کچھ دنوں سے	جو بد باطن خبیث و بد زباں ہے
وہ کہلاتے ہیں لا مذہب وہابی	بڑا گمراہ گروہ نجدیاں ہے

بنے نکلی نجد سے اول یہ آفت	بچہ آ پہنچی یہ در ہندوستاں ہے
ہیں شاخیں بہت ہیں اس کی یارو	گروہ سب کا مگر نجدی میاں ہے
کوئی مرزائی کوئی نیچری ہے	کوئی چکڑالوی اہل القراں ہے
مچایا دین میں فتنہ انہوں نے	پڑا اک شور سا اندر جہاں ہے [1]

آپ کی تصانیف میں آفتاب ہدایت کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ کئی ایڈیشن فروخت ہو گئے۔ مولانا کو امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے والہانہ عقیدت تھی، آفتاب ہدایت کا انتساب حضرت

[1] محمد بخش، مولانا میاں : ہدایۃ المسلمین ، مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور ص ۱۲۲-۱۲۳۔

امیر ملت کے نام تھا جو پہلے ایڈیشن میں اب بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مولانا کی وفات کے بعد کے ایڈیشنوں میں یہ انتساب موجود نہیں ہے۔ حضرت امیر ملت، مولانا کی دینی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا کو غازیٔ اسلام کا لقب حضرت امیر ملت ہی کا عطا کردہ ہے۔

آفتاب ہدایت کے پہلے ایڈیشن میں حضرت مصنف نے اندرونی دشمنوں کا ذکر کرتے ہوئے روافض، وہابی، مرزائی وغیرہ کا ذکر کیا تھا، بعد والے ایڈیشنوں میں "وہابی" کا ذکر بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

غازیٔ اسلام مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۸ شعبان، ۱۷ جولائی (۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) کو حافظ آباد میں مکان کی چھت سے گر کر جاں بحق ہوئے اور بھیں ضلع جہلم میں دفن ہوئے۔

مولانا کلیم اللہ مچھیانوی قدس سرہٗ

جامع معقول و منقول مولانا کلیم اللہ مچھیانوی ابن مولانا غلام نبی (م ۱۲۹۳ھ) ابن حافظ محمد حیات ابن جیون رحمہم اللہ تعالیٰ تیرہویں صدی ہجری کے ربع اول میں گاکھڑہ (گجرات) میں پیدا ہوئے، وڑائچ زمیندار برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد متبحر عالم اور ماہر طبیب تھے، جد امجد مولانا محمد حیات بھی اپنے دور کے نامور عالم تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، پھر مولانا محمد اسمٰعیل ساکن خونانی کی خدمت میں کئی سال رہ کر اکتساب علم کیا۔ دیگر اساتذہ میں مولانا بدر الدین ساکن گوگیلی (م ۱۲۹۶ھ) مولانا شاہ نواز ساکن مجھروکی، مولانا حافظ نور الدین چکوڑوی (م ۱۳۰۲ھ) اور مولانا سید احمد ساکن شاہ دولیاں (م ۱۳۰۲ھ) کے اسماء ملتے ہیں۔

آپ تحصیل علوم کے بعد ۱۸۵۲ء میں گاکھڑہ سے منتقل ہو کر مچھیانہ (گجرات) میں قیام پذیر ہو گئے اور درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ ایک سو سے زیادہ علمی کتابیں تالیف کیں۔ تذکرہ علمائے احناف آپ کی اہم یادگار ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لیکر مصنف کے معاصر علماء احناف تک کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے، ۹۰۴ صفحات پر پھیلا ہوا یہ تذکرہ اور مولانا کی اکثر تصانیف مخطوطے کی صورت میں پروفیسر قریشی احمد حسین کے پاس محفوظ ہیں۔[1]

مولانا کلیم اللہ مچھیانوی اپنے زمانے کے جید فاضل اور کامیاب مناظر تھے۔ جب آپ نے فرنگی محل کے علماء کی یہ بات سنی کہ علماء پنجاب معقولات میں دسترس نہیں رکھتے تو دہلی اور فرنگی محل (لکھنؤ) کا سفر کیا اور وہاں علماء سے علمی مذاکرات کر کے اپنے علم و فضل کا سکہ جما دیا اور آپ ہمیشہ اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کرتے تھے کہ میں نے پنجاب کی آبرو رکھ لی۔

۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶-۰۷ء میں مولانا کلیم اللہ مچھیانوی کا وصال ہوا اور مچھیانہ ضلع گجرات میں آپ کا مدفن بنا۔[2]

---

[1] قریشی، احمد حسین قلعداری، پروفیسر: تمدنی تاریخ گلی

[2]

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا علامہ محب النبی قدس سرہ

بحر العلوم حضرت مولانا محب النبی ابن حضرت مولانا احمد الدین ابن حضرت مولانا امیر حسن (قدست اسرارہم) ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء میں بھوئی ضلع کیمبل پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے فارسی کی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، صرف و نحو کی کتابیں باتول ڈھیری ضلع ہزارہ میں مولانا نواب علی سے پڑھیں، پھر اکثر و بیشتر علوم و فنون اپنے والد گرامی سے پڑھے، دورۂ حدیث مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی میں مولانا عبد اللطیف محدث سے لیا، بعد ازاں بعض فنون عالیہ کی تکمیل کے لئے مدرسہ معینیہ، اجمیر شریف میں مولانا علامہ مشتاق احمد کانپوری ابن استاذ زمن مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے تصریح، شرح چغمینی اور صدرا کے کچھ اسباق پڑھے تھے کہ آپ کے بھائی مولانا فرید الدین بیمار ہو گئے لہٰذا واپس گھر آنا پڑا۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے مرید ہوئے۔ مولانا محب النبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی درخواست پر حضرت نے انہیں تصریح (علم ہیئت کی متداول کتاب) اور کچھ اسباق فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم (از شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ) کے پڑھائے۔

حضرت مولانا محب النبی رحمہ اللہ علیہ فارغ التحصیل ہونے سے آخر عمر تک علوم دینیہ کی تدریس میں مصروف رہے، ابتداءً چھ سال بھوئی میں گزارے، پھر پڑودہ تشریف لے گئے، اس کے بعد مکھڈ شریف ایک عرصہ تک مدرس رہے، بعد ازاں پانچ سال تک دربار پیر صلاح الدین قدس سرہ ضلع لائلپور میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے، نو سال دار العلوم اویسیہ جیند حضر شریف ضلع گجرات، بارہ سال دار العلوم غوثیہ، گولڑہ شریف، دو سال جامعہ نظامیہ، وزیر آباد، دو سال جامعہ محمدی، ضلع جھنگ میں

علم و فضل کے دریا بہاتے رہے، ۱۹۶۴ء میں ضیاء العلوم جامعہ رضویہ، راولپنڈی تشریف لے آئے، ۱۹۷۲ء میں دار العلوم غوثیہ، راولپنڈی تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً تین سال پڑھاتے رہے۔

حضرت مولانا محب النبی قدس سرہ دور حاضر میں سلف صالحین کی سچی یادگار اور اکابر اساتذہ میں سے تھے، پاکستان کے بیشتر علماء بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے رشتۂ تلمذ میں منسلک ہیں، چند مشہور تلامذہ کے اسماء یہ ہیں:۔

۱۔ ملک المدرسین حضرت مولانا حافظ عطا محمد چشتی بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ۔
۲۔ شیخ القرآن مولانا ابو الحقائق علامہ محمد عبد الغفور ہزاروی قدس سرہ۔
۳۔ مولانا علامہ حسین الدین ہاشمی، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور، ([illegible])
۴۔ حضرت مولانا سید غلام محی الدین شاہ مد ظلہ مہتمم ضیاء العلوم جامعہ رضویہ، راولپنڈی۔
۵۔ حضرت مولانا علامہ حافظ عبد الغفور مد ظلہ مہتمم جامعہ غوثیہ، بھابڑہ بازار، راولپنڈی۔

حضرت مولانا محب النبی قدس سرہ کا بہت بڑا جہاد یہ تھا کہ انہوں نے تمام زندگی علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس میں صرف کی، سادگی اور بے تکلفی میں اپنی مثال آپ تھے، طلبہ کے ساتھ شفقت و مہربانی کا یہ عالم کہ کوئی باپ بھی اپنی اولاد کے ساتھ کیا کرے گا۔

غالباً ۱۹۷۰ء کا واقعہ ہے، راقم الحروف ان دنوں دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور میں فرائض تدریس انجام دے رہا تھا کہ ایک دن حضرت استاذ الاساتذہ دار العلوم میں تشریف لائے، تشریف آوری کا سبب پوچھا تو فرمایا یہ مولانا صاحب میرے شاگرد ہیں ان کے لئے سند کی ضرورت ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اتنے بڑے استاذ نے ایک شاگرد کی درخواست پر راولپنڈی سے ہری پور تک کے سفر میں کوئی تکلف محسوس نہیں کیا، اللہ اللہ! آج ایسی مثالیں کہاں ملیں گی۔

۲۱ ربیع الاول، ۲۲ مارچ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء کو حضرت استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی قدس سرہ کا وصال ہوا، آپ کی آخری آرام گاہ بھوئی ضلع کیمبل پور میں بنی جہاں صاحبزادے

لہ فیضان مہر علی، مولانا [illegible]

آپ سے یادگار ہیں :-

۱۔ مولانا مشتاق الغنی
۲۔ مولانا فدا الغنی
۳۔ مولانا مختار الغنی
۴۔ مفتی صاحب کے نام سے معروف ہیں۔

جناب ابو الطاہر فدا حسین فدا مدیر اعلیٰ ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور نے قطعہ تاریخ وصال کہا:-

اٹھ گئے بزمِ جہاں سے آج ہیں جو حق پرست
ہر بشر مداح جن کا ہم نے دیکھا بالعموم

کارگر ہوتی ہے کب کوئی یہاں تدبیر آہ!
ظلمتوں میں جس گھڑی آجائیں انساں کے ہجوم

عالمِ ذی مرتبت تھے اور وہ استادِ زماں
جو بجا کا شہرہ ہے انکا تا عراق و شام و روم

گلشنِ دینِ متیں میں تھے بہارِ تازہ وہ
ان کے زہد و اتقا کی ہے بپا ہر سمت دھوم

تھے نبیِ محترم کے اک محبِ خاص وہ
کیوں نہ ہو پھر رحمتوں کا ان کی تربت پہ ہجوم

علم غیبی پکارا ان کا سالِ وصل یوں
اے فدا تو فی البدیہہ کہہ "غم بحرِ علوم"
۱۳ ۔ ۹۶

فاضلِ اجل حضرت علامہ مولانا محمد حسن پشاوری المعروف حافظ دراز قدس سرہٗ

فاضلِ یگانہ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد حسن ابن مولانا حافظ محمد صدیق ابن محمد اشرف قدس اسرارہم ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء میں خوشاب (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپکا خاندان علم و فضل میں بلند مقام کا حامل تھا۔[1] اکثر علوم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کئے جو بڑے علم و فضل کی مالک تھیں۔[2] حافظ دراز کے نام سے شہرت کی وجہ یہ تھی کہ آپ نہ صرف علوم عقلیہ و نقلیہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے بلکہ جسمانی طور پر بھی بلند قامت اور سرو قد تھے چنانچہ ایک دفعہ جوتا بنوانے کی غرض سے موضع چکنی تشریف لے گئے، موچی مکان کی چھت پر بیٹھا جوتے بنا رہا تھا، آپ نے سر اونچا کر کے پوچھا کہ میرے پاؤں کے ناپ کا جوتا مل جائیگا؟ اس نے کہا مولانا! گھوڑے سے اتر کر اوپر آجائیں۔ آپ نے فرمایا گھوڑا کہاں ہے میں تو اپنے پاؤں پہ کھڑا ہوں! موچی نے آجتک اتنا طویل آدمی نہیں دیکھا تھا یہ سن کر وہ گھبرایا ہوا اٹھ کر بھاگ گیا۔[3]

مولانا فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں :-

"فقہ، تفسیر، حدیث، اصول میں یگانۂ روزگار اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ اور خاندانِ علم و فضل سے تھے۔"[4]

مولانا حافظ دراز رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ پنجاب کے باشندے تھے لیکن قلبِ مکانی کرکے پشاور میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ تحصیلِ علوم کے بعد مسندِ تدریس پر فائز ہوئے تو

---

1. امیر شاہ قادری، مولانا: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (مطبوعہ عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور ۱۳۸۳ھ) ج ۱، ص ۲۳۔
2. رحمٰن علی، مولانا: تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۱۸۵۔
3. امیر شاہ قادری، مولانا: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج ۱، ص ۱۲۲۔
4. فقیر محمد جہلمی، مولانا: حدائق الحنفیہ (مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۹ء) ص ۵۰۴۔

جلد ہی آپ کی جلالتِ علمی کا شہرہ دور دراز تک پہنچا۔ پشاور، علاقۂ آزاد، کابل، قندھار، غزنی، ہرات، سمرقند اور بخارا کے تشنگانِ علوم دینیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کامیاب ہو کر اپنے علاقوں میں خدمتِ دین میں مصروف ہو جاتے تھے۔

جب مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پشاور پہنچے تو وہاں کے حنفی علماء نے ان کے عقائد سے سخت اختلاف کیا، مولوی اسمٰعیل دہلوی نے فضا ہموار کرنے کی خاطر پشاور کے علماء کے نام خطوط لکھے، سب سے پہلے جس عالم کو مخاطب کیا وہ مولانا حافظ دراز تھے۔ اس سے آپ کی رفعت و جلالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ اظہارِ حق کے سلسلے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

مولانا حافظ دراز رحمہ اللہ تعالیٰ نے پر آشوب دور میں علوم دینیہ کی قندیل روشن رکھی اور کسی ظالم و جابر کے سامنے جھکنا گوارا نہ کیا، آپ نے ایک مرتبہ اپنی تقریر میں پشاور کے حاکم جرنیل ابوطبیلا اطالوی کے مظالم پر زبردست تنقید کی اور اسے عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی، اس نے باز پرس کیلئے آپ کو گورکھٹری میں طلب کیا، کسی طرح یہ اطلاع شہر میں پھیل گئی، لوگ جانتے تھے کہ ابوطبیلہ بڑا ظالم ہے، بس پھر کیا تھا پورے شہر میں ہیجان پیدا ہو گیا، علماء و مشائخ، مساجد اور خانقاہوں سے نکل آئے، یہ صورتِ حال دیکھ کر ابوطبیلہ نے آپ کو عزت و تکریم سے رخصت کر دیا۔

امام ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کی اولاد میں سے شاہ غلام محمد معصومی المعروف حضرت جی پشاوری رحمہ اللہ تعالیٰ سرہند شریف سے تشریف لا کر پشاور میں مقیم ہو چکے تھے، ان کے ہاں ہفتے میں دو دن مجلس وعظ و نصیحت منعقد ہوتی تھی، ایک دن مولانا حافظ دراز رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہوتا تھا، آپ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت مدلل طور پر بیان فرماتے تھے، آپ کی گفتگو اتنی اثر انگیز ہوتی تھی کہ سننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی تھی، محض آپ کا بیان سننے کے لئے لوگ دور دراز سے حاضر ہوتے تھے۔

حضرت مولانا حافظ دراز رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ ویسے تو ہر خطے اور ہر شہر میں موجود تھے اور صوبہ سرحد کے اکثر و بیشتر علماء آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک تھے۔

لیکن آپ کے تین شاگرد بہت مشہور ہوئے:۔

۱۔ شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ۔

۲۔ قدوۃ الکاملین حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی قدس سرہ۔

۳۔ استاذ المحدثین مولانا میاں نصیر احمد المعروف میاں صاحب قصہ خوانی قدس سرہ۔

مولانا حافظ دراز قدس سرہ نے درجِ ذیل عظیم الشان تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا:

۱۔ منح الباری شرح صحیح البخاری (فارسی) شروحِ حدیث میں یہ شرح اپنی مثال آپ ہے، اسماء رجال کی تحقیق، حل لغات، مذہبِ حنفی کا احادیث سے اثبات اور مسلکِ اہلِ سنت و جماعت پر استدلال ایسے امور ہیں جو قابلِ دید ہیں، اس شرح کا قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی میں محفوظ ہے، پہلا پارہ چھپ چکا ہے۔

۲۔ حاشیۂ قاضی مبارک، اپنی اہمیت کی بنا پر متعدد مطابع کی طرف سے قاضی مبارک کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

۳۔ حواشی بر تتمہ اخوند یوسف۔

۴۔ تفسیر سورۂ یوسف۔

۵۔ تفسیر از سورۂ والضحٰی تا آخر قرآن۔

۶۔ معراج نامہ۔

۷۔ وفات نامہ۔

۸۔ شاہ بخارا کے سوالات کے جوابات، یہ مجموعہ اسلامیہ کالج کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

مولانا محمد محسن المعروف حافظ دراز پشاوری قدس سرہ کا وصال ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں پشاور میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف ۱۰۶ سال تھی۔[1]

---

[1] امیر شاہ قادری، مولانا سید: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج ۱، ص ۱۲۳، ۱۲۴۔

غازیٔ کشمیر، قائدِ تحریکِ ختمِ نبوت مولانا علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری قدس سرہٗ

حضرت علامہ مولانا سید محمد احمد قادری ابن امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہما ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں محلہ نواب پورہ، الور میں پیدا ہوئے[1] حافظ عبدالحکیم اور حافظ عبدالغفور سے کلام پاک حفظ کیا، اسی دوران مرزا مبارک بیگ سے اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم شروع کی اور جگت استاذ قاری قادر بخش سے تجوید کی مشق کی، گیارہ بارہ سال کی عمر میں حفظ کلام پاک کے ساتھ ساتھ اردو انشاء پردازی اور فارسی میں کسی قدر مہارت حاصل کرلی پھر تمام علوم و فنون کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔

اسی اثناء میں مشین سازی، رنگسازی، کارپینٹری، گھڑی سازی، خیاطی اور چھاپہ خانوں کا کام سیکھ لیا، مراد آباد میں حکیم نواب حاجی الدین سے علم طب حاصل کیا[2] حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی کے فیوض سے بھی مستفیض ہوئے، حضرت مولانا شاہ علی حسین کچھوچھوی قدس سرہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوگئے[3]

تحصیل علوم سے فارغ ہوتے ہی ایک حادثہ رونما ہوا، ہندوؤں نے الور کی مسجد ترپولیہ شہید کردی، اس واقعہ نے مولانا کو شعلۂ جوالہ بنا دیا، آپ نے خداداد خطیبانہ صلاحیتوں سے مسلمانوں میں روح پھونک دی، مسجد کی واگزاری کے لئے زبردست جدوجہد شروع ہوگئی، مولانا کو گرفتار کرلیا گیا لیکن مسلمانوں کے شدید دباؤ کی بنا پر مہاراجہ الور نے نہ صرف مولانا کو رہا کیا بلکہ سرکاری خرچ سے مسجد دوبارہ تعمیر کردی[4]

---

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ ص ۱۲۸

[2] محمد احمد قادری، مولانا ابوالحسنات سید : روئداد مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان (۱۹ و ۲۰ مارچ ۱۹۴۹ء) ص ۱۰۰

[3] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ ص ۱۲۸

[4] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ : تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور ص ۳۱۷

حضرت علامہ ابوالحسنات قدس سرہٗ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے، متحدہ پاک و ہند کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہوگا جہاں تبلیغ اسلام کی خاطر آپ نہ پہنچے ہوں، ذریعۂ معاش کے طور پر مطب جاری رکھا، اس طرح روحانی امراض کے علاوہ جسمانی امراض سے بھی جہاد کرتے رہے۔

مسجد وزیر خاں، لاہور کی خطابت سے امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہٗ سبکدوش ہوئے تو سر ظفر علی ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ و متولی مسجد وزیر خاں نے بڑے اصرار کے ساتھ منصب خطابت مولانا ابوالحسنات کے سپرد کیا چنانچہ مولانا الور سے رخت سفر باندھ کر لاہور تشریف لے آئے اور ہمیشہ کے لئے لاہور کے ہو کر رہ گئے۔ لاہور سے جو بھی دینی و ملی تحریک اٹھی اس میں آپ امتیازی حیثیت سے شریک ہوئے۔ الور میں آپ انجمن خادم الاسلام کے صدر اور فتوے کمیٹی کے ہیڈ مفتی تھے، مسجد وزیر خاں میں بزم تنظیم قائم ہوئی جس کے صدر بنائے گئے، اس تنظیم کے شعبۂ تالیف کے زیر اہتمام ۳۵ ٹریکٹ لکھ کر شائع کئے، انجمن حزب الاحناف، لاہور کے امیر مقرر ہوئے اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس نے تحریک پاکستان میں جس سرفروشی اور جاں سپاری سے کام کیا اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ قیام پاکستان کے بعد ایک ایسی ہمہ گیر تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی جو اہل سنت و جماعت کو منظم کرنے کے ساتھ ملکی اور ملی مسائل میں راہنمائی کا فریضہ انجام دے، غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحریک پر انوار العلوم، ملتان میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں پاکستان بھر کے علماء و مشائخ نے شرکت کی، جمعیۃ العلماء پاکستان کی تشکیل کے بعد حضرت علامہ ابوالحسنات صدر اور حضرت علامہ کاظمی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

جمعیۃ العلماء پاکستان اور جمعیۃ المشائخ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق ۷ مئی ۱۹۴۸ء بروز جمعہ پاکستان بھر میں یوم شریعت منایا گیا، جلسے منعقد ہوئے، قائد اعظم اور اسمبلی کو تاریں دی گئیں اور حکومت پر زور دیا گیا کہ پاکستان میں قانون اسلامی نافذ کیا جائے[1]

مجاہدین اسلام کشمیر کے محاذ پر حق خود ارادیت کے حصول کے لئے جانبازی کا مظاہرہ

---

[1] محمد احمد قادری، مولانا ابوالحسنات سید : روئداد مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان، لاہور، ص ۱۰۲-۱۰۳

کر رہے تھے، مودودی صاحب نے اس جنگ کو جہاد تسلیم نہیں کیا۔ حضرت علامہ ابوالحسنات رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور مسلمانوں کو ہر ممکن طریقہ سے مجاہدین کی امداد کرنی چاہیے۔[1] جمعیۃ العلماء پاکستان کی تحریک پر ۴۰ ہزار روپے سے زائد کا ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔[2] صدر جمعیۃ نے بنفس نفیس احباب سمیت محاذ کشمیر کے کئی دورے کئے اور مجاہدین کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ انہیں سامان ضرورت مہیا کیا۔ ان مساعی جمیلہ کی بنا پر آپ کو غازیٔ کشمیر کا لقب دیا گیا۔[3]

جہادِ کشمیر کے قائدین نے آپ کی خدمات کا برملا اعتراف کیا اور آپ کا شکریہ ادا کیا چوہدری غلام عباس، پریذیڈنٹ آزاد کشمیر و صدر مسلم کانفرنس جموں و کشمیر کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

۹ مئی ۱۹۴۹ء، سیالکوٹ — محترم جناب ابوالحسنات صاحب

احقر غلام عباس — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — مزاج شریف

آپ کا خط ملا، اس سے قبل بھی جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا تھا، قیام لاہور کے دوران میں میں نے آپ سے ملاقات کی بے حد کوشش کی لیکن مصروفیت کی وجہ سے میں ایسا نہ کر سکا، امید کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

جہاد کشمیر اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں آپ کی مالی، اخلاقی اور سیاسی سرگرمیاں باعث تشکر و اطمینان ہیں، خدا آپ کو ہم کو مشترکہ مقصد میں جلد کامیاب کرے، آمین ثم آمین۔

ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو:

---

[1] محمد احمد قادری، مولانا ابوالحسنات سید: روئیداد جمعیۃ ص ۱۸

[2] ایضاً ، ص ۴۷

[3] [illegible] روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۶ اگست ۱۹۵۵ء

فورسز ہیڈکوارٹرز لائن

۱۶-۴-۴۹

محترم جنابِ سید — السلام علیکم

گزشتہ ماہ مجھے لاہور مدعو کیا گیا وہاں آپ اور آپ کے رفقاء نے جس خلوص اور ہمدردی کا ثبوت دیا اس کے لئے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں، من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ!

آپ کی ذات گرامی سے امید واثق ہے کہ سلسلۂ استصواب رائے کشمیر آپ کی مساعی جمیلہ اس وقت تک جاری و ساری رہیں گی جب تک تمام کشمیر اور اس کے ملحقات کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو کر وہاں اسلام کا قرآنی نظام قائم نہ ہو جائے۔

والسلام بالوف الاحترام

احمد علی شاہ

وزیر دفاع آزاد کشمیر

قیام پاکستان کے بعد ختم نبوت کے قصر رفیع میں نقب لگانے والے مرزائی قادیان سے منتقل ہو کر پاکستان آ گئے اور پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ کے نام سے برائے نام قیمت کے عوض ربوہ کی زمین حاصل کر کے ارتداد پھیلانے میں مصروف ہو گئے، اس فتنے کے انسداد کے لئے پاکستان کے تمام علماء، سنی، دیوبندی، غیر مقلد، جماعت اسلامی اور شیعہ نے مل کر ۱۹۵۳ء میں مجلس عمل قائم کی جس کے صدر مولانا ابوالحسنات قادری منتخب ہوئے۔ متفقہ طور پر خواجہ ناظم الدین کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ظفر اللہ کو وزارت کے منصب سے برطرف کیا جائے اور مرزائیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے لیکن ارباب اقتدار ٹس سے مس نہ ہوئے، آخر طے پایا کہ ایک وفد کراچی جا کر مرکزی وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملے اور اپنے مطالبات پیش کرے۔

نوابزادہ صاحب نے معذوری کا اظہار کیا اور قائدین وفد کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، جگہ جگہ احتجاجی جلسے ہونے لگے، جلوس نکلنے لگے عوام و خواص کے مطالبے اور احتجاج کی شدت کے ساتھ ساتھ حکومت کا تشدد بھی بڑھتا گیا اور پورے ملک کے جیل خانے فدایانِ ختمِ نبوت سے بھر گئے۔

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمہ اللہ تعالےٰ اور دیگر زعماء کو سکھر جیل میں منتقل کر دیا گیا، آپ نے قید و بند کی صعوبتوں کو بڑی استقامت کے ساتھ برداشت کیا جب پسِ دیوارِ زنداں آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری مدظلہ کو تحریک ختمِ نبوت میں حصہ لینے پر پھانسی کی سزا دے دی گئی ہے تو آپ نے بے ساختہ کہا:

"الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میرا یہ معمولی ہدیہ قبول فرما لیا" [1]

بعد میں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ آپ نے ایام اسیری میں قرآن پاک کی تفسیر "تفسیر الحسنات" لکھنے کا کام شروع کر دیا اور معتدبہ حصہ جیل ہی میں لکھا۔ جب دیگر زعماء گرفتار ہو گئے تو مجاہدِ اسلام مولانا عبدالستار خاں نیازی مدظلہ العالی نے مسجد وزیر خاں کو مرکز بنا کر اپنی شعلہ بار تقریروں سے تحریک کو آگے بڑھایا، انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور ان کے خلاف پھانسی کا فیصلہ صادر کر دیا گیا ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

قریب تھا کہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی لیکن بعض آسائش پسند لیڈر حکومت سے معافی مانگ کر رہا ہو گئے، بعد ازاں مولانا ابوالحسنات اور مولانا عبدالستار خاں نیازی کو بھی رہا کر دیا گیا، اس طرح یہ تحریک وقتی طور پر رک گئی۔ ۱۹۷۴ء میں دوبارہ یہ تحریک چلی اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار دئے گئے [2]

---

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ ، ص ۷۸-۷۹

[2] محمد منشا تابش قصوری، مولانا : رد مرزائیت میں علمائے اہلسنت کا حصہ، ماہنامہ ضیائے حرم ختم نبوت نمبر، دسمبر ۱۹۸۳ء، ص ۶۷

[3] محمد صادق قصوری، حاجی : اکابر تحریک پاکستان (مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۶ء) ص ۱۳۹

حضرت علامہ ابوالحسنات ایک نامور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ میدانِ تحریر میں نظم و نثر پر قدرتِ کاملہ رکھتے تھے، حافظ تخلص کرتے تھے۔ انجمن حمایت اسلام، لاہور کے ایک اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنی مشہور غزل پڑھی ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

حضرت علامہ ابوالحسنات نے اس کے جواب میں ایک غزل پڑھی جس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں ؎

تو ہی خود حجاب اے دل جو حسن جو ہوا اسیر زلفِ دراز میں
تو کبھی ہو کیوں تہِ سوز میں اثر ہے فکرِ آئینہ ساز میں

جو دباکے حشر کے فتنے سب اجو اٹھائے حشر میں فتنے سب
وہ ہے کام آپ کے لطف کا یہ سب ہے لطف آپ کے ناز میں

تری آرزو تو سعید ہے مگر ایسا ہونا بعید ہے
کہ جمالِ یار کی دید ہو رہے تو لباسِ مجاز میں

تجھے اور وصل کی آرزو، تجھے دیدِ حسن کی جستجو
نظرِ ہوس اثری آبرو نہیں چشمِ بندہ نواز میں

یہ غزل سن کر علامہ اقبال دیر تک عالمِ وارفتگی میں روتے رہے، اس غزل کو انہوں نے "جذباتِ حافظ" کے عنوان سے یاد کر لیا تھا [1]

آپ نے تصانیف کا گرانقدر ذخیرہ یادگار چھوڑا، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:-

۱۔ تفسیر الحسنات	۴۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ
۲۔ ترجمہ کشف المحجوب	۵۔ مخمس حافظ
۳۔ اوراقِ غم	۶۔ مسدس حافظ

---

[1] الیس ایم ناز : ہفت روزہ قندیل، لاہور (۲۰ نومبر ۱۹۶۶ء)

۷۔ دیوانِ حافظ اردو   ۸۔ مرزائیت پر تبصرہ   وغیرہ وغیرہ [1]

۲ شعبان المعظم ، ۲۰ جنوری ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء بروز جمعہ ساڑھے بارہ بجے دن اہلِ سنت کے بطلِ جلیل مولانا علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری قدس سرہ کا وصال ہوا ، وصال سے کچھ پہلے یہ شعر زبان پر تھا ؎

حافظ ار مد زندہ باشی ، مرگ کجا و تو کجا
تو شدہ فنائے محمد احمد بود لقائے تو [2]

یہ آپ کی اسلامی خدمات کا ایک ثمر تھا کہ آپ کو حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے احاطۂ مزار میں آخری آرام گاہ ملی ۔

مولانا غلام دستگیر نامی نے تاریخِ وفات کہی ؎

دریغا ! ابنِ دیدار علی شاہ   محمد احمدِ شیریں بیاں رفت
ابوالبرکات را آنچ مکرم   کہ بُد محمود را عمِ کلاں رفت
خلیلش جانشین نام بردار   بماند ، چونکہ فخرِ خانداں رفت
بتاریخِ وفاتش گفت نامی
ابوالحسنات اجل از جہاں رفت [3]

مکرمی حکیم اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے "لقد وصل الجنۃ مولانا" (۱۴۰۱ھ) سے تاریخِ وصال استخراج کی ہے ۔

---

[1] اقبال احمد فاروقی ، پیرزادہ : تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت ، لاہور : ص ۳۱۸
[2] السراج ، ؟ : ہفت روزہ قندیل ، لاہور
[3] سوادِ اعظم لاہور : ۳ فروری ۱۹۸۱ء

حضرت مولانا پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ قدس سرہ (کرمانوالہ)

مرشدِ شہیر حضرت مولانا سید محمد اسمٰعیل ابن سید علی شاہ بخاری کاظمی قدس سرہما ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء میں موضع کرمانوالہ مضافات فیروز پور میں پیدا ہوئے ۔ آپ کا سلسلۂ نسب مرکزِ سیادت حضرت سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری قدس سرہ (اُچ شریف) تک پہنچتا ہے ۔ قرآن پاک سید مخدوم قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھا ، فارسی کی کتابیں مولانا رحمت علی جو یہ اکرمانوالہ سے پڑھیں پھر موضع چھیکے پہنڈ (مضافات فیروز پور) میں مولانا محمد الدین سے ابتدائی علوم حاصل کئے ، بعد ازاں حضرت پیر سید غلام حیدر شاہ جلالپوری قدس سرہ کے مدرسہ میں علمِ ظاہری کا اکتساب کیا اور حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوئے ۔ کچھ دن مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں قیام کیا لیکن جلدی لاہور تشریف لے گئے ، اور مولانا مفتی عبد القادر جہانگیری رحمہ اللہ تعالیٰ صدر مدرس جامعہ نعمانیہ لاہور اور دیگر اساتذہ سے مروجہ علوم کی تحصیل و تکمیل کر کے علمِ حدیث حاصل کرنے کے لئے مدرسۃ الاسلام ، دہلی میں مولانا عبد العلی کے پاس پہنچے اور ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں سندِ فراغت حاصل کی [1]

تحصیلِ علوم کے زمانہ ہی میں حضرت مولانا شرف الدین فیروز پوری قدس سرہ (خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ) کے دستِ مبارک پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہو چکے تھے [2] تحصیلِ علوم کے بعد کرمانوالہ (مضافات فیروز پور) میں رشد و ہدایت کا پیغام لوگوں تک پہنچانا شروع کیا ، بے شمار لوگ شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے مولانا شرف الدین کے وصال کے بعد ان کے ایماء کے مطابق شیر یزدانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور الطاف و عنایات سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے [3]

---

[1] غلام مہر علی ، مولانا : الیواقیت المہریہ ، ص ۱۳۴
[2] محمد صادق قصوری ، سید ؟ : صوفیائے نقشبند ، مقبول اکیڈمی لاہور ، ص ۳۹۲
[3] تذکرہ و سیاست ... نامی ثمر ، ماہنامہ سبیل لاہور ، جنوری فروری ۱۹۷۳ء ، ص ۵۰

تقسیم ملک کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ تین سال پاکپتن شریف قیام کیا پھر موضع بیگا (مضافات اوکاڑہ) میں تشریف لے آئے۔ سابق جائے سکونت کے نام پر اس جگہ کا نام بھی کرمانوالہ رکھ دیا، یہاں نیا اسٹیشن بھی قائم ہو گیا ہے۔[1] آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع ہے اور خصوصی طور پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ کے مریدین متبع شریعت و ذکر و فکر کی دولت سے مالا مال ہیں حضرت شاہ صاحب کو اپنے مرشد طریقت حضرت میاں صاحب سے بے پناہ عقیدت تھی، آپ کے وسیع لنگر سے جو کچھ بچ جاتا اسے شیخ کے لنگر میں پیش کر دیتے۔ ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ سالہا سال حاضر خدمت رہنے کے باوجود کبھی آنکھ ملا کر بات نہ کی

بے شمار افراد آپ کے فیض دعا و صحبت سے مستفیض ہوئے، ہر طبقے اور ہر فرقے کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ وہ آپ کی پرکشش شخصیت کا اثر نقش دل ہو کر جاتے۔ شریعت مطہرہ پر خود بھی عمل کرتے اور آنے جانے والے معتقدین کو بھی اتباع شریعت کی تاکید کرتے۔

٢٠ جنوری، ٢٧ رمضان المبارک (١٣٨٥ھ/١٩٦٦ء) بروز جمعرات آپ کا وصال ہوا اور کرمانوالہ میں دفن ہوئے۔[2]

---

[1] میر ضیاء الدین بچیم : صوفیائے نقشبند ، ص ٣٩٠ - ٤٠٣

[2] عظیم مرالی، مولانا : اجواقیت مہریہ ، ص ٣٥

سیبویہ زمانہ حضرت مولانا قاضی محمد اسماعیل قادری ہزاروی قدس سرہٗ

صرف و نحو کے مشہور فاضل حضرت مولانا مفتی قاضی محمد اسمٰعیل قادری ہزاروی ابن مولانا الحاج مدد خان ابن ملک بستان خان رحمہم اللہ تعالیٰ بمقام نور پور نزد حضرو (نعمت خان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام محمد ابن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد امجد مولانا غلام محمد نور پوری بھی صاحب علم و فضل تھے۔ آپ نے ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، پھر کشمیر کی مشہور درسگاہ ڈنہ کچیلی اور گھمبیر شریف (آزاد کشمیر) میں تحصیل علم کرتے رہے، بعد ازاں مراد آباد اور سہارنپور کے مدارس میں تعلیم حاصل کی اور سند فراغت حاصل کر کے واپس وطن ہوئے۔ ان دنوں والد ماجد قصبہ کوکل تحصیل ایبٹ آباد (ہزارہ) میں قیام پذیر تھے، والد گرامی نے اپنی جگہ مقرر کر کے خود بمقام بیسیان (ضلع ہزارہ) چلے گئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ درس و تدریس کا آغاز کیا، آپ کی شہرت دور دراز تک پہنچی اور سیبویہ زمانہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ منتہی طلباء خصوصیت سے نحو کی آخری کتابیں پڑھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ دور افتادہ قصبہ میں مقیم ہونے کے باوجود آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مولانا الحاج سکندر علی شاہ محمدی آپ کے لائق شاگردوں میں سے تھے۔ سید محمد شاہ ہزاروی (حویلیاں) اور مولوی غلام اللہ خان (راولپنڈی)، مولوی محمد اسحٰق ایبٹ آبادی، قاضی صدر الدین درویشی، قاضی محمد یونس بانا کوٹی اور مولوی محمد نعمان مانسہروی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔[1]

مولانا کے شاگردوں کا وسیع سلسلہ پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد بلکہ کابل، قندھار اور بلخ و بخارا تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ صاحب تقویٰ و ورع، خوش گفتار اور پاک وضع شخصیت تھے تمام عمر فی سبیل اللہ درس دیتے رہے، سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت غوث زماں خواجہ محمد عبدالرحمٰن

---

[1] محمد امیر شاہ قادری، مولانا : تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (مطبوعہ عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور) ج ٢ ، ص ٣٠٩

چھوروی قدس سرہ (ہری پور) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بہت محبت و عقیدت تھی، حضرت خواجہ صاحب بھی آپ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔

مولانا نے مسئلۂ حیلۂ اسقاط پر ایک رسالہ اور دلائل الخیرات شریف پر حاشیہ تحریر کیا تھا جو شائع ہو کر نایاب ہو چکے ہیں۔ آپ کا ذاتی کتب خانہ خاصا وسیع ہے جس میں نادر کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ مولانا اپنے علاقہ کے مشہور قاضی اور مفتی تھے، مسائل شرعیہ میں لوگ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

آپ کی اولاد میں دو صاحبزادے مولوی محمد اسحٰق (مقیم کوکل ضلع ہزارہ) اور مولانا محمد عبد القیوم قمر ہزاروی فاضل مرکزی حزب الاحناف لاہور (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) و خطیب جامع مسجد حنفیہ باغ والی بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور، یادگار ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱ر نومبر بروز جمعۃ المبارک ماہ شوال ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء کو واصل بحق ہوئے، آپ کی آخری آرامگاہ موضع کوکل (ضلع ہزارہ) میں شمال مشرق کی طرف نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

۱؎ یہ تمام حالات انہوں نے لکھ کر عنایت کئے ہیں جس کے لئے راقم ان کا شکر گزار ہے۔

محقق جلیل مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی قدس سرہٗ العزیز

حضرت مولانا محمد اعظم المعروف بہ حضرت بابا جی ابن مولانا محمد یار موضع دانگلی ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔[1] سن ولادت ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء ہے۔ ابتدائی فارسی کی تعلیم چودھری شہباز خاں مصنف وقائع چنوں سے حاصل کی، فقہ، حدیث شریف اور علوم قرآنیہ کی زیادہ تر تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، کچھ عرصہ قصبہ شیخ گڑھ چوڑیاں (ضلع گورداسپور) اور امرتسر میں پڑھتے رہے، علم ادب اور طب مولوی دوست محمد ہاشمی قریشی شیخ گڑھی سے حاصل کیا۔ حضرت سید فقیر اللہ شاہ بادشاہ مشہدی رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ نوشاہیہ میں خلافت سے مشرف ہوئے۔

مروجہ علوم سے فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ محکمہ مال لدھیانہ میں کام کرتے رہے لیکن حضرت شیخ کی محبت نے آپ کو کھینچ لیا اور حضرت شیخ کی حیات ظاہری تک آپ آستانۂ شیخ کے علاوہ کہیں نہیں گئے۔ آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ آپ شریعت و طریقت کے جامع، علوم دینیہ کے جید فاضل اور سلف صالحین کے اخلاق کے پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین خوشنویس، نامور طبیب، نغز گو شاعر اور کتب کثیرہ کے مصنف تھے۔[3]

مولانا محمد اعظم قادری بڑے راسخ العقیدہ بزرگ تھے ہمیشہ وہابیوں، دیوبندیوں اور دیگر باطل فرقوں سے اجتناب کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ جن دنوں آپ کے بھانجے مولانا عبد الخالق دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، آپ نے انہیں ایک منظوم خط لکھا، اس خط کے چند اشعار

۱؎ محمد لطیف ناز نوشاہی، ہدایۃ المریدین (قلمی)، ص ۳۔

۲؎ اردو انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ فیروز سنز، لاہور، ص ۱۲۷۹۔

۳؎ محمد لطیف ناز نوشاہی، ہدایۃ المریدین، ص ۴-۵۔

ملاحظہ ہوں ؎

تا توانی از وہابی در گریز — بر سر چکڑالوی ہم خاک ریز
در دہان خارجی بگذار گوز — رافضی را نیز در آتش بسوز
شیخ نجدی را بداں از خویشتن — تا نیست دارد ترا اندر فتن
گر چہ پیشش آید رہ دیگر برد — نیست شیطان دو وہابی ہیچ دو
الحذر! بہر خدا کل الحذر — از وہابی وز کلامش پر خطر
پائے بوس اہل حق شو اے پسر — اَلوہابی یجرک فی السقر
خاص آں خارج کز او حنفی نماست — صحبتش بگزیں کہ او از حق جداست

اتفاقاً یہ خط مولوی محمود حسن دیوبندی کے پاس پہنچ گیا، اسے دیکھتے ہی انہوں نے مولوی عبدالخالق کو مدرسے سے خارج کر دیا[1]

ایک اور نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں انہوں نے از راہ خوش طبعی پنجابی الفاظ فارسی اشعار میں سموے ہیں ؎

دماغ دیوبندی را گرفت بوئے بد نجدی — فرود آرد بہ شکمش تا دہد آواز گڑ گڑ ہا
بہ معلوم است کایشاں را بہ پیغمبر چہ پرخاش است — کہ از مدح و ثنا ئے او بدل دارند کڑ کڑ ہا
بہ بغض مصطفیٰ در دل چو ایمانے نہ پا سلامے! — چو شکِ فرو ابنار افتند باہم جملہ جُھڑ جُھڑ ہا
چو پیش اہل حق آیند تاب گفت گو نارند — گریزاں می روند از ما زلیس بینند مڑ مڑ ہا[2]

کانگرسیوں پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

پڑی اپنے دل میں جو یہ ہوس، ہائے کانگرس ہائے کانگرس
رہا رب بھی نہ دھیان میں، بنے آپ گاندھی جو ہُو بہُو[3]

---

[1] ... طریقہ ... ج ۲ (دہلی) بشکریہ جناب محمد اسلم نوشاہی، مریدکے
[2] ایضاً
[3] [illegible]

ایسا ہی ایک فارسی شعر ہے ؎

من از ذکر قرآں چہ اندوختم
چرا ورد گاندھی شبا موختم[1]

مرزائیت پر بھرپور چوٹ ملاحظہ ہو ؎

اے بیٹ تیرے واسطے ہم کیا کیا بنے
مہدی بنے، مسیح بنے، مقتدا بنے
بے شرم تو بھرا نہیں گو ہم خیال ہیں
نانک بنے، کرشن بنے اور خدا بنے[2]

آپ کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں:-

۱۔ غایۃ الغایۃ فی بر الساعۃ (اردو) حکیم زکریا رازی کے رسالہ برء الساعۃ کا ترجمہ، مطبوعہ ۱۸۸۷ء

۲۔ تحفۃ اخوان الصفا فی جواز السماع والغناء سماع مشائخ کے جواز پر (میرووال سے شائع ہوا)

۳۔ رحمۃ الرحمٰن شرح قصیدۃ النعمان قصیدہ امام اعظم کی اردو شرح پہلی مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی سے چھپی، درحال ہی میں مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ سے شائع ہوئی ہے۔

۴۔ تحفۃ الفقراء المعروف نذر مولیٰ (تصوف) ۱۳۲۲ھ میں میرووال سے چھپی۔)

۵۔ اسم اعظم ۱۳۲۳ھ (" " ")

۶۔ القصیدۃ الیوسفیہ شرح قصیدہ غوثیہ یہ شرح دوسری بار ادارہ معارف اعظمیہ نوشاہیہ مریدکے سے شائع کی جا چکی ہے۔

---

[1] محمد اعظم قادری نوشاہی، بیاض بشر، ص ۱۱
[2] ایضاً

۷. بے مثل بشیر — فضائل مصطفیٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے موضوع پر بہترین کتاب (۱۳۵۰ھ میں میرووال سے شائع ہوئی)

۸. ہدایۃ المریدین — یہ رسالہ جناب محمد لطیف لار نے ۱۳۹۲ھ میں دوبارہ شائع کیا۔

پاکستان کے مشہور نعت خوان اور نعت گو جناب محمد اعظم چشتی کا نام حضرت مولانا محمد اعظم قادری رحمہ اللہ تعالےٰ کے نام پر رکھا گیا تھا کیونکہ جناب چشتی صاحب کے والد ماجد مولانا کے نیاز مند اور مخلص احباب میں سے تھے [1]

حضرت مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی قدس سرہ کا وصال ۲۲ شوال، ۲۱ جون (۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) کو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ۹ بجے ہوا۔ آپ کا مزار شریف قصبہ میرووال ضلع شیخوپورہ کی جامع مسجد اعظمیہ کے احاطے میں ہے [2]

---

[1] بروایت مکرم حکیم محمد علی امرتسری، دہلی ساکن

[2] محمد لطیف لار قادری نوشاہی : ہدایۃ المریدین، ص ۴

فاضل یگانہ حضرت مولانا الحاج خواجہ محمد اکبر چشتی نظامی بصیرپوری قدس سرہ

مولانا خواجہ محمد اکبر ابن مولانا خواجہ محمد مقیم ابن مولانا خواجہ محمد عظیم ابن خواجہ محمد یار (المعروف بہ حافظ بڈھا) ۹ شوال بروز یک شنبہ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۲ء کو تہجد کے وقت بصیرپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے علاوہ شرح جامی تک کتب درسیہ کی تحصیل والد ماجد سے کی، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہند کے مدارس کا قصد کیا، شملہ اور ڈلہوزی وغیرہ مقامات پر ممتاز علماء سے تکمیل کی، ڈلہوزی میں ایک قادری سہروردی بزرگ سے کسب فیض کیا۔ آپ تین مرتبہ حج و زیارت کے شرف سے بہرہ ور ہوئے اور کئی ماہ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے، تقریباً بائیس سال بعد واپس بصیرپور آگئے۔ پہلے والد ماجد خواجہ محمد مقیم (جو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت تھے) سے بیعت ہوئے، پھر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ العزیز کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے، حضرت خواجہ تونسوی نے آپ کو غریب نواز کا لقب عطا کیا۔ آپ نے بصیرپور میں جامع مسجد بنانے والی (جو اب مسجد خواجہ محمد اکبر کے نام سے مشہور ہے) میں مدرسہ قائم کیا، جہاں تعلیم و تدریس کے علاوہ عرصۂ دراز تک افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی بہت سی علمی تصانیف فی الحال طبع نہیں ہو سکیں۔

۱. ثمرۃ الحیات — ۳. تحفۃ النبی

۲. یاقوت اکبر — ۴. تحفۂ محمدی — وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔

مولانا محمد صادق ابن مولانا محمد صدیق چشتی نظامی، مولانا حافظ محمد رمضان بصیرپوری، مولانا عبدالرحمٰن (ایکے والی)، مولانا احسان محمد بصیرپوری اور مولانا نصیر الدین ڈکن پوری وغیرہم آپ کے مشہور شاگرد ہوئے، آپکے بیعت سے خلفاء ہوئے۔ ۱۶ رجب المرجب، ۸ مئی (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس وقت آپ کے مجاز بھائی مولانا خواجہ محمد سعد اللہ مرحوم کے صاحبزادے مولانا محمد ظفر اللہ خدمتِ دینی میں مصروف ہیں [1]

---

[1] یہ معلومات محب مکرم مولانا محمد منشا تابش قصوری نے مولانا صاحبزادہ محمد ظفر اللہ مدظلہ سے بوقت ملاقات حاصل کئے۔

قدوۃ السالکین حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی قدس سرہ

حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی ابن حضرت خواجہ شمس العارفین شمس الدین سیالوی (قدس سرہما) ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے آپ صورت و سیرت میں اپنے والد مکرم کا عکس جمیل تھے حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے وصال کے بعد تونسہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ نے آپ کو خرقہ خلافت سے نوازا، ایک عالم آپ کی نظر کیمیا اثر سے مستفیض ہوا [1] مولانا محمد ذاکر بگوی ثم لاہوری رحمہ اللہ تعالٰی آپ کے مرید اور مجاز تھے۔

حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی اخلاقِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے لنگر میں بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے، متعلقین کی خبر گیری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے، احباب کے غم اور خوشی میں بنفسِ نفیس شریک ہوتے، ایک شخص نے یہ باتیں آپ کی شان کے خلاف سمجھیں اور حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ کی خدمت میں خفیہ عریضہ ارسال کرکے درخواست کی کہ آپ انہیں ان امور سے منع فرمائیں، حضرت خواجہ تونسوی نے جواب دیا :-

> "اللہ تعالٰی تجھے ہدایت دے یہ کام تو اسلام اور سید الانام کی متابعت ہے، ایسے کاموں میں کسرِ شان نہیں بلکہ نہ کرنے میں نقصان ہے۔ اب تجھے لازم ہے کہ اگر تو ان کے والد کا مرید ہے تو تجدیدِ بیعت کر اور یہ خیال دل سے نکال دے،، [2]

---

[1] امیر بخش، مولانا : الانوار شمسیہ المعروف بہ ملفوظاتِ چشتیہ (۱۹۱۶ء) ، ص ۸۴-۸۸۔

[2] سلطان احمد فاروقی، مولانا : ماہنامہ الحبیب ، جمعیت نمبر، اکتوبر ۱۹۷۰ء ، ص ۳۰۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ آپ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے، آپ ہی کے ارشاد پر حضرت اعلیٰ گولڑوی تونسہ شریف گئے تھے۔ آپ ہی کے ایماء پر انہوں نے ابتداءً پاکپتن شریف کا سفر شروع کیا تھا، آپ ہی کے کہنے پر پیر صاحب نے حضرت دیوان غیاث الدین اجمیری کی تائید و معاونت کے لئے مسئلۂ سماع پر سرحدی علماء سے پشاور میں مناظرہ کیا تھا، حضرت اعلیٰ گولڑوی کے اس شعر ؎

آکھیں خواجہ شمس دین دے لعل نوں

گوڑھے نیناں والڑے لج پال نوں

اور حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی کے اصلاح دادہ اس شعر ؎

پیت کا وعدہ کرکے پیا نے ریت نبھانا چھوڑ دیا

مہر نے اکھیاں پھیر لیئیں، دم دم کا آنا چھوڑ دیا [1]

کو دیکھنے سے دونوں حضرات کے باہمی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی قدس سرہ کی مساعی جمیلہ سے خواجہ شمس العارفین سیالوی کے مزار شریف کا بلند و بالا گنبد، وسیع و عریض مجلس خانہ، تالاب، عالی شان بنگلہ اور کنواں تعمیر ہوا، آپ کو اپنے پیر خانہ سے اس قدر محبت تھی کہ ہر سال تین چار مرتبہ ضرور حاضری دیتے اور جب علالت کی وجہ سے نقاہت بہت بڑھ گئی تو چارپائی پر سفر کیا اور تونسہ شریف حاضری دی [2]

آپ کثیر الکرامات بزرگ تھے، ایک دفعہ پاکپتن شریف سے واپسی پر خدام کو کھانا پکانے کا حکم دیا اور آنے والے ہر قافلے کو کھانا کھلاتے رہے یہاں تک کہ تین سو افراد نے کھانا کھایا حالانکہ اس وقت بیس سیر آٹا، آٹھ آنے کا گھی اور ایک روپے کی شکر پاس تھی؛ آپ کو اللہ تعالٰی نے چار فرزند عطا فرمائے جو سب کے سب عالم اور حافظ تھے،

---

[1] فیض احمد، مولانا : مہر منیر ، ص ۳۹۳۔

[2] امیر بخش، مولانا : الانوار شمسیہ ، ص ۸۹۔

۱. صاحبزادہ محمد امین (م ۱۳۳۳ھ)

۲. صاحبزادہ محمد ضیاء الدین

۳. صاحبزادہ محمد عبداللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۴. صاحبزادہ محمد سعداللہ مدظلہٗ

۲ رجب المرجب (۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) کو حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی قدس سرہ کا وصال ہوا اور والد گرامی حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے پہلو میں آرام فرما ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی مسند نشین ہوئے[1]

مولانا امیر بخش مؤلف انوارِ شمسیہ نے ایک ہی شعر میں عمر شریف اور سنِ ولادت و وصال کو ذکر کیا ہے ؎

میلاد "مظہر حق" عمرش "جمال" گشتہ
"مظہر جمال حق" شد تاریخ انتقال [2]
۱۲۵۳ ۔ ۷۴ ۔ ۱۳۲۷

---

[1] سلطان، محمد فاروقی، مولانا : "تذکرہ اولیائے چشت" (طبع ثانی، سن ندارد) ص ۱-۲۴۰ ۔

[2] امیر بخش، مولانا : انوارِ شمسیہ ، ص ۱۰۳ ۔

عارفِ یگانہ حضرت مولانا میاں محمد بخش قادری قدس سرہٗ (کھڑی شریف)

نامور جلیل، عارفِ بے مثیل، آفاقی شاعر حضرت میاں محمد بخش قادری (مصنف سیف الملوک) ابن حضرت مولانا میاں شمس الدین قادری قدس سرہما (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) میں علاقہ کھڑی خاص (ضلع میرپور، آزاد کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد گرامی مستند عالمِ دین، باکمال صوفی اور حضرت پیرے شاہ غازی قدس سرہٗ کی درگاہ کے سجادہ نشین تھے۔ میاں صاحب نے علوم دینیہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ زہد و تقویٰ و صفائے باطن کا اعلیٰ ذوق بھی انہی کے فیضِ نظر کا نتیجہ تھا۔

علوم ظاہریہ سے فراغت کے بعد تزکیۂ باطن اور معرفت کے اسرار و رموز حاصل کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس تلاش میں جہاں کہیں کسی صاحبِ دل کا پتہ چلتا وہیں پہنچ جاتے اور روحانی استفادہ کی کوشش کرتے۔ ایک دن حصولِ مقصد میں تاخیر کی وجہ سے بہت مضطرب ہوئے اور استخارہ کیا تاکہ کوئی راہ نکل آئے۔ نیند اور بیداری کے درمیان دیکھا کہ حضرت پیرے شاہ غازی المعروف دمڑی والے پیر رحمہ اللہ تعالیٰ (کھڑی شریف) بازو سے پکڑ کر فرما رہے ہیں:

"تم میرے مرید اور میں تمہارا پیر ہوں۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں سائیں غلام محمد میرے روحانی فرزند ہیں، کلرہ شریف میں حاضر ہو کر ان کی ظاہری بیعت کر لو۔"

میاں صاحب اٹھے اور بڑی خوشی کے ساتھ حضرت سائیں غلام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرضِ مدعا کیا۔ انہوں نے فرمایا "کچھ دن صبر کرو۔" چند دن بعد پھر درخواست کی تو پھر وہی جواب ملا۔ اس طرح کئی سال گزر گئے۔ اس دوران آپ نے تزکیۂ باطن اور سلوک کی کئی منزلیں طے کیں اور باقاعدہ عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ آخر ایک روز حضرت

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا ، ص ۱۳۸۹

سائیں غلام محمد نے میاں صاحب کو اپنے شیخ کے مزار پر لے جا کر بیعت سے مشرف فرمایا اور حکم دیا کہ کشمیر جا کر حضرت شیخ احمد ولی قدس سرہ سے مزید فیض حاصل کرو۔

میاں صاحب اب ایک دشوار اور کٹھن سفر پر روانہ ہو گئے اور مقصد کی لگن میں سفر کی صعوبتوں سے بے نیاز سرینگر جا پہنچے۔ حضرت شیخ احمد ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بڑی شفقت سے پیش آئے اور اسرارِ معرفت سے آگاہ کر کے خلعتِ خلافت سے نوازا۔ کچھ عرصہ بعد مرشدِ کامل کی اجازت سے واپس آ کر کھڑی شریف قیام پذیر ہو گئے اور فیض وجود کے دریا بہا دیئے۔ بلاشبہ ان گنت افراد آپ کے انفاسِ قدسیہ، ارشاداتِ عالیہ اور فیضِ نظر سے مستفید ہوئے۔ حضرت میاں صاحب ایک متمول اور خوشحال خاندان کے چشم و چراغ ہونے کے باوجود جوانی ہی میں علائقِ دنیا سے بیزار و ظاہری جاہ و حشم سے متنفر تھے۔ آپ کے والدین نے بڑی محبت سے آپ کی ایک جگہ نسبت طے کی تھی لیکن آپ نے اسے بھی توڑ دیا اور تجرد کی زندگی کو پسند کیا۔ تمام زندگی معمولی مقدار میں کھانا تناول فرماتے رہے۔ خاص طور پر عمر کے آخری حصے میں تو خوراک کی مقدار بالکل قلیل رہ گئی تھی۔ عبادت و ریاضت کی لگن اور محبتِ الٰہیہ کی محویت نے آپ کے دل کو دنیا اور دنیاوی امور سے پوری طرح مستغنی کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجلس میں حاضر ہونے والا اللہ تعالیٰ کی محبت، اہل اللہ کی عقیدت، ذکر و فکر کے شوق اور روحانی سکون کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹتا تھا۔ آج بھی آپ کے مرقد پر حاضر ہونے والا دلی سکون اور مسرت حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت میاں صاحب سے متعدد تصانیف یادگار ہیں جو ان کے تبحرِ علمی، عقیدے کی پختگی، حسنِ عقیدت کی فراوانی، قدرتِ کلام اور فی البدیہہ شعر گوئی پر شاہدِ عادل ہیں۔ آپ کی مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:-

۱۔ تحفۂ رسولیہ ۳۔ کراماتِ غوثِ اعظم

۲۔ گلزارِ فقر ۴۔ تحفۂ میراں

۵۔ ہدایت المسلمین (در نجومیت) ۹۔ نیرنگِ عشق

۶۔ تذکرۂ مقیمی ۱۰۔ سخی خواص خاں

۷۔ قصۂ شیخ صنعان ۱۱۔ مرزا صاحباں

۸۔ شاہ منصور ۱۲۔ سوہنی مہینوال

۱۳۔ شیریں فرہاد (وغیرہ وغیرہ)

ان میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت آپ کی آفاقی تصنیف سیف الملوک کو حاصل ہوئی جو آج بھی لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہے اور خطۂ پوٹھوہار میں قریباً تمام مرد و زن اسے بڑی عقیدت و محبت سے پڑھتے ہیں۔ سیف الملوک میں آپ نے محض بدیع الجمال اور سیف الملوک کے حسن و عشق کا قصہ ہی بیان نہیں کیا بلکہ بقول عارفِ رومی ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

عاشقِ صادق کو عشقِ حقیقی، تصوف کے گہرے اسرار و رموز محض اور محبوبِ حقیقی کے راستے میں پیش آنے والے طوفانِ مصائب کے سامنے مردانہ وار سینہ سپر ہونے کا درس بھی دیا ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بات مجازی رمز حقانی، وَن وَناں دی کاٹھی
سفر العشق کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی

میاں صاحب واضح طور پر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سیف الملوک ایسا مجازی عاشق بے پناہ مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے اس کے باوجود اس کی ثابت قدمی میں فرق نہیں پڑتا اور بالآخر حصولِ مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ عاشقِ حقیقی کو تو اس سے بھی زیادہ ہمت و استقلال کا ثبوت دینا چاہیئے اور کسی بڑی سے بڑی مصیبت کو خاطر میں لائے بغیر راہِ طلب میں گامزن رہنا چاہیئے۔ میاں صاحب کا کلام اسرارِ معرفت کی عام فہم تشریح ہے اور اس سے اسی وقت استفادہ کیا جا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت کو مقصودِ قلب و نظر بنا کر پڑھا جائے ورنہ محض قصہ پڑھ لینے سے دل بہلانے کے علاوہ اور کیا حاصل ہو سکتا ہے؟

اس نادر قصے کا انتخاب بھی میاں صاحب کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہے۔ طویل قصے کو جس خوش اسلوبی اور تسلسل سے پیش کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ پھر لطف یہ کہ حسن و عشق، رنج و راحت، بحر و بر، باغ و بہار اور حقیقت و مجاز کسی بھی عنوان پر آپ کا شہسوارِ قلم رکنے کا نام نہیں لیتا۔ سیف الملوک کے مطالعہ کی بنا پر اگر آپ کو جامیِ پنجاب کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ نے صرف تئیس سال کی عمر میں اسے مکمل کر لیا تھا۔

عارفِ کھڑی حضرت میاں محمد بخش قادری قدس سرہ کا وصال ۲۳-۱۳۲۲ھ/۱۹۰۷ء میں ہوا۔ آپ کی آخری آرامگاہ آپ کے ممدوح و مرشدِ معنوی حضرت پیرے شاہ غازی قادری قدس سرہ کے جوار میں بنی، مزارِ پُر انوار مرجعِ انام ہے [1]

---

[1] فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر: جان پہچان، مقدمہ سیف الملوک (پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور)

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی قدس سرہٗ

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی ابن حضرت خواجہ عبدالرحمٰن قدس سرہ (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) بن حضرت شیخ عبدالقیوم سرہندی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء) ۶ شوال ۱۲/ اپریل (۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ء) کو قندھار میں پیدا ہوئے [1]۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حالات کی ناسازگاری اور طوائف الملوکی کے سبب ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء میں قندھار سے ترکستان چلے گئے۔ جب امیر عبدالرحمٰن نے خراسان پر تسلط جما کر قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو حضرت خواجہ عبدالرحمٰن قدس سرہ نے ۱۲۹۷ھ میں حرمین شریفین کی طرف ہجرت کرنے کے لئے رختِ سفر باندھا۔ سندھ، کراچی اور بمبئی سے ہوتے ہوئے عرب شریف پہنچے۔ ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۰۲ھ تک تین سال مکہ مکرمہ اور طائف میں قیام کیا۔ بعد ازاں مدینہ طیبہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک سال چار ماہ تک وہیں قیام پذیر رہے۔ آپ کے مخلص دوستوں اور خاص طور پر مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے مشورہ دیا کہ آپ وطن مالوف کو واپس تشریف لے جائیں کیونکہ آپ کے وجودِ مسعود سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ پانچ سال تک بلادِ طیبہ میں رہ کر وطن کو تشریف لے جاتے ہوئے جب سندھ سے گزرے تو معتقدین نے بصد اصرار گزارش کی کہ خراسان جانے کی بجائے ہمارے پاس تشریف رکھیں، چنانچہ آپ ٹکھڑ (مضافات حیدرآباد) میں قیام پذیر ہو گئے اور پھر یہیں جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور ٹکھڑ کے امن میں مدفون ہوئے۔ بعد ازاں اولادِ امجاد نے ٹنڈو سائیں داد کو مسکن بنا لیا [2]

حضرت مولانا خواجہ محمد حسن جان قدس سرہ نے قرآن مجید پڑھنے کے بعد قندھار میں

---

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر: تذکرہ مظہر مسعود، سعید کمپنی کراچی، ص ۲۶۴

[2] عبداللہ جان المعروف بہ شاہ آغا، مولانا: انیس المخلصین (۱۳۹۶ھ) ص ۵۰۲

مولانا بازمحمد سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ جب ۱۲۹۷ھ میں والد ماجد کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تو قصبہ ٹکھڑ میں دو سال تک قیام کے دوران مولانا الحاج لعل محمد متعلوی سے کسب فیض کرتے رہے، بعد ازاں جب مکہ مکرمہ گئے تو مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے قائم کردہ "مدرسہ صولتیہ" میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور حضرت بانی مدرسہ کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ اسی مدرسہ میں مولانا حضرت نور سے سراجی پڑھی تھی ۱۳۰۱ھ میں درس حدیث مفتی مکہ حضرت مولانا شیخ سید احمد دحلان رحمہ اللہ تعالیٰ سے لیا۔ والد ماجد سے دیگر کتب کے علاوہ بخاری شریف سبقاً پڑھی اور سند فراغت حاصل کی [1]

ابتداء ہی سے آپ کو حفظ قرآن مجید کا بہت شوق تھا مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کرنے، گھر کے تمام کام کاج کرنے، ہر روز عمرہ ادا کرنے اور عبادت و ریاضت کی بے پناہ مصروفیات کے باوجود قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور احتیاطاً والد ماجد کو نہ بتایا کہ بے انداز مصروفیات کی بنا پر کہیں ممانعت نہ فرما دیں، والد ماجد کو اس وقت پتہ چلا جب آپ بائیس پارے حفظ کر چکے تھے، اس پر انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور ختم قرآن کے موقع پر وسیع دعوت کا اہتمام فرمایا [2]

حضرت مولانا محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ علوم دینیہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ قرآن و حدیث ہیں جو اصل علم وارد ہیں وہ صرف علوم دینیہ سے متعلق ہیں اسی لیے اور مدارس دینیہ کی تعمیر و ترقی میں خود بھی حصہ لیتے تھے اور مریدین کو بھی پیش از پیش حصہ لینے کی تلقین کیا کرتے تھے کہ اتباع شریعت، سادگی اور اخلاق حمیدہ میں بے مثل تھے صبر و تسلیم کا یہ عالم تھا کہ ۱۳۵۴ھ میں آپ اہل و عیال سمیت کوئٹہ میں تشریف فرما تھے کہ ۲۷ صفر کو ہولناک زلزلے نے قیامت صغریٰ قائم کر دی، پورا علاقہ تہ و بالا ہو گیا القصہ

[1] عبداللہ جان المعروف بہ شاہ آغا، مولانا : مونس المخلصین ، ص ۵۹-۶۳
[2] ایضاً ، ص ۶۶-۶۸
[3] ایضاً ، ص ۱۷۰-۱۷۳

افراد شہید ہوئے، حضرت مولانا کے اہل و عیال اور ہمراہیوں میں سے گیارہ افراد جام شہادت نوش کر گئے لیکن آپ نے حیرت انگیز صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور چند معاونین کے ہمراہ ایک ایک فرد کو ملبے کے نیچے سے نکالا اور کفن و دفن کا انتظام کیا [1]

۱۳۳۲ھ میں حرمین شریفین، کربلا، نجف اشرف، شام اور بیت المقدس کی زیارات کی نیت سے تقریباً بیس افراد کے ہمراہ بغداد شریف حاضر ہوئے۔ یہ آپ کا چوتھا سفر زیارات تھا اسی دوران جنگ عظیم چھڑ گئی اور آپ بہزار مشقت حرمین شریفین پہنچے اور مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے واپس تشریف لائے [2]

حضرت مولانا علم و فضل کے ساتھ ساتھ بے باک مجاہد اور مرد میدان بھی تھے چنانچہ جب ۱۲۹۶ھ میں انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو آپ بھی والد ماجد کے ہمراہ شریک کارزار ہوئے۔ آپ بیدار مغز اور صاحب بصیرت قومی راہنما تھے، ترکی کے سلطان عبدالحمید خان کو خلیفۃ المسلمین تصور کرتے تھے اور جب انگریز پرستوں نے سلطان کو معزول کیا تو آپ بڑے رنجیدہ ہوئے، جنگ بلقان اور اطالیہ کے طرابلس پر حملے کے موقع پر معتقدین اور سندھ کے مسلمانوں سے خطیر رقم اکٹھی کر کے ہلال احمر کے ذریعہ مجاہدین کے لئے بھجوائی [3]

تحریک خلافت میں گم کردہ راہ لیڈروں کی کجروی پر بہت افسوس کیا کرتے تھے، آپ نے کھل کر بعض مسائل میں شرعی نقطۂ نظر سے اختلاف کیا اور طعن و تشنیع کی پرواہ کئے بغیر اپنے موقف کو واضح طور پر پیش کیا، آپ گاندھی کی قیادت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو انگریزوں سے ترک تعلق کرتے ہیں اور دوسری طرف مشرکین ہنود سے اتحاد اور وداد کے حامی ہیں جو انگریزوں سے بھی زیادہ دشمن اسلام ہیں، اسی طرح جب لیڈروں نے ہندوؤں

[1] عبداللہ جان المعروف بہ شاہ آغا : مونس المخلصین ، ص ۱۷۸-۱۸۰
[2] ایضاً ، ص ۱۷۴-۱۸۰ ، [illegible] ، ۱۹۶۵ء ، ص ۱۲۵
[3] عبداللہ جان : مونس المخلصین ، ص ۱۹۱-۱۹۴

نسے قریب میں آکر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترکِ وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ نے قوم کی صحیح رہنمائی کی اور ترکِ وطن سے ممانعت کی[1] اور فرمایا :-

" وہاں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ سب لوگ سما سکیں، خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوں گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہوگی "

تاریخ شاہد ہے کہ ترکِ وطن کر کے جانے والوں کا جو حال ہوا وہ کسی طرح بھی قابلِ اطمینان نہ تھا۔

اسی دوران سندھ میں فتنۂ تجدیدیت نے سر اٹھایا، اس کی سرکوبی کے لئے بھی آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ غرض اعتقادی، علمی، اخلاقی اور سیاسی امور میں قوم کی بروقت راہنمائی کی اور ایک روشن دماغ صاحب الرائے قائد کے فرائض انجام دیئے۔

حضرت مولانا محمد حسن جان رحمہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ ہر اس تحریک میں بڑھ کر حصہ لیتے جو اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے شروع کی جاتی۔ تحریکِ خلافت کے دور کا ایک واقعہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا پیر ہاشم جان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا :

" جب تحریکِ خلافت شروع ہوئی تو اس وقت مولانا محمد علی جوہر کی ہدایت پر سندھ میں اہلِ ثروت لوگوں سے چندہ جمع کرنے کے لئے حاجی عبداللہ ہارون کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اس کمیٹی کے افراد حاجی صاحب خود، حکیم فتح محمد اور مولانا محمد صادق وغیرہ

[1] تحریک ترکِ موالات اور تحریک ہجرت کے بارے میں آپ کا موقف وہی تھا جو حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" شائع کردہ مرکزی مجلس رضا، لاہور (از پروفیسر محمد مسعود احمد)

[2] پیر ہاشم جان المعروف بہ شاہ آغا : مونس المخلصین ، ص ۱۹۷ - ۲۰۲

میرے والد ماجد محمد حسن جان سرہندی کی خدمت میں پہنچے اور اپنا مقصد بیان کیا۔ والدِ محترم نے فرمایا کہ خلافتِ اسلامیہ کے احیاء اور انگریز حکومت سے مسلمان ممالک کی آزادی کے لئے ضرورت جس بات کی ہے وہ جسمانی جہاد کی ہے، مالی جہاد جسمانی جہاد سے بہت فروتر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں گھر جا کر دیکھتا ہوں، گھر میں جو رقم ہوگی وہ لا کر پیش کر دوں گا، اس وقت کاغذ کے نوٹ نہیں تھے، اشرفیوں کی صورت میں روپیہ جمع رہتا تھا چنانچہ والدِ محترم بھری ہوئی تھیلیاں اٹھوا کر لائے، کمیٹی کے ممبروں کے حوالے کر دیں اور فرمایا : میرے گھر میں دس ہزار روپیہ سے کچھ زائد تھے وہ سب آپ کے حوالے کر رہا ہوں، انہوں نے ایک آنہ بھی گھر میں نہیں چھوڑا تھا۔ پورے برصغیر میں یہ مالی قربانی کی اس طرح کی پہلی مثال تھی جو والدِ محترم نے پیش کی[1]

مولانا محمد حسن جان رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں مسلم لیگ کی بھرپور امداد کی، مریدین کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالنے کا حکم دیا اور بااثر لوگوں کو خطوط لکھ کر مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا۔ ذیل میں آپ کے ایک فارسی مکتوب کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے :

مخلصین مکرمین ڈیرہ محمد قاسم و ڈیرہ علی محمد و قاضی جان محمد سلمہم ربہم

بعد از دعائے خیر تم مخلصین کو بطورِ نصیحت لکھا جاتا ہے کہ الیکشن کے سلسلہ میں اسلام کے مددگار رہو اور کافر ہندوؤں کی رفاقت سے الگ ہو جاؤ کیونکہ یہ ہندوؤں کا مسلمانوں سے مقابلہ

[1] محمد موسیٰ بھٹو، مراتب : (سندھ کے عظیم پیر ہاشم جان سرہندی سے خصوصی ملاقات) ہفت روزہ الکار، ۲۱ تا ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء، ص ۳۳

ہے جب سید اکبر علی شاہ کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دے دیا گیا ہے اس لئے
تم پر لازم ہے کہ ان کی مخالفت سے دستبردار ہو جاؤ اور جس قدر ممکن ہو
امداد کرو۔ والسلام

۶ ربیع/ماہ صفر ۱۳۶۵ھ فقیر محمد حسن جان عفی عنہ [1]

سندھ میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ :

"پیر سرہندی سندھ کا بے تاج بادشاہ ہے"

چنانچہ آپ کی امداد و اعانت سے مسلم لیگ نے سندھ میں زبردست کامیابی حاصل کی۔
مسجد منزل گاہ سکھر کو ہندوؤں کے قبضے سے واگزار کرانے کی تحریک چلی تو آپ
نے اپنے دو صاحبزادوں، مولانا عبداللہ جان اور مولانا عبدالستار جان کی قیادت میں
ہزاروں مریدین کو سکھر بھیجا جنہوں نے مسجد کی واپسی تک تحریک میں پرجوش حصہ لیا۔
سندھ میں لواری بہت بڑی گدی ہے، وہاں کے مشائخ دینی اور قومی خدمات کی
بنا پر زبردست شہرت کے حامل رہے ہیں۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل بعض لوگوں
نے مشہور کر دیا کہ جناب احمد زمان سجادہ نشین لواری شریف نے عرس
کے موقع پر حج کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور مریدین کو یہ تاثر دیا ہے کہ
مکہ مدینہ جانے کی بجائے یہیں حج کر لیا کریں کیونکہ سارا نور لواری شریف میں منتقل ہو گیا
ہے۔ حضرت خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ کے ایما پر ہزاروں مریدین
کفن بردوش میدان میں نکل آئے۔ جب انگریز حکومت نے دیکھا کہ مسلمان اس مسئلہ پر
خون بہانے کے لئے تیار ہیں تو سرکاری طور پر پابندی کا اعلان کر دیا۔[2]

حضرت مولانا کو دینی اور علمی کتب کے مطالعہ سے بے حد شغف تھا، اپنے اکثر
اوقات تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کا ذاتی کتب خانہ مطبوعہ اور

---

[1] عبدالستار جان المعروف بہ شاہ آغا، مولانا : مونس المخلصین ج ۲ ص ۲۰۳

[2] الہ یار بن محمد، حافظ : ہفت روزہ الاکاوالانجمن ۲۰ تا ۲۶ جولائی ۱۹۷۵ء، ص ۲۴۔۲۵
(مطبوعہ پیر پاگارہ جمات سرہندی)

و غیر مطبوعہ نادر و نایاب کتب کا بہترین ذخیرہ ہے۔ آپ نے اس دور کی اعتقادی آویزش کو
ختم کرنے کے لئے نہایت اہم کتابیں لکھیں۔ آپ نے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور فضیلت
علمی کے قابل قدر جواہر پارے یادگار چھوڑے۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں :-

۱۔ شفاء الامراض (عربی) جملہ امراض کے لئے کتب طبیہ کی ترتیب پر تعویذات اور وظائف
پر مشتمل ہے۔

۲۔ انیس الارواح والد ماجد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن فاروقی قدس سرہ کی سوانح حیات
ہے۔ اس میں مشائخ عظام کا اجمالی تذکرہ اور سلوک طریقہ نقشبندیہ کے
ابحاث شریفہ درج ہیں۔ (مطبوعہ مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۸ھ)

۳۔ ترجمہ عہود و مواثیق (غیر مطبوعہ) حضرت مولانا عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ (م ۹۷۳ھ)
کی تصنیف کا فارسی ترجمہ۔

۴۔ انساب الانجاب : خاندان مجددیہ کا تذکرہ (مطبوعہ مطبع مشہور عالم لاہور)

۵۔ الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ ، مولوی محمد دین وفائی کی کتاب "توحید الایمان"
سندھی ترجمہ "تقویۃ الایمان" کی تردید۔

۶۔ طریق النجاۃ مع رسالہ التنویر فی اثبات التقدیر (عربی) [1] رد نیچریت۔

۷۔ العقائد الصحیحہ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ، علماء بریلی اور دیوبند کے
اختلافی مسائل پر تبصرہ اور مسلک اہل سنت وجماعت کی تائید۔
(مطبوعہ مطبع الفقیہ امرتسر)

۸۔ رسالہ تہلیلیہ ، کلمہ طیبہ کی شرح (مطبوعہ مطبع رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور)

۹۔ تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء ، ان اولیاء و صالحین کا تذکرہ جن سے عرب شریف،
سندھ، خراسان اور ہند میں آپ کی ملاقات ہوئی (مطبوعہ مطبع نظامی کانپور)

۱۰۔ شرح حکم شیخ عطاء اللہ سکندری (مطبوعہ ۱۳۵۰ھ) علم توحید اور سلوک کے اپنے

---

[1] یہ دو کتب حضرت علامہ مولانا حسین علی مظہر ... کی سعی سے ... ترکی سے چھپ گئی ہیں مولیٰ کریم انہیں جزائے
خیر عطا فرمائے، آمین

رب کے ساتھ تعلقات کی مکمل تشریح۔

۱۱۔ پنج گنج : اس میں پانچ رسالے ہیں ، (۱) سفر حجاز کی تفصیلات ۔ (۲) شرح چہل کاف۔
(۳) مناسک حج ۔ (۴) مجموعۂ احادیث ، جو آپ کو مکہ مکرمہ میں شیخ سید
محمد ابو نصر دمشقی سے حاصل ہوئیں مع خطبات مجربہ ۔ (۵) دینی و دنیاوی
نصائح۔

۱۲۔ سفرنامۂ عربستان۔

۱۳۔ الاشارۃ الی البشارۃ : التحیات میں اشارہ کرنے کی تائید و تحقیق۔

۱۴۔ رسالہ فی باب صحۃ الجمعۃ فی القری : دیہاتوں اور قصبوں میں جواز جمعہ کے
متعلق فتوے۔

۱۵۔ لغات القرآن : قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تفسیر۔

۱۶۔ رسالہ در قواعد تجوید و قرات [1]

حضرت مولانا شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے عربی اور فارسی میں اظہار
خیال کرتے تھے۔ اگرچہ اس طرف میلان طبع بہت کم تھا اور کوئی شعری ذخیرہ بھی یادگار نہیں
چھوڑا لیکن آپ کے کلام کی سلاست ، روانی اور پختگی ، بلندی فکر کی غماز ہے مدینہ طیبہ
کی تعریف میں لکھتے ہیں :-

زاوصاف مدینہ ہر چہ گویم قطرہ از دریاست
عفاف آنجا کفاف آنجا صلوٰۃ آنجا زکوٰۃ آنجا
خداوندا عطا کن بندۂ خود را بفضل خود
قیام آنجا مقام آنجا حیات آنجا ممات آنجا
اگر خواہی کہ بینی جنت الماویٰ دریں عالم
نشیں در روضۂ اطہر بخواہ از حق نجات آنجا [2]

---

[1] عبد اللہ جان معروف بہ شاہ آغا : مونس المخلصین ، ص ۹۳-۹۸
[2] ایضاً ص ۱۰۲

۲ رجب ۲۱ رجون ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء کو آپ کا وصال ہوا اور کوہ گنج (مضافات
حیدرآباد) کے دامن میں والد ماجد کے مزار کے پہلو میں محو خواب ابدی ہو گئے ۔ آپ کا مزار
پُرانوار مرجع خاص و عام ہے۔ جناب صاحبزادہ محمد سلیم جان مجددی نے "مغفرلہ" (۱۳۶۵ھ)
سے تاریخ وفات نکالی ہے ۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبد اللہ جان المعروف شاہ آغا
رحمہ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین ہوئے ۔

---

[1] المونس حضرت شاہ آغا صاحب نے ۱۹۷۳ء میں وصال فرمایا گئے۔ آپ بھی اپنے وقت کے فاضل جلیل اور ولی کامل تھے اور فی زمانہ التقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے ۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ آپ کا کتب خانہ قلمی نوادرات اور نادر مطبوعات سے معمور ہے اور قابل دید ہے ۔ آپ کا مزار مبارک والد ماجد حضرت خواجہ محمد حسن جان علیہ الرحمۃ کے پہلو میں ہے اور ایک ہی گنبد میں یہ تینوں فضلائے وقت آرام فرما ہیں یعنی حضرت خواجہ عبد الرحمٰن ، حضرت خواجہ محمد حسن جان اور حضرت شاہ آغا علیہم الرحمۃ ۔ حضرت شاہ آغا صاحب کے جانشین صاحبزادہ علی جان مدظلہ العالی ہیں جو بچپن سے عمر رسیدہ اور خلیق ہیں عمر شریف ۶۰ سال کے لگ بھگ ہے ۔ (انگریزی پروفیسر لطیف مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی)

نوٹ : ۱۹۷۵ء میں حضرت مولانا محمد حسن جان سرہندی قدس سرہ کے قابل صد فخر فرزند اور نسبتہ کے امام ، عالم فاضل بزرگ پیر ہاشم جان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وصال فرما گئے ۔ ان کے حالات دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں ۔ (شریف قادری)

سحبانِ زماں مولانا علامہ ابوالفیض محمد حسن فیضی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادیب اریب، فاضلِ علومِ دینیہ، ماہرِ فنونِ عربیہ مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی ابن جناب نور حسین بھیں ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ اپنے وقت کے مشہور زمانہ افاضل سے اکتساب علم کیا، اساتذہ میں سے آپ کے ماموں مولانا قاضی عبدالحلیم ساکن ڈھاب قاضیاں کا نام معلوم ہو سکا ہے۔ آپ مولانا ابوالفضل کرم الدین (مؤلف آفتابِ ہدایت و تازیانۂ عبرت) کے چچا زاد بھائی اور اپنے دور کے بے مثل فاضل تھے، عربی شعر و شاعری میں متقدمین شعراء کے ہم پلہ تھے، ایک زمانہ تک جامعہ نعمانیہ (لاہور) میں مدرس رہے۔ آپ نے سورۂ فاتحہ کی مکمل تفسیر بے نقطہ الفاظ میں لکھی تھی جو طبع نہ ہو سکی۔ آپ کی تصانیف میں سے روض الربی فی حقیقۃ الربٰو (جس میں ہندوستان کو دار الحرب (کہ اس کا فرمانروا مسلمان نہیں) قرار دے کر غیر مسلموں سے سود لینا جائز قرار دیا ہے) اور میراث، ولاء اور وصیت کے مسائل پر "الفرائض الفیضیہ فی الفرائض و الولاء والوصیہ" عربی اشعار میں طبع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے متعدد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ عربی قصائد آپ کے تبحرِ علمی، قدرتِ کلام اور ادبِ عربی پر کامل عبور کے شاہد عادل ہیں۔

آپ کا یہ علمی کارنامہ ناقابلِ فراموش ہے کہ آپ نے اعجاز و نبوت کے مدعی، تفسیر قرآن اور عربی نویسی میں "انا ولاغیری" (ہمچو ما دیگرے نیست) کا ڈھنڈورا پیٹنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کو وہ شکستِ فاش دی کہ مرزا صاحب تا زیست علامہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ ہوا یوں کہ مرزا صاحب کے بلند بانگ دعاوی اور الہامات کے پر زور اعلانات سن کر علامہ فیضی ۱۳ر فروری ۱۸۹۹ء کو مسجد حکیم حسام الدین (سیالکوٹ) میں بنفس نفیس تشریف لے گئے اور ایک بے نقطہ عربی قصیدہ (بلا ترجمہ) مرزا صاحب کو دکھایا جس میں لکھا تھا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے تو مجھے آپ کے الہام کی تصدیق کے لئے یہی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرین کو سنا دیں، اس قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں[1]:

لمالک ملکہ حمد، سلام — علی من مولہ علم الکمال
حمود احمد ومحمود — طہور مہر اولاہ و آل
اما مسلوک احمد اہل علم — والہام وحلال السؤال

مرزا صاحب کو کافی دیر دیکھنے کے بعد جب کچھ بھی پتہ نہ چلا تو اپنے ایک فاضل حواری کو دے دیا مگر اس کے پلے بھی کچھ نہ پڑا، مقابلہ و معارضہ تو کجا انہیں تو مطلب بھی سمجھ نہ آیا اور وہ یہ قصیدہ صحیح طور پر پڑھ سکے، آخر یہ کہہ کر قصیدہ واپس کر دیا کہ ہمیں تو اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، آپ ترجمہ کر کے دیں۔

علامہ فیضی نے ۷ر مئی ۱۸۹۹ء کو سراج الاخبار میں ایک اشتہار شائع کیا جس میں یہ تمام واقعہ درج کر دیا اور آخر میں کھلے لفظوں میں مرزا صاحب کو چیلنج کیا۔

"اخیر پرچہ میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں، صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں، میں حاضر ہوں تحریری کریں یا تقریری، اگر تحریر ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں، عربی ہو یا فارسی یا اردو، آپ سنئے اور سنائیے۔"

مگر مرزا صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور اس طرح چپ سادھی کہ کروٹ نہ بدلی، بعد ازاں پھر مرزا صاحب کو ایک مکتوب ارسال کیا جو ۱۳ر اگست ۱۹۰۰ء کو سراج الاخبار میں شائع ہوا اس میں آپ نے پھر مرزا صاحب کو دعوتِ مقابلہ دی اور واضح طور پر لکھا کہ:

"میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجئے اور اطلاع کر دیجئے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کر دوں۔"

اس دفعہ آپ نے جہلم کی قید بھی حذف کر دی اور مرزا صاحب کو اختیار دیا کہ جہاں چاہیں مقابلے کے لئے آجائیں لیکن "ھل من مبارز" کا بانگِ دہل اعلان کرنے والے مرزا

---

[1] علامہ کا کمال [illegible] بے نقطہ ترجمہ ہے!

صاحب اس چیلنج کو بھی حسب سابق پی گئے اور منقار زیر پر رہنے میں عافیت سمجھی۔

مرزا صاحب نے آئے دن نت نئے دعووں پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھا کر تمام علماء اسلام، خاص طور پر شیخ الاسلام مرشد المسلمین حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ کو تحریری مقابلہ کا بڑی شد و مد سے چیلنج کیا تو آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود مرزا کا چیلنج قبول کیا اور ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور تشریف لائے سینکڑوں علماء اور ہزاروں عوام حق و باطل کا فیصلہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے موجود تھے لیکن مرزا صاحب کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس موقع پر علامہ فیضی نے بادشاہی مسجد میں ہزاروں کے اجتماع میں پُر مغز تقریر کی اور مرزا کے تمام مکر و فریب کو طشت از بام کر دیا جس سے تمام لوگوں پر حضرت پیر صاحب کی حقانیت اور مرزا کی بطالت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

علامہ فیضی قدس سرہ نے دوران تقریر فرمایا حضرت پیر صاحب ۲۴ اگست سے لاہور میں تشریف فرما ہیں مگر مرزا صاحب ادھر آنے کا نام تک نہیں لیتے:

"یہ حقیقت میں خود مرزا کے اپنے قول کے مطابق ایک الٰہی عظمت و جلال کا کھلم کھلا نشان تھا جس نے مرزا کی جھوٹی وحی جاتی [?] کو کچل ڈالا اور آپ کے حواس کی وہ گت ہوئی کہ مقابلہ و مباحثہ لاہور تو درکنار آپ کو سوائے اپنے بیت المقدس کے تمام دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی اور "وقذف فی قلوبہم الرعب بما کفروا" کا مضمون دوبارہ دنیا کے صفحہ پر معرضِ ظہور پر آیا۔" ؎۱

برخلاف اس کے حضور پُر نور حضرت پیر صاحب ممدوح کے دستِ مبارک پر خداوند کریم نے وہ نشان ظاہر کر دیا جس کا آیتِ مبارکہ "وکان حقا علینا نصر المؤمنین" میں وعدہ دیا گیا تھا۔

؎۱ [illegible] تازیانۂ عبرت ص ۴۴

علامہ فیضی رحمہ اللہ تعالیٰ جب تک زندہ رہے اس وقت تک تو مرزا صاحب نے سکوت کو حرزِ جاں بنائے رکھا لیکن جب علامہ وصال فرما گئے تو مرزا نے موقع کو غنیمت جانا اور ان کی وفات کو حسبِ عادت اپنی صداقت کا نشان قرار دے دیا چنانچہ مرزا صاحب نے اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی میں یوں لکھا کہ:

"۱۵۴۔ ایسا ہی مولوی محمد حسن بھیں والا میری پیشگوئی کے مطابق مر گیا کہ میں نے مفصل اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں لکھا ہے۔"

"۱۵۵۔ مولوی محمد حسن بھیں والے نے میری کتاب اعجاز احمدی کے حاشیہ پر "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" لکھ کر اپنے تئیں مباہلین میں ڈالا چنانچہ اس تحریر پر ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ مر گیا۔" ؎۱

تعجب ہے کہ اگر مرزا صاحب اتنے ہی صاحب الہام تھے تو حضرت علامہ فیضی کے بار بار دعوت دینے پر سامنا کرنے کی جرأت کیوں نہ کر سکے؟

علامہ فیضی حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے بڑے نیاز مندانہ تعلقات رکھتے تھے چنانچہ علامہ کے بعض قصائد سے ان تعلقات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

سقی اللہ دیمات التحیات دائما	دیار کریم طیب الشیمۃ المہتدی
علیہ سلام اللہ ربی و رحمتہ	الی ان یبید والمنیات علی الرشد
وانت طبیب للقلب لازلت مرشدا	وتسقی عطاشا من حلیبک من شہد
ونحن فقدنا الیک محبۃ	لمرآہا وھی الوسیلۃ نعبد
وناظم ھذا الحرف خادم بابکا	مجاز لہ منک الجمیل من الرفد

وکم غائب اصفی و اعلی مودۃ

من الحاضرین الآخذین من المسفد [?] ؎۲

؎۱ محمد کرم الدین دبیر مولانا : تازیانۂ عبرت ص ۳۳

؎۲ انتخاب مناقب سلطانیہ (آخری صفحات)

علامہ فیضی کی اولاد میں سے مولانا فیض الحسن فیض جید عالم اور ادیب عربی کے بلند پایہ فاضل اور شاعر گزرے ہیں۔ مولانا محمد حسن فیضی قدس سرہٗ کا وصال رجب، ۱۰ر اکتوبر ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء کو ہوا، آپ کی آخری آرام گاہ بھیں ضلع جہلم میں ہے۔[1]

---

[1] محمد کریم الدین بہد پر مولانا : تازیانۂ عبرت ص ۴۵

نوٹ : دو صدی زکیہ میں مولانا محمد حسن فیضی کے کارناموں کی تفصیل کے لیے مولانا محمد رشید اللہ بخش قصوری کا مضمون " علم نبوت کے جمن ..." ماہنامہ ضیائے حرم کے ختم نبوت نمبر شمارہ دسمبر ۱۹۷۰ء ملاحظہ فرمائیں۔

آقائے سرہندی حضرت مولانا محمد حسین جان قدس سرہٗ

حضرت مولانا محمد حسین جان ابن حضرت خواجہ عبدالرحمن (م ۱۳۱۵ھ) ابن حضرت خواجہ عبدالقیوم (قدست اسرارہم) ۱۲۸۸ھ/ ۲-۱۸۷۱ء میں بمقام افغانستان قندھار میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد حسن جان قدس سرہٗ اپنے دور کے مقتدر عالم و عارف تھے۔ حضرت خواجہ محمد حسین جان سرہندی نے تمام علوم اپنے والد ماجد اور فضلائے عصر سے حاصل کیے، پانچ سال تک مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کی، شب و روز مطالعہ میں منہمک رہتے، تمام علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے، خاص طور پر علم ادب اور تاریخ پر کامل عبور رکھتے تھے[1] جوانی ہی میں شعر و سخن کا آغاز کیا اور حالات زمانہ کے دگرگوں ہونے کے باوجود فارسی شاعری کو بام عروج تک پہنچایا، آپ کو فی البدیہہ شعر کہنے میں کمال حاصل تھا، طریقت میں حضرت خواجہ عبدالرحیم قدس سرہٗ (م ۱۳۱۵ھ) سے بیعت تھے۔

حضرت سرہندی تقریباً تمام اصناف سخن میں ماہرانہ انداز میں اظہار خیال فرماتے تھے۔ آپ کے کلام میں قطعات، رباعیات اور مثنویات تمام چیزیں ملتی ہیں، فارسی کے علاوہ عربی اور پشتو میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے[2]۔ آپ نے شعر و شاعری کو اپنا پیشہ اور مسلک نہیں بنایا بلکہ بعض اوقات تفنن طبع کے طور پر دلی جذبات کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیا کرتے تھے۔ آپ نے فارسی زبان کے نامور شعراء نظامی، عمر خیام، سعدی، رومی، خسرو، حافظ، جامی، عرفی، کلیم اور بیدل کی زمینوں میں بڑی جاندار غزلیں کہی ہیں، حافظ شیرازی کی ایک غزل کا مطلع ہے ؂

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب   کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب

اس پر حضرت سرہندی کہتے ہیں ؂

تعالی اللہ چہ شیریں کارم امشب   ز وصل آں پری بیدارم امشب

---

[1] آغا عبداللہ جان، مولانا : مونس المخلصین (طبع ۱۳۶۶ھ) ص ۱۹۔

[2] محمد مسعود احمد، پروفیسر : آقائے سرہندی : ماہنامہ قومی زبان کراچی جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۶۸۔

مہر چوں تاب مہر از در در آمد | زعکسش مہر بستر انوارم امشب
فقلت الیک اشکو من فراقک | بگفتا شکر کن غمخوارم امشب

خدا را ندا کہ سرہندی چو حافظ
ز جام بے خودی سرشارم امشب

کلیم ہمدانی کے تتبع میں ایک غزل لکھی ہے جس کا مقطع ہے ؎

سرہندی ازاں بست لب از شربت وصالش | کز ابروئے او دید ہلال رمضان را

ہلالِ رمضان دیکھ کر روزہ رکھنے کو استعارے کے انداز میں کس خوبی سے نبھایا ہے۔

افغانستان کی زبوں حالی کی وجہ سے آپ مشہد مقدس چلے گئے، وہاں پانچ سال قیام کے بعد پھر گکھڑ صوبہ سندھ میں طویل عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ آخر میں حاجی شریف منتقل ہو گئے وہیں ماہ صفر ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء میں پچاسی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ آخر وقت میں جب حالت انتہائی نازک ہو گئی تھی آپ کو اطلاع دی گئی کہ کراچی سے ایک ماہر طبیب کو بلایا گیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز کل صبح تک پہنچ جائے گا۔ آپ نے حدیث پاک کا مطالعہ کرتے ہوئے فرمایا:

"صبح تک حکیم کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا، رات کے تین بجے کے قریب کلمہ طیبہ پڑھتے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ ایک صاحبزادی کے علاوہ باقی اولاد آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھی۔

حضرت سرہندی کی کلیات خیابانِ سرہندی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ آپ کے کلام کے مطالعہ کے بعد وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ بلا تردد عہد کے سندھی فارسی گو شعراء کی صفِ اول میں شامل تھے[1]

---

[1] یہ تمام حالات مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ کے مضمون "آفتابِ سرہندی" ماہنامہ قومی زبان کراچی، جنوری ۱۹۶۸ء ص ۱، ۴۵، ۵۵ سے ماخوذ ہیں۔

سراج الملۃ حضرت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا حافظ پیر محمد حسین شاہ ابن امیر ملت حضرت پیر حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہما، ۴ شوال المکرم ۱۲ اپریل ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء کو علی پور سیداں (سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۰ واسطوں سے اسد اللہ الغالب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ ۵ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کریم کے لئے حافظ شہاب الدین مرحوم کے پاس بٹھائے گئے۔ حفظِ کلام پاک کے بعد مڈل تک سکول میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں مولانا عبدالرشید صدیقی سے پڑھیں۔ پھر امرتسر کے نامور عالم دین مولانا نور احمد امرتسری (محشی مکتوبات شریف) کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کیا۔

جن دنوں آپ امرتسر میں زیرِ تعلیم تھے امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہٗ امرتسر تشریف لے گئے اور امتحاناً آپ سے چند مشکل صیغے پوچھے جنہیں آپ نے صحیح طور پر بتا دیا۔ ایک مولانا صاحب نے پوچھا کہ "سگ بچہ در جوالبغجو" کونسا صیغہ ہے؟ آپ نے بتایا کہ یہ فعل ماضی رباعی مجرد فعلل کے ابتدائی تین صیغوں دحرج، دحرجا، دحرجوا کے وزن پر ہے۔ اس پر حضرت امیر ملت بہت خوش ہوئے۔ دورۂ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی میں کیا جہاں اس وقت مولوی کفایت اللہ دہلوی درس حدیث دیتے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد سے ادب اور تاریخ کی کچھ کتابیں پڑھیں۔

تکمیلِ علوم کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں حضرت پیر سید نجابت علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ (حضرت امیر ملت کے برادر بزرگ) کی دختر نیک اختر سے شادی ہوئی۔ انہی دنوں علی پور شریف میں مدرسہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی گئی جس کے آپ مہتمم مقرر ہوئے۔ مدرسہ کے انتظام کے علاوہ آپ مختلف علوم و فنون کی کتابیں خود بھی پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت پیر محمد حسین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا فقیر محمد قدس سرہ (چورہ شریف)

کے دست مبارک پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر خلافت پائی۔ ان کے وصال کے بعد اپنے والد ماجد سے بیعت ہو کر خلافت سے نوازے گئے، ہزاروں افراد حضرت امیر ملت قدس سرہ کی ظاہری حیات ہی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ہدایت یاب ہوئے۔

آپ کے چند ملفوظات ملاحظہ ہوں:۔

- حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی تمام کمالات کا سرچشمہ ہے۔
- حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کے بغیر نجات ناممکن ہے اگرچہ کتنا عابد و زاہد ہو۔
- جو شریعت کا پابند نہیں اگرچہ اس سے خوارقِ عادات کا کثرت سے ظہور ہو وہ ولی نہیں ہے، ولایت کی بنا اتباعِ سنت پر ہے، کرامات پر نہیں۔
- اہلِ سنت وجماعت کا طریق ہی طریقِ حق ہے۔
- صحبتِ صالحین اخلاق واحوال کی اصلاح کے لئے اکسیرِ اعظم ہے۔

افضل الرسل آپ کی تصنیف یادگار ہے جس میں مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل ہیں (تالیف ۱۹۱۲ء) علاوہ ازیں آپ کی کئی تصانیف انوار الصوفیہ قصور میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہیں۔[۱]

۱۲ ربیع الاول ۱۲ اکتوبر (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) بروز سوموار آپ کا وصال ہوا، دوسرے دن ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، علی پور شریف میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت مولانا ضیاء القادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ وصال لکھی ہے

راہی ہوئے بہشتِ بریں کو ہزار حیف! — برہم جہاں سے آج محمد حسین شاہ
نورِ نگاہِ پیر جماعت علی تھے آپ — تھے آپ شیخ کامل و اکمل خدا گواہ
سالِ وصال کہتے ضیاءؔ آنجناب کی
"جنت نصیب میر محمد حسین شاہ" ۱۳۸۱ھ
۱۳ — ۵ — ۸۱

۱؎ غلام رسول گوہر، مولانا: مقدمہ افضل الرسل (مطبوعہ مکتبہ انوار الصوفیہ، قصور ۱۹۶۳ء)

زبدۃ السالکین حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی مجددی قدس سرہ

زبدۃ الاصفیاء حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی ابن کرم الٰہی رحمہما اللہ تعالیٰ ۹ محرم الحرام، ۲۰ نومبر بروز سہ شنبہ (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء) موضع جھگیاں ناگرہ مضافات لاہور میں پیدا ہوئے، والد ماجد نے ہوش سنبھالتے ہی تعمیر سیرت پر پوری توجہ دی، ایک دن میاں محمد حسین کپاس کا پھول توڑ لائے، والد گرامی کو پتہ چلا تو خوب تواضع کی اور زمیندار کے پاس جا کر فرمایا اس بچے نے تمہارے کھیت سے ایک پھول توڑ لیا ہے، اب تمہاری مرضی ہے چاہو تو قیمت لے لو اور چاہو تو معاف کر دو۔ میاں صاحب فرمایا کرتے تھے مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی ہو۔ قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا اور قصبہ ڈھولن وال میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت پیر عبد الغفار شاہ قدس سرہ حامی شاخت رود شریف امام مسجد تکیہ سادھواں کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور فارسی کی مروجہ کتب گلستاں، بوستاں وغیرہ پڑھیں، اس کے بعد حضرت مولانا حافظ فتح محمد بانی جامعہ فتحیہ اچھرہ (لاہور) کی خدمت میں حاضر ہو کر تین سال تک کسبِ فیض کیا اور مالا بدّ منہ، مفتاح الصلوٰۃ، اخلاقِ جلالی اور زلیخا جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں، ان کے زہد و اتقاء اور اتباعِ شریعت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دستِ اقدس پر بیعت ہوتے طلب علم کے ساتھ ساتھ مجاہدات میں مصروف رہے اور سلوک و عرفان کی منزلیں طے کیں۔ میاں محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے مرشد کامل سے والہانہ محبت تھی، ان کے ارشادات کو تمام عمر حرزِ جاں بنائے رکھا۔

ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی عبد العزیز خطیب جنازگاہ مزنگ (لاہور) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدوری، منیۃ المصلی، کنز الدقائق، شرح وقایہ اور تفسیر حسینی وغیرہ کتب پر عبور حاصل کیا، مولانا نور الدین ابن مولانا غلام قادر رشاق، جما

اللہ تعالیٰ نے) اونچی مسجد پانی منڈی (اندرون شاہ عالم مارکیٹ) سے فنِ خوشنویسی حاصل کیا اور اس فنِ لطیف میں صاحبِ کمال ہوئے۔

حضرت میاں محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قریباً بیس سال تک اچھرہ میں مختلف بھٹوں پر منشی گیری کرتے رہے پھر ملازمت کو چھوڑ کر علوم دینیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ شغل آخر عمر تک جاری رہا۔ آپ کو اولیاء کرام سے بے پناہ عقیدت تھی، دور دراز کا سفر طے کر کے ان کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ کتبِ دینیہ میں سے کتبِ تصوف سے خاص لگاؤ رکھتے تھے، لباس اور خوراک میں سادگی پسند تھے۔ ہر کام میں سنتِ مبارکہ کی پیروی کو پیشِ نظر رکھتے، غیر مشروع اور قبیح رسوم سے سخت متنفر تھے اور ان کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کوشش فرماتے، صبح سے شام تک ذکر و فکر میں مصروف رہتے، جسمانی اور روحانی امراض کے مریض آپ کی توجہ، دعا اور دَم سے بفضلہٖ تعالیٰ شفایاب ہو جاتے۔ ۱۹۴۷ء میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، واپسی پر پیٹ کی تکلیف کا عارضہ لاحق ہوا جو آخر عمر تک دُور نہ ہوا۔

حضرت میاں محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۶ر جمادی الاخری، ۲۸ر دسمبر (۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء) رات کو ساڑھے بارہ بجے راہیِ دارِ آخرت ہوئے۔ موضع جھگیاں ناگرہ ڈاک خانہ ڈھولن وال، ملتان روڈ (لاہور) کی مسجد میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی، ہر سال ۱۶ر جمادی الاخری کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مولانا غلام دستگیر نامی نے تاریخِ وفات کہی ہے ؎

تھے نامِ محمد سے حسین ایک جو موسوم
دل جن کا تھا اللہ کے اذکار سے مشحون
مسجد ہی میں مشغولِ عبادت رہے تاعمر
جاں دے کے بنے گوشۂ مسجد ہی میں مدفون

نامی نے کہی بے سرِ انگشت یہ تاریخ
"حاجی ہوئے مغفور" سنو عالمِ محزون [1]
۱۳۷۸ھ

حضرت میاں صاحب سے تین فرزند یادگار ہیں :-

۱- جناب حکیم محمد اکرم صاحب۔
۲- جناب الحاج محمد اعظم خوشنویس۔
۳- ہمارے کرم فرما صاحبِ علم و ادب محمد عالم مختار حق مدظلہ۔

حضرت میاں صاحب کے صاحبزادگان نے نقوشِ جمیل کے نام سے اپنے والدِ گرامی کے مختصر حالات شائع کر دیئے ہیں۔

---

[1] محمد عالم مختار حق : نقوشِ جمیل، مطبوعہ ۱۹۵۹ء

امام المعقولات مولانا محمد دین بدھوی رحمہ اللہ تعالیٰ

منطق و فلسفہ کے مسلم استاذ مولانا محمد دین بدھوی، بن مولانا قاضی سید رسول موضع بدھو ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، صرف و نحو کی تحصیل شیخ جنگ، ضلع کیمبل پور میں کی، بعد ازاں رام پور میں مولانا فضل حق رامپوری اور ٹونک میں غالباً مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی کی خدمت میں کسب فیض کرتے رہے۔ رام پور اور ٹونک میں مجموعی طور پر سات سال رہ کر تکمیل کی اور واپس وطن تشریف لائے۔ گمان غالب ہے کہ آپ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے مرید تھے۔

پہلے چھ سال بدھو میں درس دیا جس میں بخارا، کابل اور علاقہ غیر کے طلباء شریک ہوتے، بعد ازاں امرتسر، مکھڈ شریف، ملتان، سیال شریف، وزیر آباد، بھیرہ شریف، ڈڑھچہ شریف، شرق پور، بندیال، میری پور، چکوال وغیرہ مقامات پر تشنگان علوم کو سیراب فرماتے رہے۔ آپ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ پنجابی طلبہ کو پنجابی میں، ہندوستانی طلبہ کو اردو میں، پٹھانوں کو پشتو میں، اہل فارس کو فارسی میں اور اہل عرب کو عربی میں درس دیتے تھے۔ منطق و فلسفہ کی کتب پر اس قدر دسترس حاصل تھی کہ جس مسئلے کی ضرورت ہوتی کتاب کو اس طرح کھولتے کہ وہ مسئلہ سامنے ہوتا تھا۔ حافظہ اس غضب کا تھا کہ مطالعہ کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے، حمد اللہ شرح سلم پڑھاتے تو سلم کی عبارت زبانی پڑھ کر مطلب بیان کر دیتے اور اس کے بعد شرح کی تقریر کر دیتے۔

قیام بندیال کے دوران ایک دفعہ مولانا محمد عبد الحق بندیالوی ناظم اعلیٰ جامعہ امدادیہ مظہریہ بندیال شریف نے مطالعے کے لئے شرح حمد اللہ لا کر رکھ دی۔ امام منطق و فلسفہ نے دیکھا تو کہا کتاب لے جاؤ فقیر کو مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ ملک المدرسین حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ نے ایک دفعہ فرمایا "اگر وہ مطالعہ کر کے پڑھاتے تو حافظہ اس قدر قوی اور ذہن اتنا عالی تھا کہ متقدمین اہل فن کے برابر ہوتے" حالانکہ دس

ہونے کے باوجود تقریر اس قدر پر اثر کرتے تھے کہ دلوں کی دنیا تہ و بالا ہو جاتی تھی۔ اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے لیکن ایک ایک مصرعہ پر آنسوؤں کے دریا جاری ہو جاتے تھے۔

بلاشبہ آپ سے سینکڑوں علماء نے اکتساب فیض کیا، چند فضلاء کے اسماء درج ذیل ہیں:-

۱۔ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی۔
۲۔ مولانا پیر محمد کرم شاہ، مدیر اعلیٰ ضیائے حرم۔
۳۔ مولانا محمد عبد الحق بندیالوی۔
۴۔ مولانا محمد حنیف خطیب بغدادی جامع مسجد قائد آباد۔
۵۔ مولانا سید غلام حبیب شاہ۔
۶۔ مولانا سید غلام دستگیر شاہ، ڈڑھچہ شریف۔
۷۔ مولانا سید زبیر شاہ چکوال۔
۸۔ مولانا سید عباس علی شاہ۔

شوال، ۵؍ فروری (۱۳۸۳ھ/۶۴-۱۹ء) کو تقریباً اسی سال کی عمر میں راہی دار آخرت ہوئے اور بدھو میں محو استراحت ہیں۔[1]

---

[1] مکتوب جناب قاضی حسن اختر، موضع بدھو، بنام مؤلف۔

مولانا محمد ذاکر بگوی چشتی قدس سرہ

مولانا محمد ذاکر ابن مولانا عبدالعزیز بگوی (م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۷ء) اپنے وطن بگہ ضلع جہلم میں ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے، تاریخی نام گل رنگیں محمد ذاکر (۱۲۹۳ھ) ہے۔ تمام ظاہری اور باطنی علوم والد ماجد سے حاصل کئے، مدرسہ طبیہ دہلی میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں سے علم طب حاصل کیا، عم محترم مولانا غلام محمد بگوی سے تصوف کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا، بعد ازاں مدرسہ حمیدیہ، قائم کردہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں بحیثیت صدر مدرس مولوی فاضل کے طلباء کو پڑھانے پر مامور ہوئے اور سالہا سال تک پڑھاتے رہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے، حضرت خواجہ صاحب آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۱۹۰۴ء میں حضرت خواجہ محمد دین سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے عرس پر باقاعدگی سے حاضری دیا کرتے تھے۔

آپ بروز بدھ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں لاہور میں فوت ہوئے، ہزارہا عقیدتمندوں نے جنازہ میں شرکت کی، نماز جنازہ مسجد وزیر خاں میں ادا کی گئی، گاڑی کے ذریعے آپ کا جسد اقدس بھیرہ ضلع سرگودھا میں پہنچایا گیا، جہاں والد ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔[1]

---

[1] ظہور احمد بگوی، مولوی: تذکرہ مشائخ بگویہ، ص ۳۷-۴۲

شیخ طریقت مولانا الحاج پیر محمد سعید قادری رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمد سعید قادری ابن حضرت حافظ فتح محمد قادری، ماہ شعبان المعظم ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں جلال پور پیر والا میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم مولانا غلام قادر جلال پوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی، بعد ازاں اپنے برادر مکرم مولانا محمد عبدالغفار رحمہ اللہ تعالیٰ سے ظاہری و باطنی علوم کا اکتساب کیا۔ والد ماجد کے حکم سے برادر بزرگوار سے بیعت کی اور خلافت سے مشرف ہوئے اور ستائیس سال تک مسند فقر پر فائز رہ کر تشنگان شریعت و معرفت کی پیاس بجھاتے رہے۔ آپ کو معقولات و منقولات پر گہری دسترس حاصل تھی، کتب بینی اور مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ آپ کے کتب خانہ میں ایسی کوئی کتاب نہ تھی جس کا آپ نے مطالعہ نہ کیا ہو۔

آپ کو تبلیغ دین سے خاص طور پر شغف تھا، سفر و حضر میں آپ کی ہر مجلس پند و نصائح، بزرگان دین کے ذکر خیر اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ سے معمور ہوتی تھی، حق گوئی آپ کا شعار تھا، حق بات کہنے میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے، بزرگان دین کے مزارات پر حاضری اور سیر و سیاحت سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ کریم النفس، رقیق القلب اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔

۵ جمادی الثانیہ، ۴ اکتوبر (۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب آپ کا وصال ہوا، حسب وصیت حضرت مخدوم سید شوکت حسین شاہ گیلانی ملتانی سجادہ نشین درگاہ حضرت موسیٰ پاک شہید نے نماز جنازہ پڑھائی اور آبائی قبرستان میں برادر گرامی حافظ محمد طاہر قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1]

---

[1] [illegible] مطبوعہ ادارہ، سن وفات پیش نظر نہیں ہے۔

سلیمانِ زماں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ العزیز

شاہِ شاہاں، فخرِ دوراں، پیرِ پٹھاں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ابن محمد زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان قدست اسرارہم کی ولادت ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں کوہِ سلیمان کر گوجی نامی وادی میں ہوئی جو تونسہ شریف سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ خاندانی طور پر آپ کا تعلق پٹھانوں کے قبیلہ جعفر سے تھا جو علم و عبادت اور حیا و شرافت میں نہایت ممتاز تھا۔ بچپن ہی میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا، والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا کیونکہ انہوں نے آپ کی ولادت سے قبل خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب آسمان سے اتر کر ان کی آغوش میں آگیا ہے اور سینکڑوں لوگ مبارکباد دے رہے ہیں۔ چار سال کی عمر میں ملا یوسف جعفر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے۔ ان سے پندرہ پارے حفظ کئے بعد ازاں بگی مسجد تونسہ شریف میں میاں حسن علی کے پاس جا کر قرآن کریم کی تکمیل کی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے کوٹ مٹھن پہنچے جہاں حضرت مولانا قاضی محمد عاقل قدس سرہ کے مدرسہ میں علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ [1]

حضرت شاہ علم و عرفان تونسوی کو تبلیغِ دین سے بے حد لگاؤ تھا اسی بنا پر جب آپ کو پتہ چلا کہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ بڑے ذوق و شوق سے قوالی سنتے ہیں، سوچا کہ کیوں نہ انہیں بالکل خلافِ شریعت کام سے روکا جائے چنانچہ یہ عزم لئے حضرت خواجہ مہاروی کی خدمت میں پہنچے لیکن وہاں پہنچتے ہی طالبِ صادق اور محبِ مخلص بن کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی نے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کو حکم دیا تھا کہ :-

"کوہِ سلیمان کی چوٹیوں پر ایک بلند پرواز شہباز رہتا ہے اسے تلاش

۱؎ خلیق احمد نظامی، پروفیسر، "تاریخ مشائخ چشت"، ص ۶۱۱-۶۱۳

کر کے اپنے حلقہ میں داخل کرنا کہ اس سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کو تبلیغ و اشاعت کے چار چاند لگ جائیں گے"

چنانچہ حضرت خواجہ مہاروی اس بلند آشیاں شہباز کی تلاش میں اوچ شریف اور کوٹ مٹھن کا سفر کیا کرتے تھے، آخر ایک دن اوچ شریف میں وہ شہباز حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی صورت میں مل گیا جسے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا :-

"آدمی بسیار بلند بہ نظر می آید"

اور حضرت جلال الدین سرخ بخاری کی خانقاہ میں آپ کو بیعت فرمایا۔

حضرت ملجائے بیکساں شاہ محمد سلیمان تونسوی تقریباً چھ سال تک آستانۂ شیخ پر رہے۔ در پیرو مرشد کی اس جاں سپاری سے خدمت کی کہ کہنہ سال مریدین اور خدام سے کہیں آگے نکل گئے۔ اس عرصے میں مرشدِ کامل سے آداب الطالبین، فخریات، لوائح، عشرۂ کاملہ اور فصوص الحکم وغیرہ کتبِ تصوف پڑھیں اور ساتھ ساتھ منازلِ عرفان بھی طے کرتے رہے۔

۱۱۹۹ھ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت شاہ فخر الدین دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے دہلی پہنچے مگر وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی قدس سرہ کا وصال ہو گیا ہے۔ [1]

۲۲ سال کی عمر میں قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ نے خرقۂ خلافت عطا کر کے تونسہ شریف میں قیام کا حکم دیا۔ رفتہ رفتہ جب رشد و ہدایت کا چرچا ہوا تو دور دور سے لوگ شرفِ بیعت حاصل کرنے کے لئے حاضرِ دربار ہونے لگے، نواب بہاول خان والئی ریاست بہاولپور بھی حلقۂ خدام میں داخل ہو گئے۔

آقائے نعمت مرشدِ طریقت سے آپ کو عشق کی حد تک محبت و عقیدت تھی۔ ان کے فراق میں طبیعت بے چین ہو جاتی تو پاپیادہ ہی مہار شریف کا سفر شروع کر دیتے۔ آپ نے

۱؎ خلیق احمد نظامی، "تاریخ مشائخ چشت"، ص ۲۱۳-۲۱۵

تونسہ شریف میں قیام کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ وہاں دینی تعلیم عام کرنے کے لئے مدرسہ جاری کیا اور پھر اس کام نے اس قدر ترقی کی کہ ہر طرف قال اللہ وقال الرسول کی صدا ئیں بلند ہونے لگیں اور تونسہ شریف دبستان علم وعرفان بن گیا ۔ اس دور میں تونسہ شریف علوم دینیہ کی وہ عظیم الشان یونیورسٹی تھی جس میں تقریباً دو ہزار طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے اور ۰۰ مدرسین تعلیم دین کا فریضہ انجام دیتے تھے ۔ تمام علماء ، طلباء اور خدام کے لئے قیام وطعام اور لباس کا انتظام مدرسہ کی طرف سے تھا حضرت پیر پٹھان قدس سرہ خود خاص مریدوں اور شاگردوں کو سلوک وطریقت کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ۱ے

شاہ شاہاں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ نے تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کو ہمہ گیر طریقے پر عوام الناس تک پہنچایا ۔ آپ کے روحانی فیض سے نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ کابل ، ایران ، لنکا ، عدن اور ترکستان کے عوام وخواص مستفید ہوئے ۔

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ فرماتے ہیں :۔

" ولایت اور بیعت میں حضرت خواجہ مہاروی کی اتنی شہرت نہیں ہوئی جتنی شہرت حضرت خواجہ تونسوی کی ہے چنانچہ بلخ بخارا ، ایران ، ہرات ، ہند ، سندھ اور حرمین شریفین کے لوگ اپنی استعداد کے مطابق ان سے مستفیض ہوئے " ۲ے

یہ وہ دور تھا جب کہ پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا اور انگریزی اقتدار بڑی سرعت سے پھیل رہا تھا ۔ آپ نے واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو احساس دلایا کہ تمہاری کامیابی کا راز کتاب وسنت کی پیروی اور اخلاق وکردار کو سنت مبارکہ کے سانچے میں ڈھالنے سے ہے ۔ آپ نے واضح طور پر فرمایا :۔

" چونکہ مسلمانوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ترک کر دی

۱ے خلیق احمد نظامی ، تاریخ مشائخ چشت ، ص ۶۱۶ - ۶۲۳

۲ے [illegible] ، مرآۃ العاشقین ، ص ۱۱۳

ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان پر مسلط کر دیا ہے " ۳ے

آپ نے تمام عمر شریف ملت اسلامیہ میں نئی روح پھونکنے میں صرف کی اور سیکڑوں ایسے افراد تیار کئے جو عظمت اسلام کے علمبردار اور صحیح معنوں میں ملت اسلامیہ کے نقیب تھے ۔ لاکھوں افراد آپ کی ہدایت سے حیات جاودانی کے راز سے آشنا ہوئے اور بیسیوں اجازت وخلافت سے مشرف ہو کر رہبر خلائق بنے ۔ تاریخ مشائخ چشت میں آپ کے ۴۰ خلفاء کے اسماء مبارکہ کا ذکر کیا گیا ہے ۔ چند خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں :۔

۱۔ شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی ؛

۲۔ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی ؛

۳۔ حضرت خواجہ احمد میروی ؛

۴۔ حضرت مولانا محمد علی مکھڈوی ۔

۵۔ مولانا محمد علی خیرآبادی (شہید جنگ آزادی مولانا محمد فضل حق خیرآبادی کے استاد)

۶۔ سید احمد مدنی (عرب شریف)

۷۔ سید مستان شاہ (افغانستان)

۸۔ فاضل شاہ (کشمیر)

۹۔ حسن شاہ (قندھار)

۱۰۔ ولی اللہ (خراسان)

۱۱۔ فیض بخش (بیکانیر) وغیرہم قدست اسرارہم ۴ے

حضرت خواجہ خواجگان شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کے ملفوظات سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں ۔ آپ افکار وکردار کی اصلاح پر خاص طور پر توجہ دیتے تھے ۔ چند ملفوظات طیبہ درج کئے جاتے ہیں :۔

۳ے خلیق احمد نظامی ، تاریخ مشائخ چشت ، ص ۶۳۵

۴ے ایضاً ، ص ۶۶۴ - ۵

- علم بغیر عمل اور عمل بغیر عقیدۂ اہلِ سنت و جماعت فائدہ نہیں پہنچاتا۔
- توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اُگتا جہاں شرک، حسد اور ریا کے کانٹے موجود ہوں۔
- سالک کو چاہیئے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہوئے دوسروں کے عیبوں سے آنکھ بند کر لے۔
- کلمۂ طیبہ کا ذکر بالجہر تمام اوراد سے بہتر ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بہترین ذکر لا الٰہ الا اللّٰہ ہے۔
- علم سے مقصود عمل و ہدایت اور اللہ تعالےٰ کی محبت حاصل کرنا ہے۔
- عورتوں اور لڑکوں سے عشق کرنا ایک بلا ہے، اس سے دور رہنا چاہیئے۔
- خدا اور رسول (جل و علا وصلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کے ذکر کے بغیر سب دردِ سر ہے۔
- شریعت کی ظاہری اور باطنی طور پر اتباع کے بغیر کمالِ انسانی کا حصول ناممکن ہے۔
- سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو بدمذہبوں کی صحبت سے دور رکھے اگرچہ ان کی صحبت میں دنیاوی فوائد ہوں، ان کے میل جول سے بھوکا اور ننگا رہنا بہتر ہے[1]

غرض زندگی کے مختلف پہلوؤں پر آپ کی نظر ہمہ گیر تھی اور حسبِ موقع ہر بُرے کام سے ممانعت لازم جانتے تھے، اہلِ دنیا سے پوری طرح احتراز فرماتے تھے بلکہ مریدین کو بھی ان سے اجتناب کی تلقین فرماتے تھے، اگر کبھی ان سے ملاقات کا اتفاق ہوتا تو کمال خودداری اور استغنا سے پیش آتے۔

۷ صفر المظفر، ۱۳ دسمبر ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے دو صاحبزادے

[1] خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت ص ۶۳۲، ۶۵۲

حضرت خواجہ گل محمد اور حضرت خواجہ درویش محمد آپ کی حیاتِ ظاہرہ ہی میں وصال فرما گئے تھے اس لئے آپ کے بعد آپ کے پوتے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ سجادہ نشین ہوئے۔ نواب بہاول پور نے ۸۰ ہزار روپے خرچ کر کے سنگِ مرمر کا عالیشان مقبرہ بنایا۔

مولوی حسین علی فتح پوری نے تاریخِ وصال یوں نظم کی ہے ؎

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمود
ریکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سالِ وفاتش ہاتفِ غیب
بگفتہ "او آفتابِ چشتیاں بود"[1]
۱۲ ھ ۶۷

[1] خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت ، ص ۶۶۲

امیر حزب اللہ حضرت پیر محمد شاہ غازی قدس سرہ (بھیرہ شریف)

مصلح عظیم، مرد میدان، امیر حزب اللہ حضرت پیر حافظ محمد شاہ غازی ابن حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ (قدس سرہما) تقریباً ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں رونق افروز دارِ دنیا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق و الدین ابو محمد زکریا سہروردی ملتانی قدس سرہ (جن کی دینی خدمات تاریخ اسلامی کا روشن ترین باب ہیں) سے ہوتا ہوا اصحاب صُفّہ میں سے صحابی رسول حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ قریباً تین سو سال پہلے حضرت شیخ الاسلام کے خاندان کے ممتاز فرد حضرت دیوان پیر فتح شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھیرہ میں تشریف لاکر رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام کا وہ چراغ روشن کیا جو آپ کی اولاد امجاد کی بدولت ہمیشہ درخشندہ تابندہ رہا حتیٰ کہ یہ مرکزیت اور دینی قیادت حضرت پیر محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حصہ میں آئی۔

حضرت پیر محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ سن شعور کو پہنچے تو مکتب میں بٹھائے گئے جہاں آپ نے حافظ محمد موسیٰ اور حافظ جمال سے قرآن کریم حفظ کیا بعد ازاں اگرچہ درس نظامی کی تکمیل نہیں کی لیکن بہت سے اساتذہ سے بہت حد تک ضروری مسائل کی واقفیت حاصل کر لی۔ قرآن پاک کے ساتھ آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ رمضان شریف میں تراویح کے علاوہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں نوافل میں قرآن مجید کا ختم آپ کا معمول تھا۔ قدرت نے آپ کو لحن داؤدی عطا فرمایا تھا جب آپ تراویح میں قرآن پاک پڑھتے تو بعض ہندو مسجد کے باہر بیٹھ کر ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے۔

والد گرامی نے بڑی توجہ سے آپ کی تربیت فرمائی اور مناسب وقت پر حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ العزیز سے بیعت کرا دیا۔ حضرت خواجہ نے مختلف ریاضتیں کرانے کے بعد آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور خلق خدا کی رہنمائی کا کام آپ کے سپرد کیا جسے آپ نے اس خوبی سے نبھایا کہ باید و شاید۔ عبادت و ریاضت میں محویت کا یہ عالم تھا

کہ تمام عمر صوم داؤدی (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) رکھتے رہے۔ نماز تہجد اور دیگر نوافل اس پابندی سے ادا کرتے کہ حالت علالت میں بھی شاید ہی کبھی قضا ہوئے ہوں گے۔ نماز باجماعت ادا کرنے کے خیال سے سفر میں کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ ضرور رکھتے۔ پندرہ شعبان سے آخر رمضان تک اعتکاف میں رہتے، وصال سے چند سال قبل تک آپ کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دریائے جہلم کے کنارے تشریف لے جاتے اور رات گئے دس بجے تک اوراد و وظائف میں مشغول رہ کر واپس تشریف لاتے۔

علوم دینیہ کی ترویج سے آپ کو فطری لگاؤ تھا جس کی بنا پر آپ نے والد گرامی کی موجودگی میں مدرسہ تدریس القرآن قائم کیا جو اب تک جاری ہے۔ ایک پرائمری سکول کھولا تاکہ قوم کے نوجوان لکھنے پڑھنے کے قابل بن سکیں۔ ۱۹۲۵ء میں تعلیم المسلمین کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی جس میں اپنے دور کے مقتدر فضلاء کو تدریس کے لئے مقرر کیا۔ اس دارالعلوم نے خاطر خواہ ترقی کی اور قابلِ قدر دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۲ء میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت پیر محمد کرم شاہ مدظلہ العالی مدیر ماہنامہ ضیائے حرم نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ (بھیرہ) کے نام سے ایک خوشگوار انقلاب پیدا کیا اور دارالعلوم کے نصاب میں قدیم و جدید علوم کو یکجا کر دیا۔ اپنی نوعیت کا یہ منفرد دارالعلوم بڑی کامیابی سے جانب منزل گامزن ہے۔

قیام پاکستان سے قبل مسلمانوں کی زبوں حالی اور بے عملی آپ کو ہمیشہ بے چین رکھتی اور خاص طور پر جب مسلمانوں کو ہندو بنیوں کے سودی قرضوں میں جکڑا ہوا دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے اس لئے آپ سال میں ڈیڑھ دو ماہ کا تبلیغی دورہ کرتے اور احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے، سودی قرضوں سے نجات پانے کے لئے بچوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے اور تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی بھرپور تبلیغ فرماتے۔

تحریک پاکستان کے زمانے میں بڑی گرم جوشی سے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی، اپنے حلقۂ اثر میں بکثرت طوفانی دورے کئے اور مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرانے کے لئے فضا ہموار کی۔ اگر کسی مرید نے کسی مجبوری کے تحت مسلم لیگ کو ووٹ دینے میں پس و پیش کی تو اس سے تعلق قطع کر لیا جب قانون شکنی کے ذریعہ سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو آپ بھی اس میں

شریک ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب آزادیٔ کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہ نے اپنے پچاس مریدوں کے ساتھ (جو سابق فوجی تھے) میدانِ کارزار میں عملی طور پر مردانہ وار حصہ لیا۔ بجیت گڑھ (بھارت) کے مقابل موضع بوبے وڈینس (ضلع سیالکوٹ) میں ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ آپ کے پاس روسی ساخت کی ایک بہترین رائفل تھی، آپ کے حکم پر ایک مرید نے اسی رائفل سے دشمن کے جہاز پر تین فائر کئے نتیجۃً وہ بھارت کے علاقہ میں جا کر گر گیا۔ ایک دن مغرب کے وقت بھارتی ہوائی جہاز نے آ کر گولیوں کی بارش کر دی۔ آپ اپنے تمام ساتھیوں سمیت اطمینان سے نماز ادا کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو خراش تک نہ آئی۔

کچھ دنوں بعد آپ کو باجرہ گڑھی (آزاد کشمیر) کے محاذ پر مقرر کر دیا گیا جہاں آپ نے کرنل کیانی (راجہ حامد مختار سابق ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف پنجاب کے برادرِ محترم) کی قیادت میں مجاہدانہ کارروائیاں جاری رکھیں۔ دسمبر اور جنوری کی برفانی راتوں میں پیرانہ سالی کی پروا کئے بغیر مجاہدین کے ہمراہ ندی نالوں اور نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں پہنچ جاتے اور دادِ شجاعت دیتے۔ بعض احباب جب آپ کو آرام کرنے کا مشورہ دیتے تو آپ فرماتے: "میں یہاں آرام کرنے کی خاطر نہیں آیا، مجھے تو شوقِ شہادت کشاں کشاں یہاں تک لے آیا ہے، دعا کیجئے کہ مجھے یہ سعادت نصیب ہو جائے۔"

اس جگہ آپ نے قریباً تین ماہ گزارے۔ ہر شخص آپ کے جوشِ ایمانی اور جذبۂ جہاد سے متاثر تھا۔ ذیل میں وہ سرٹیفکیٹ درج کیا جاتا ہے جو کرنل کیانی نے اعترافِ خدمت کے طور پر آپ کو لکھ کر دیا تھا:

I feel great honour in introducing Pir Muhammad Shah Sahib Sajjada Nashin and Amir Jund-u-Ilah Bhera Sharif.

He together with his fifty Mujahids worked in my sector for about three months.

In his old age he himself led his men in the battlefield.

A true patriot and a great inspiration to all. I wish we had more soldiers like him.

(I. J. KIANI)

Sialkot A.K.F.

ترجمہ: "میں پیر محمد شاہ صاحب کا تعارف کراتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ آپ نے اپنے پچاس مجاہدین کے ساتھ تقریباً تین ماہ تک میرے سیکٹر میں کام کیا، پیرانہ سالی کے باوجود میدانِ کارزار میں بنفسِ نفیس اپنے مجاہدین کی قیادت کی، آپ سچے محبِ وطن اور سب کیلئے عظیم مشعلِ راہ ہیں، میری تمنا ہے کہ آپ جیسے مزید سپاہی ہماری میراث بنیں۔"

آئی جے کیانی
آزاد کشمیر فورسز

آپ کی اولاد میں سے دو صاحبزادے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ مدظلہ فاضل جامعہ ازہر (فرزندِ اکبر)
۲۔ جناب صاحبزادہ غلام حیدر شاہ انچارج سول ہسپتال سکیکی (گوجرانوالہ)

چونکہ آپ کو اس امر کا قوی احساس تھا کہ گہرا تعلیمی شعور ہی مسلمانوں کو پستی سے نکال کر باعزت مقام پر پہنچا سکتا ہے اس لئے اپنی اولاد کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے میں

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، خاص طور پر فرزندِ اکبر مولانا پیر محمد کرم شاہ مدظلہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دی چنانچہ علومِ عقلیہ کی تعلیم کے لئے امام المناطقہ مولانا محمد دین بدھوی (کیمبلپور) اور فقہ، تفسیر، ادب، عروض اور ریاضی وغیرہ علوم کے لئے قدوۃ الفضلاء مولانا غلام محمود قدس سرہ (پپلاں۔ میانوالی) مصنف نجم الرحمٰن و محشی تکملہ عبدالغفور کو مدعو کیا، دورۂ حدیث کے لئے قائدِ اہلِ سنت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد بھیجا، بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کرایا۔

اس کے باوجود آپ کو اپنے لختِ جگر کو مزید تعلیم دلانے کا اشتیاق تھا۔ اس مقصد کے لئے اپنے نورِ نظر کو جامعہ ازہر (مصر) بھیجا۔ بلڈ پریشر کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باوجود اس طویل سفر پر روانہ کیا اور رخصت کرتے وقت فرمایا:۔

"اس وقت جب کہ مجھے تمہاری اشد ضرورت ہے دُور دراز سفر
پر اس لئے روانہ کر رہا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تمہیں دولتِ علم سے نوازے
اور اپنے دین کی خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے"

حضرت صاحبزادہ پیر محمد کرم شاہ مدظلہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک جامعہ ازہر میں رہے آخری امتحان میں پورے جامعہ ازہر میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور کلیۃ الشریعۃ الاسلامیہ کی سب سے بڑی ڈگری لے کر واپس آئے۔ اس عرصے میں حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہ کی بیماری نے بڑی شدت اختیار کر لی لیکن آپ نے متعلقین کو تاکیدی حکم فرمایا کہ انہیں میری علالت کی شدت کی ہرگز اطلاع نہ دی جائے بلکہ اگر خدانخواستہ کوئی سانحہ پیش آجائے تو بھی مطلع نہ کرنا تاکہ ان کی تعلیم میں خلل واقع نہ ہو، علمِ دین کی اس قدر والہانہ محبت کی مثال آج کے دور میں شاید ہی کہیں پیش کی جا سکے۔

۲۴ر شعبان، ۲۶ر مارچ (۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء) منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو مجاہد و غازی حضرت الحاج حافظ پیر محمد شاہ سجادہ نشین دامیر حزب اللہ بھیرہ (سرگودھا) کا وصال ہوا۔ انتقال کے روز سخت نقاہت تھی، اکثر اوقات

[illegible] رہتے، جب کبھی آواز سنائی دیتی تو پتہ چلتا کہ سورۂ یٰسین یا سورۂ ملک کی کوئی آیت تلاوت کر رہے ہیں۔

وصال سے چند دن پہلے اکثر اس آیتِ مبارکہ کا ورد کرتے رہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ

([illegible])

بھیرہ شریف میں ہر سال نہایت اہتمام سے آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں بعد حسن و خوبی دینِ مبین کی تبلیغ ہوا کرتی ہے [1]

---

[1] محمد عبدالحکیم شرف قادری : پیر محمد شاہ غازی ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، اکتوبر ۱۹۷۲ء، ص ۸۱-۹۰

نوٹ: یہ تمام حالات مولانا [illegible] بھیری مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ نے فراہم کئے جس کے لئے راقم ان کا شکر گزار ہے۔

حضرت مولانا سید حافظ محمد شاہ حنفی قادری نوشاہی ساہنپالوی رحمہ اللہ تعالیٰ

فاضل اجل حضرت مولانا سید محمد شاہ ابن حضرت مولانا سید محمد امین مخدوم السالکین (م ۱۳۱۲ھ) ابن سید حافظ قل احمد نوشاہ ثانی (م ۱۲۶۶ھ) بمقام ساہنپال شریف (ضلع گجرات) ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ الاسلام حضرت سید حافظ شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری قدس سرہ العزیز کی اولاد امجاد میں سے تھے۔ آبا و اجداد فضیلت علم ظاہری اور ولایت باطنی میں ممتاز چلے آتے تھے۔ مولانا سید محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید حفظ کیا اور ظاہری علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد، عم حقیقی حضرت مولانا سید محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ) اور مولانا سید غلام قادر (م ۱۳۰۶ھ) سے کی۔ آخر میں موضع کا کھڑہ کلاں ضلع گجرات میں جمال الدین حنفی سے اکتساب فیض کیا۔ فقہ، حدیث اور طب میں سند فضیلت حاصل کی۔ آپ کا سلسلۂ تلمذ آفتاب پنجاب مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا مطالعہ وسیع تھا۔ آپ کو ۲۸ علوم میں مہارت تھی جن کا کچھ بیان تذکرہ محمد شاہی[1] میں کیا گیا ہے۔

آپ اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ بچپن میں جد امجد حضرت نوشاہ ثانی کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ اپنے آبا و اجداد کی مسند پر بیٹھ کر دین اسلام کی تبلیغ اور سلسلۂ عالیہ قادریہ نوشاہیہ کی ترویج کو کمال خوبی سے انجام دیا۔ آپ صاحب خوارق و کرامات بزرگ تھے۔ بہت سے اہل دل آپ سے مستفیض ہوئے۔ آپ اخلاق عالیہ کے مالک تھے۔ غربا، فقرا اور مسافروں کی دل کھول کر امداد فرماتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت، اذکار و نوافل اور ریاضت و مجاہدہ میں عالی ہمت تھے۔ ایک رات میں کبھی پانچ سو اور کبھی دو سو نوافل ادا کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا صاحب تصنیف بزرگ تھے آپ کا کلام حقائق و معارف سے معمور

[1] ایک ہزار صفحات پر مشتمل "تذکرہ محمد شاہی" حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ کی تصنیف ہے۔

ہوتا تھا۔ درج ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں:-

۱۔ کتاب الفوائد: مناقب بزرگان دین، مسائل تصوف، اوراد و عملیات، اور نصیحت آمیز اشعار پر مشتمل ہے۔

۲۔ روزنامچہ محمد شاہی: ۱۷ سالہ روزنامچہ

۳۔ مکتوبات محمد شاہی: یہ آپ کے پوتے مولانا سید بشیر احمد بشارت رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۸۱ھ) نے مرتب کئے ہیں۔

۴۔ ملفوظات محمد شاہی: الموسوم پیر مکرم، آپ کے فرزند ارجمند مولانا سید غلام مصطفیٰ نوشاہی (م ۱۳۸۴ھ) نے جمع کئے ہیں۔

۵۔ فہرست مضامین تفسیر حسینی۔

حضرت مولانا سید غلام مصطفیٰ نوشاہی آپ کے تنہا فرزند تھے جو آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے صاحبزادے ملک کے مشہور صاحب علم و فضل مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی ہیں۔ حضرت مولانا محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء کا سلسلہ کافی وسیع تھا۔

۲۲ محرم/۲۹ اکتوبر (۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء) بروز منگل نماز تہجد کے وقت آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مرقد منور ساہنپال شریف (ضلع گجرات) میں حضرت نوشاہ عالیجاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قبرستان میں ہے[1]

[1] شریف احمد شرافت نوشاہی، مولانا سید: اذکار نوشاہیہ، انجمن سادات نوشاہیہ، ساہنپال شریف گجرات، ۱۹۷۲ء، ص ۸۱-۸۴۔

فقیہِ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف قدس سرہ (کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ)

حنفیت و سنیت کے بطلِ جلیل مولانا محمد شریف ابن مولانا عبدالرحمٰن سیالکوٹی کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، علومِ دینیہ کی تکمیل والد ماجد سے کی، ان کے وصال کے بعد برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء سے کسبِ فیض کیا، حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم نقشبندی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی، فقیہِ اعظم کا لقب آپ ہی نے عطا فرمایا تھا، حضرت فقیہِ اعظم نے فقہ حنفی کی بے بہا خدمات انجام دی ہیں، ہفت روزہ "اہلِ حدیث" امرتسر میں آئے دن اہلِ سنت احناف کے خلاف مضامین شائع ہوتے رہتے تھے، حضرت فقیہِ اعظم کی کوششوں سے امرتسر ہی سے "الفقیہ" کے نام سے ہفت روزہ جاری ہوا جس میں ان اعتراضات کے جوابات نہایت تحقیق و متانت سے دئیے جاتے تھے۔ اس جریدے کے علاوہ دیگر مؤقر جرائد میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

آپ عالمِ شریعت اور شیخِ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول ترین مقرر بھی تھے وعظ و ارشاد میں اپنا ایک مخصوص اسلوب رکھتے تھے۔ آپ کے خلفِ رشید سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی مدیر ماہِ طیبہ کی تقریر میں آپ کے اندازِ بیان کی نمایاں جھلک پائی جاتی ہے۔

حضرت فقیہِ اعظم نے پنجاب کے اطراف و اکناف کے علاوہ کلکتہ اور بمبئی وغیرہ مقامات تک سنیت و حنفیت کا پیغام پہنچایا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی اور تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جگہ جگہ تقریریں کیں اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت و معاونت پر تیار کیا۔

آپ کے مریدین کا حلقہ نہایت وسیع ہے جو ملک کے طول و عرض میں موجود ہے

آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی، چند تصانیف یہ ہیں:۔

۱۔ تائید الامام (حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ کی تالیف "الرد علیٰ ابی حنیفہ" کا محققانہ رد)

۲۔ نمازِ حنفی مدلل ۔ ۴۔ کتاب التراویح

۳۔ صداقتِ الاحناف ۔ ۵۔ ضرورتِ فقہ

۶۔ کشفِ الغطاء

آپ ۹۰ سال کی عمر میں ۱۵ جنوری ۱۹۵۱ء کو عازمِ خلدِ بریں ہوئے، جھگی والی مسجد کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزارِ پُر انوار ہے[۱]

---

[۱] محمد افضل کوٹلوی، مولانا : روزنامہ سعادت لائل پور (اہلِ سنت نمبر، اگست ۱۹۶۸ء)

مقررِ جادو بیان مولانا الحاج محمد شریف نوری قصوری رحمہ اللہ تعالیٰ

خطیبِ پاکستان مولانا الحاج محمد شریف نوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) ابن مولانا محمد دین مدظلہ العالی ۲۰۔۴۔۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں بمقام چکوڑی (ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے۔ کنجاہ (گجرات) میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد پاکستان کی عظیم دینی درس گاہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال) میں تمام متداولہ کتب کی تحصیل و تکمیل کر کے فقیہِ عصر مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ سے درسِ حدیث لیا اور ۲۷۔۳۔۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں فراغت حاصل کی اسی سال قصور میں خطیب مقرر ہوئے اور ۱۳۸۱ھ تک کمال خوبی سے فرائضِ خطابت انجام دئے۔ یہیں سے ان کی شہرت دور دراز تک پہنچی۔ آپ کی آواز میں بلا کا سوز تھا اور دورانِ تقریر مجمع پر چھا جایا کرتے تھے، بڑے سے بڑے مجمع کو کنٹرول کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی ۱۹۷۰ء میں جب دار السلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی دامت برکاتہم العالیہ کی صدارت میں کانفرنس منعقد ہوئی تو کسی وجہ سے لاکھوں افراد میں پھیل جانے والی بے چینی کو آپ نے کنٹرول کر کے مشاہیر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ پاکستان کے سابق گورنر ملک امیر محمد خاں اپنے گھر پر منعقدہ مجلسِ میلاد کے لئے آپ کو دعوت دیا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں جمعیت العلماء پاکستان کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔

قصور کے قیام کی مناسبت سے نوری قصوری کے نام سے عوام و خواص کے حلقے میں متعارف ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۵۵ء میں ادیب فاضل کا امتحان نمایاں کامیابی سے پاس کیا، قصور ہی میں مشہور نعت خوان جناب محمد علی ظہوری کو ساتھ لے کر ماہنامہ نور و ظہور نکالا جسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی مگر زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ ان کے سحرِ خطابت کا یہ کارنامہ ناقابلِ فراموش ہے کہ یکم مئی ۱۹۵۹ء کو کلارک آباد (مضافاتِ رائے ونڈ) کے تقریباً دو ہزار عیسائی ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے [1]

[1] ادارہ تقریبات، میلاد ایڈیشن، گجرد پوش، ص ۲

۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء میں لاہور آگئے [1] پہلے ایک عرصہ تک جامع مسجد پیپل والی شاہ عالم مارکیٹ میں، پھر کچھ عرصہ سرائے رتن چند میں خطیب رہے، بعد ازاں شیش محل چوبرجی کے بالمقابل جامع مسجد محمدیہ (راوی روڈ) میں تشریف لے آئے، یہاں آپ نے جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی، مسجد کا عظیم مینار آپ ہی کی مساعی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

۱۳۸۴ھ میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارات کے لئے بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، نجفِ اشرف اور بیت المقدس کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۹۱ھ میں کمال اشتیاق سے حرمین شریفین کی حاضری سے فیضیاب ہوئے، واپسی پر راستے ہی میں علالت نے آلیا، واپس وطن پہنچنے کے بعد میو ہسپتال لاہور میں علاج معالجہ شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور جلد ہی عالمِ بقا کی طرف کوچ کر گئے، مولانا مرحوم نے چار مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔

مولانا نوری بلند اخلاق کے مالک تھے، دوستوں کے دوست تھے اور ملنے جلنے والوں کی بڑی فراخدلی سے تواضع کیا کرتے تھے، جمعیت العلماء پاکستان، پاک سنی تنظیم اور انجمن اصلاح المسلمین کے سرگرم رکن اور ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۳۹۰ھ میں جابجا دورے کئے اور آئینِ اسلام کے نفاذ کے حق میں پر زور تقریریں کیں اور عوام الناس کو آئینِ اسلامی کی تائید و حمایت کے لئے تیار کیا۔

مولانا نوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے مقبول ترین مقرر تھے، سامعین ان کی خوش الحانی کے اثر سے کیف و سرور میں ڈوب جاتے تھے، وہ جہاں ایک مرتبہ تقریر کر آتے تھے وہاں کے لوگ ہمیشہ ان کے مشتاق رہتے۔ تقریباً اپنی مادری زبان پنجابی میں کیا کرتے۔ ان کے عقیدتمندوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا، انہوں نے اپنے مواعظ کے ذریعے سنیت کا پیغام پاکستان کے گوشے گوشے تک پوری بیباکی سے پہنچایا اور عقائدِ باطلہ کی تردید پوری قوت سے کی، پُر خطر راستوں سے گذرے، دھمکیاں سنیں مگر کبھی ان کا عزم متزلزل نہ ہوا۔

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ ص ۱۲۹

مولانا نوری نور اللہ مرقدہ نے وعظ و تقریر کے ساتھ تحریر کا سلسلہ بھی جاری رکھا،
لاہور آنے کے بعد ماہنامہ "الحبیب" جاری کیا جسے کامیابی سے چلاتے رہے، ان
دنوں نوجوان فاضل مولانا محمد شریف شرقپوری (فاضل بصیر پور) آپ کے معاون رہے
اس کے علاوہ آفتابِ سنت، رد چراغِ سنت (تالیف فردوس علی شاہ دیوبندی قصوری)
بارہ تقریریں، نشری تقریریں، مسئلہ گیارھویں، حرمتِ تعزیہ داری اور عرب کا مسافر
ایسی مقبولِ عام تصانیف یادگار چھوڑیں۔

۲۸ ربیع الاول، ۱۳ مئی (۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء) جمعہ ہفتہ کی درمیانی شب میو ہسپتال میں تقریباً
۲ بجے آپ کا انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ ابو البرکات سید احمد
دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی [1]

آپ اپنے والد گرامی کے اکلوتے فرزند تھے۔ خطیبِ پاکستان مولانا غلام الدین قدس سرہ
آپ کے عم محترم تھے۔ مولانا نوری قدس سرہ کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوئی۔ اس وقت چار
بچیاں بقیدِ حیات ہیں۔

جامع مسجد محمدیہ راوی روڈ پر آپ کا مزار زیرِ تعمیر ہے۔

---

[1] ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ) ص ۷۔

مبلغِ اہلسنت مولانا مفتی محمد صادق رحمہ اللہ تعالیٰ (راولپنڈی)

حضرت مولانا مفتی محمد صادق رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں موضع بانڈی (ضلع
کیمبل پور) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید پڑھنے کے بعد آٹھویں جماعت تک سکول میں تعلیم حاصل
کی، بعد ازاں اپنے بڑے بھائی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر حضرو (ضلع کیمبل پور) کے مختلف مدارس
میں تعلیم حاصل کی، درس نظامی کی متداول کتب پڑھنے کے بعد ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں مغربی
پاکستان کی قدیم درسگاہ دار العلوم حزب الاحناف (لاہور) میں دورۂ حدیث لیا اور امتیازی
حیثیت سے کامیاب ہوئے۔ تحصیلِ علم کے بعد راولپنڈی میں مستقل سکونت اختیار کی اور تبلیغ
دین کا کام شروع کیا۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں سراپا اشتیاق و محبت بن کر حجازِ مقدس کا سفر کیا
اور حرمین شریفین کی حاضری سے شادکام ہوئے۔ آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بارگاہِ عالیہ
گولڑہ شریف کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔

مفتی صاحب ہردلعزیز اور مقبولِ عام شخصیت تھے، فنِ خطابت میں ید طولیٰ حاصل تھا
اکثر و بیشتر تبلیغی دوروں پر رہا کرتے تھے، دینِ متین کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے بے پناہ درد
رکھتے تھے، راولپنڈی میں جب "تنظیم العلماء" کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی تو مفتی صاحب
نے پرجوش اور سرگرم رکن کی حیثیت سے کام کیا، تنظیم کے تحت ہفتہ وار پروگراموں میں باقاعدگی
سے شریک ہوتے، چونکہ آپ کی قیام گاہ مورگاہ میں تھی اور رات کو اجلاس کے اختتام پر کوئی سواری
بھی میسر نہ ہوتی تھی اس لئے پیدل ہی اپنی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے، یہ ان کے خلوص و ایثار
کی بیّن دلیل تھی کہ وہ تبلیغِ دین کے جذبے کے تحت اپنے آرام و سکون کو پس پشت ڈال دیتے
تھے، جب بھی کوئی مجلس مشاورت منعقد ہوتی تو آپ کی یہی کوشش ہوتی کہ غیر متعلقہ باتوں کی
بجائے پوری توجہ علماء کی تنظیم اور جماعت کی ترقی و استحکام کے مختلف پہلوؤں پر صرف کی جائے۔

مفتی صاحب سحر بیان خطیب تھے، جب خطبہ شروع کرتے تو تمام مجمع پر سکوت
طاری ہو جاتا اور ہر شخص ان کی تقریر سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ جاتا اور جب پرسوز آواز

میں مثنوی شریف پڑھتے تو سامعین جھوم اٹھتے اور اکثر لوگوں کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو جاتیں۔

۱۲ صفر المظفر/۲۳ مئی (۱۴۰۷ھ/۱۹۹۷ء) بروز منگل شام ساڑھے چار بجے موڑ گاڑی سے ایک ضروری دینی کام کے لئے سکوٹر پر سٹل ٹاؤن جا رہے تھے کہ راستے میں سرگی روڈ پر پولیس کی گاڑی سے حادثہ ہو گیا جس میں آپ شدید طور پر زخمی ہو گئے اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے تین بجے شب محبوب حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ دوسرے دن بوندا باندی کے باوجود شہر بھر کے علماء کے علاوہ بیس ہزار سے زائد افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور موڑ گاڑی کی مسجد میں باچشم پرنم سپرد خاک کیا۔ متعلقین جناب نے پسماندگان میں ایک بیوہ اور چھ بچے چھوڑے ہیں۔[1]

---

[1] ہفت روزہ [illegible]، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ

حضرت مولانا ابو النور محمد صدیق چشتی بصیر پوری قدس سرہٗ

حضرت مولانا ابو النور محمد صدیق چشتی ابن مولانا ابو الصدیق احمد دین (قدس سرہما) پاک سیرت اور صوفی مشرب عالم تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد ضلع فیروز پور (بھارت) کے رہنے والے تھے سکھوں کے عہد میں منتقل ہو کر یہ بزرگ ضلع ساہیوال میں آباد ہو گئے۔ اس خاندان نے علوم دینیہ کی اشاعت میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت مولانا ابو الجمال حافظ محمد حبیب اللہ المعروف برقع پوش قدس سرہ بلند پایہ عالم اور ولی کامل تھے جو اوڑ پر نقاب ڈالے رہتے اور حسن اتفاق سے تدفین کے دوسرے روز آپ کے مرقد پاک کو بھی سبزہ زار نے ڈھانپ کر آپ کی عادت کریمہ کی اتباع کا حق ادا کر دیا۔

آپ کے والد ماجد اپنے دور کے ممتاز عالم تھے، فارسی زبان میں مہارت تامہ رکھتے تھے چنانچہ آپ نے علوم عربیہ اور فارسی کی تعلیم انہی سے حاصل کی اور دورۂ حدیث پاک کی تحصیل کے لئے اپنے فرزند ارجمند فقیہ عصر مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ العالی کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، ذکر مصطفیٰ سنکر آپ کا جسم لرز جاتا تھا۔ ایک مرتبہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے سالانہ جلسہ پر شیخ القرآن علامہ ابو الحقائق محمد عبد الغفور ہزاروی قدس سرہ اپنے خاص انداز میں تقریر شروع کی، آپ بہت علیل تھے، علامہ ہزاروی کی آواز سنکر فرمایا مجھے جلسہ گاہ میں لے چلو چنانچہ دو آدمی کندھوں پر آپ کو جلسہ گاہ میں لائے اور تین فٹ اونچے اسٹیج پر بٹھا دیا۔ علامہ ہزاروی نے امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا یہ شعر پڑھا ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں | جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس مخصوص مہک سے محظوظ ہو کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی چنانچہ آپ بڑی روانی سے ذکر کرتے ہوئے اسٹیج سے نیچے اتر آئے۔ آپ نے ۱۹۴۸ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

مولانا ابو النور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے مشہور بزرگ قدوۃ السالکین حضرت خواجہ حافظ جان محمد

قدس سرہ (چک ۹/۴۹ ضلع ساہیوال) سے بیعت اور مجاز تھے نیز دوسرے سلسلہ ہائے طریقت کے بزرگوں سے بھی مستفید تھے۔ آپ کے مریدین کا حلقہ وسیع تھا۔

آپ کے فرزند ارجمند حضرت فقیہ اعظم جب محقق دوراں علامہ سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سے سند درس حدیث لیکر آئے تو آپ نے فرید پور جاگیر (ساہیوال) میں دار العلوم کے قیام کا مشورہ دیا چنانچہ ۱۳۴۲ھ میں یہاں دار العلوم قائم کر دیا گیا اور پھر ۱۳۶۵ھ میں اسے بصیر پور منتقل کر دیا گیا۔ مولانا ابو النور نے اس دار العلوم کے ذریعے دینی خدمات کا تمام تر اجر خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نذر کر دیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ روز محشر ہم خالی ہاتھ جا کر اپنا دامن حضور ہی کی عنایات سے بھر لیں گے۔ دار العلوم کی ترقی میں آپ کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔

آخر عمر میں مثانہ کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے، شدید ترین تکلیف کے باوجود آپ احکام شرعیہ پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ آپ کو سول ہسپتال (منٹگمری) میں داخل کیا گیا مگر اپریشن کے باوجود بھی مرض میں کمی واقع نہ ہوئی۔ آخری لمحات میں آپ نے اپنے فرزند رشید فقیہ عصر مدظلہ العالی سے راز دارانہ باتیں کیں، اس دوران کرتک رشتۂ زیست ٹوٹ چکا تھا لیکن آپ برق رفتاری سے کلمہ طیبہ کا ذکر کر رہے تھے چنانچہ اسی کیفیت میں ۱۷ر رمضان المبارک/۱۵ر مارچ (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) بروز اتوار آپ نے سفر آخرت فرمایا اور دار العلوم کے وسیع احاطہ میں آپ کا مرقد انور مامن مریدین و معتقدین ہے۔

آپ نے دو شادیاں کیں جن سے متعدد صاحبزادیوں کے علاوہ مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ شیخ الحدیث و بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور، مولانا ابو البقا محمد حبیب اللہ نوری، مولانا ابو الحامد محمد احمد چشتی، مولوی محمود احمد اور حافظ منظور احمد صاحبزادگان آپ کے خلف ہیں۔ [1]

استاذ العلماء مولانا الحاج فتح محمد بہاولنگری قدس سرہ نے قطعہ تاریخ وصال رقم فرمایا ؎

بصد حسرت بگو ہم دوستاں را — کہ رحلت مولانا صدیق فرمود
مجاہد عابد و عاشق رسولے — فقیہ و ہم تقی و ہم صفی بود
گذشتہ عمر او در خدمت خلق — برفت از ما بحق خرسندہ خوشنود
ز دل "تاریخ" پرسیدیم و گفتہ — شگفتہ گشتہ جنت "مغفور مودود"

[1] یہ حالات مولانا شاہ محمد چشتی قصوری سے حاصل ہوئے۔

مرجع الکاملین حضرت خواجہ محمد عثمان نقشبندی قدس سرہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد عثمان نقشبندی قدس سرہ ۱۲۴۴ھ/۱۸۰۹ء میں بمقام موسیٰ زئی تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد (نام معلوم نہیں ہو سکا) نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ انہوں نے آپ کو علوم دینیہ کی تحصیل پر لگا دیا۔ تکمیل علوم کے بعد حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری (م ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) خلیفہ حضرت شاہ احمد سعید دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۹ جمادی الاخری (۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء) کو بیعت ہو کر مدارج سلوک طے کرنے کے علاوہ علم اخلاق، علم سیر، علم تصوف اور علم حدیث کی تحصیل کی اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ احمدیہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ کبرویہ مداریہ قلندریہ شطاریہ میں ماذون و مجاز ہوئے۔

آپ نے جس محنت و جانگدازی سے اپنے شیخ کی خدمت کی، کوئی اور مرید نہ کر سکا، شیخ کامل بھی آپ پر عنایت بے غایت کرتے تھے حتی کہ جب حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری قدس سرہ کا ۲۲ شوال المکرم (۱۲۸۴ھ) کو وصال ہوا تو موسیٰ زئی شریف میں ان کے ایما اور اجازت سے آپ ہی سجادہ نشین ہوئے اور بڑی خوبی سے فرائض نیابت کو انجام دیا۔ پیر و مرشد کے وصال سے تین سال بعد کمال اشتیاق سے زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو گئے، حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور گیارہ دن تک قیام کیا۔ اس دوران کھانا پینا ترک کر دیا تاکہ قضائے حاجت کی ضرورت نہ پڑے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ جہاں قضائے حاجت کی جائے وہاں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پائے اقدس آیا ہو، ذرا اندازہ کیجئے کہ دیار حبیب کا ان کے دل میں کس قدر احترام تھا۔

حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ ہر فعل میں اتباع سنت کو پیش نظر رکھتے اور کسی کام میں خلاف سنت کو روا نہ رکھتے تھے۔ خانقاہ پر حاضر ہونے والے درویشوں کو نماز تہجد کے لئے

دیتے، مراقبہ کرنے اور کثرتِ ذکر کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ باوجودیکہ آپ کے ہزاروں مرید تھے لیکن کسرِ نفسی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے "مجھے پیری اور بزرگی کا دعویٰ نہیں ہے۔ میں تو حضرت پیر و مرشد کے مزارِ پُر انوار کا جاروب کش اور درویشوں اور زائرین کا خدمت گار ہوں۔" کئی عقیدت مند پیش کش کرتے کہ ہماری زمین، جائداد اور باغ وغیرہ قبول فرمایئے تاکہ لنگر کا کام چلتا رہے مگر آپ فرماتے کہ: "لنگر کے اخراجات اللہ تعالیٰ کے توکل پر موقوف ہیں، ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ وہ اس بارے میں کچھ تردد نہیں کرتے تھے"۔ اور پیش کش بڑی خوبصورتی سے ٹال دیتے۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات مواعظ و حکم کے بیش بہا جواہر پارے ہوتے تھے۔ ملفوظات، کرامات اور مکاتیب پر مشتمل مجموعہ فوائدِ عثمانی مرتبہ سید محمد اکبر علی شاہ دہلوی چھپ چکا ہے۔ آپ سے بے شمار افراد نے کسبِ فیض کیا اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ آپ سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا اور خلقِ خدا کو ظاہری و باطنی عام نفع پہنچا۔ آپ کے مرید مولوی حسین علی واں بھچروی (ضلع میانوالی) مؤلف بلغۃ الحیران [2] ایک روز یہ سوچتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اولیاء کرام کو بعض چیزوں کا علم ہوتا ہے یا اکثر کا، اور توجہ کے بعد حاصل ہوتا ہے یا بغیر توجہ کے؟ اس وقت آپ کسی شخص سے پشتو میں گفتگو کر رہے تھے، مولوی صاحب کے آتے ہی متوجہ ہو کر فرمایا:

"اولیاء ہمہ میدانند ولکن مامور باظہار نیستند" [1]

یہ کہہ کر پھر اسی طرح محوِ گفتگو ہو گئے۔

سید سردار علی شاہ بخاری ملتانی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"اے عزیز! اوقاتِ مستعارہ خود را کہ بدل ندارند بطاعت و عبادات

[1] محمد اکبر شاہ دہلوی، سید: مجموعہ فوائدِ عثمانی (طبع ثانی ۱۳۰۳ھ، [illegible]) ص ۹۰

[2] [illegible] حسین علی واں بھچروی صاحب دیوبندیت [illegible] بلغۃ الحیران کے بعض مقامات پر معتزلہ کے [illegible] عقیدے کی تائید کر گئے کہ اللہ تعالیٰ [illegible] (بلغۃ الحیران [illegible])

و اذکار و افکار دارند کہ سعادتِ دارین و دولتِ کونین در این است غیر ازیں ہمہ ہیچ و انجام حاجات ضروریہ لابدیہ بوسیلۂ پیرانِ کبار علیہم الرضوان و الرحمۃ ہموارہ میخواستہ باشند ان شاء اللہ تعالیٰ بہدفِ اجابت رسند۔" [3]

آپ نے کثیر التعداد مریدین کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا، خود حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعدد خلفاء ان کے وصال کے بعد آپ سے مستفیض ہوئے۔ آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا سراج الدین خلیفہ و جانشین ہوئے۔

۲۲ شعبان المعظم، ۲۷ جنوری (۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء) بروز منگل اشراق کے وقت آپ کا وصال ہوا۔ موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) میں آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ [4]

حافظ محمد حسین خاں نازاں چشتی سلیمانی رئیسِ اعظم [illegible] نے قطعۂ تاریخ وفات کہا

بست و دوم ز ماہِ شعبان مکرم بود — رفتہ بسوئے جنت کامل ہمسرِ فرشتہ
سالِ وفاتِ حضرت بہرِ طلب نازاں — عثمانِ نقشبندی کامل ولی نوشتہ [5]

۱۳ ۴ ۱۳۰

[3] محمد اکبر علی شاہ دہلوی، سید: مجموعہ فوائدِ عثمانی ص ۴۳

[4] ایضاً ص ۲۰، ۱۳۱۴ (تقریباً تمام حالات اسی سے ماخوذ ہیں)

[5] ایضاً ص ۱۴۴

مفسرِ جلیل، تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ العزیز

محسنِ ملت، محدث و مفسر مولانا مفتی محمد عمر نعیمی ابن محمد صدیق ربیع الآخر / اکتوبر ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء میں بمقام مرادآباد پیدا ہوئے۔ قرآن مجید الحاج حافظ محمد حسین سے پڑھا، فارسی اور صرف و نحو کی کتابیں مولانا نظام الدین سے پڑھیں۔ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء کو صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت جلد علوم و فنون اور حدیث شریف کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ادب عربی اور طب میں دسترس حاصل کی۔ صفر ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں سند فضیلت حاصل کی، دستار بندی کے وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولانا محمد فاخر اجملی، شاہ عبد المقتدر بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری، مولانا اعجاز حسین رامپوری وغیرہم جیسے اکابر اسلام جلوہ افروز تھے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے دستار بندی کی رسم ادا کی۔

فراغت کے بعد مرادآباد میں اہل سنت کی عظیم درسگاہ جامعہ نعیمیہ کے مدرس اور مہتمم مقرر ہوئے، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں شیخ المشائخ مولانا سید علی حسین کچھوچھوی کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے، ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے، قیامِ مرادآباد کے دوران ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں نہایت اہم ماہنامہ السواد الاعظم جاری کیا، یہ جریدہ ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک علوم اسلامیہ و سنیت کا سرگرم نقیب رہا، حالاتِ حاضرہ اور ملکی سیاست پر زبردست تنقید و تبصرہ کے علاوہ دینی نقطۂ نظر سے راہنمائی کے فرائض بھی انجام دیتا رہا۔

مفتی صاحب نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے نائب ناظم کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں، ۱۹۴۶ء میں بنارس کے تاریخی اجلاس میں تحریک پاکستان کی پرزور تائید فرمائی۔

تقسیم ملک کے بعد جب آپ نے دیکھا کہ ہندوستان میں عافیت سے رہنا مشکل ہے تو ہجرت کر کے ابتداءً شریف جانے کے ارادے سے کراچی تشریف لائے اور مستقلاً اسی

مولانا عبد العلیم میرٹھی کے اصرار پر کراچی ہی میں قیام پذیر ہو گئے، دار العلوم مخزن علوم عربیہ جاری کیا۔ اور جامع مسجد آرام باغ میں اعزازی طور پر خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ [1]

۲۳ ذیقعدہ/ ۱۷ مارچ (۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء) میں کراچی میں وفات پائی، آپ کا مزار شریف مسجد دار الصلوٰۃ ناظم آباد کراچی میں ہے، "مفتی جنت محمد عمر" (۱۳۸۵ھ) تاریخ وصال ہے۔ [2]

جناب صابر براری نے درج ذیل تاریخ وفات لکھی ہے ؎

جو کیوں نہ چشم تر ہیں بلبل اشکبار صابر — عالم سے اٹھ گیا ہے اک عالم قرینی
تھا جس کا فیض جاری دنیائے علم و دیں پر — تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے صد نعیمی
شیخ الحدیث تھے وہ اس دور حاضر کے — اسلاف ذی شرف کے مجموعۂ نعیمی
پہنچا دے ان کو یا رب دربار مصطفیٰ میں — دے بخش ان کو تیری ہر شان ہے کریمی

سالِ وصال صابر لکھو فقیر کو ملا کر
ہادیٔ اہل سنت مفتی عمر نعیمی

مولانا ضیاء القادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل تاریخ کہی ہے ؎

عالم ذی جاہ مولانا عمر — مظہر معراج علم مثل ماہ و مہر
اے ضیاء ہے آپ کا سال وصال — عالی جنت رحمۃ اللہ علیہ [3]

"تفرقۂ اقوام" اور "مسائل رمضان و عید الفطر" آپ کی یادگار ہیں۔

حضرت مولانا اطہر نعیمی خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی، مدرس دار العلوم نعیمیہ کراچی، آپ کے فرزند ارجمند ہیں اور مسلک اہل سنت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔
آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی استاذ دار العلوم نعیمیہ کراچی بہت ہی ممتاز ہیں، نہایت وسیع المطالعہ، انتہائی خوش اخلاق اور مسلک و ملت کے لیے پر درد دل رکھتے ہیں، ان کی مسلکی اور دینی خدمات نہایت وسیع اور قابل قدر ہیں۔

---

[1] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۲۱ - ۱۲۰

[2] محمد احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۸۸

[3] سوادِ اعظم لاہور

مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی قدس سرہ

وسعتِ علم اور حاضر جوابی میں ان کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی، تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کے تحفظ کے لئے تحریری اور تقریری کوششوں میں تمام عمر صرف کی وہ ایک ایسی شخصیت تھے جنہیں بالتخصیص تمام مذاہبِ باطلہ کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ ہر روز قرآن مجید کے پانچ پاروں کی تلاوت اور شب بیداری آپ کے معمولات میں سے تھے۔ دورانِ تقریر آیات قرآنیہ سے اس کثرت سے استدلال کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔

۱۹۰۲ء میں مولانا محمد امین ابن حاجی عبد الملک کے گھر قصور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا۔ علوم دینیہ مولانا صلاح الدین، مولوی محمد حسین لکھوی، مولوی عطاء اللہ لکھوی، مولوی محمد عالم سنبل (لاہور) سے پڑھے۔ امامِ اہلسنت، امام احمد رضا بریلوی کے شاگرد رشید مولانا محمد حسین (امام وخطیب پلٹن فیروز پور) کے ہاں کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے اور اس عرصہ میں مولانا کے شاگرد رشید مولانا علی محمد جماعتی علیہ الرحمۃ (قصور) کے ہاں قیام پذیر رہے (جو ان دنوں فتوّوالہ میں مقیم تھے) مولانا علی محمد جماعتی کے بیان کے مطابق مولانا اچھروی بہت محنتی تھے۔[۱]

آپ نے مدرسہ رحمانیہ دہلی میں درسِ حدیث کی تحصیل کی اور سند مولوی عبید اللہ وزیری اہلِ حدیث سے حاصل کی۔ آپ نے تمام زندگی مسلکِ احناف کی بھرپور حمایت کی۔ مولانا احمد علی سہارنپوری کے تلمیذ رشید مولانا احمد علی میرٹھی سے دوبارہ حدیث شریف کا درس لیا۔

حضرت مناظرِ اسلام نے تمام عمر تقریر اور مناظرہ میں صرف کرنے کے باوجود تصانیف کا بھی قابلِ قدر کتب کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ آپ کی مشہور اور مقبولِ عام تصانیف کے نام یہ ہیں:-

---

[۱] برروایت مولانا شاہ محمد چشتی قصوری زید مجدہ۔

۱۔ مقیاسِ حنفیت ۔۔۔ ۴۔ مقیاس المناظرہ

۲۔ مقیاس النور ۔۔۔ ۵۔ مقیاس الخلافۃ

۳۔ مقیاس الصلوٰۃ ۔۔۔ ۶۔ مقیاس النبوۃ ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے[۱] اور ان سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔

۲ ذوالقعدۃ المبارکہ، ۲۱ دسمبر (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کو آپ دارِ جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد دامت برکاتہم العالیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آپ کے صاحبزادوں میں سے مولانا محمد عبد الوہاب مدظلہ ان دنوں انگلینڈ میں تبلیغِ اسلام کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا عبد التواب مدیر مجلہ مقیاس پریس کی نگرانی کے علاوہ تقریر و مناظرہ کی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ دنوں مشہور شیعہ مناظر مولوی اسمٰعیل سے گنگ شریف میں کامیاب مناظرہ کیا اور مدِ مقابل کو شکست دے کر والد ماجد کی یاد تازہ کر دی۔ مولانا سلطان باہو زید مجدہ اور مولانا فقیر اللہ بھی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی نے قطعۂ تاریخِ وفات لکھا ؎

جناب مولوی فخرِ زمانہ ۔۔۔ محمد آں عمر مردِ یگانہ
بعلمِ دین عالی دستگاہے ۔۔۔ بشرع و فقر بس والا نگاہے
مناظر اہلِ حق بودہ بانصاف ۔۔۔ معینِ ملتِ بیضائے احناف
برائے اہلِ بدعت تیغِ قاطع ۔۔۔ خلافِ گمرہاں برہانِ ساطع
باعدائے نبی شمشیرِ براں ۔۔۔ بمیدانِ غزا چوں شیرِ غراں
گریزاں رافضی وہم وہابی ۔۔۔ ہم از وے قادیانی را خرابی

---

[۱] خطبہ علی مرمل ... سوانح الفقیہ ص ۹ ۱۲

ندائے ارجعی الیٰ شنیدہ　　سوئے فردوس شد روحش پریدہ
شرافت سالِ وصلش جست از جاں
ندا آمد بگو "مغفورِ دیّاں!"

۱۳۹۱ھ

دیگر

زہے مولوی محمد عمر　　کہ در دینِ حق بود مثلِ قمر
ز رحلیلِ وے چوں شرافت بجست　　ندا گشت "حافظ محمد عمر"

۱۳۹۱ھ

رئیس المحققین حضرت علامہ مولانا محمد غازی قدس سرہٗ

آپ کا پایہ علمی بہت بلند ہے، اپنے دور کے اکابر فضلاء میں سے تھے۔ لنڈہ اکیباپور میں پیدا ہوئے۔ علامہ محمد غازی صاحب استاذ زمن مولانا احمد حسن کانپوری کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے، ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور مدرسہ صولتیہ میں آٹھ سال تک درس دیتے رہے۔ حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مولانا علامہ محمد غازی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے علوم و معارف سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کے ساتھ ہی گولڑہ شریف چلے آئے اور تمام عمر آستانہ عالیہ پر بسر کی اور مسلک اہل سنت و جماعت کے تحفظ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ افسوس کہ آپ کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء کو دار آخرت کا سفر کیا اور گولڑہ شریف کی مسجد کے شمالی جانب حضور اعلیٰ گولڑوی کے والد ماجد حضرت خواجہ سید نذر الدین قدس سرہ کے مزار کے پہلو میں دفن ہوئے [1]

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب سیف چشتیائی میں مسیلمہ کذاب، مرزائے قادیانی وغیرہ کی صف میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کو بھی شمار کیا ہے۔ آپ کے وصال کے بعد وہابیوں نے مطالبہ کیا کہ نجدی کا نام اس فہرست سے حذف کر دیا جائے۔ حضرت مولانا محمد غازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ایک طویل حاشیہ میں نجدی کے عقائد و مظالم بیان کر کے فرمایا کہ ان حالات میں ہم نجدی کا نام حذف کرنے سے معذور ہیں۔

---

[1] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ　ص ۹۸ ۔ ۹۹

عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ العزیز

ولیِ کامل، مرشدِ برحق حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی (پنجابی) رحمۃ اللہ تعالےٰ کا شجرہ نسب سلاطین ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے۔ آپ کے جدِ امجد عہدِ عالمگیر (رحمۃ اللہ تعالےٰ) میں وارد ہندوستان ہوئے۔ آپ کے جدِ امجد اور والدِ گرامی کا معمول تھا کہ پنجاب سے سامانِ تجارت لے کر کشمیر جاتے اور راستے میں پہاڑی علاقوں میں تبلیغِ دین کا فریضہ ادا کرتے رہتے۔ حضرت خواجہ صاحب کے والدِ ماجد بچپن میں ہی داغِ مفارقت دے گئے، ہوش سنبھالنے پر والدہ ماجدہ نے تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا اور علومِ دینیہ کی تحصیل کے لیے ہندوستان بھیجا جہاں آپ نے اس دور کے مشہور فضلاء سے استفادہ کیا اور تقریباً ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں تکمیلِ علوم کے بعد واپس تشریف لائے اور راولپنڈی کے قریب موضع جگیوٹ میں دینی مدرسہ قائم کر کے تشنگانِ علومِ دینیہ کو سیراب کرنے لگے اس کے باوجود آپ کو کسی مردِ کامل کی تلاش بے چین کیے رکھتی تھی جس سے مزارِ معرفت اور فیوض و برکات کا استفادہ کیا جاتا۔

علاقہ مری کی جنوبی جانب سنی قوم آباد تھی، ان میں ایک دفعہ سنی شیعہ بنیاد پر نزاع پیدا ہو گیا اور نوبت خونریزی تک جا پہنچی، فریقین کے اہلِ دانش نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی مشہور عالمِ دین کو بلا کر تصفیہ کرایا جائے اور ان کے فیصلے کو دونوں فریق تسلیم کریں، نگاہِ انتخاب حضرت خواجہ موہڑوی قدس سرہ پر پڑی، آپ نے فریقین کے بیانات سن کر اہلِ سنت کے حق میں فیصلہ دیا، فریقِ مخالف نے سازش کے تحت آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا جسے کھا کر آپ بیہوش ہو گئے اور ایک رات دن تک یہی کیفیت رہی اسی حالت میں آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین کیاں شریف (کشمیر) کے دربارِ عالیہ کا نقشہ دکھا کر حاضری کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ ہوش میں آنے کے بعد دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے کیاں شریف پہنچ گئے اور مرجعِ عام حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالےٰ کے دستِ مقدس پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ آپ کا سلسلۂ طریقت بارہ واسطوں سے حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔

مرشدِ کامل نے بیعت کے بعد خلافت سے نوازا اور موہڑہ شریف ایسے گمنام اور دشوار گزار پہاڑی علاقہ میں قیام کا حکم دیا، حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ نے شیخ کے ارشاد کی تعمیل اس طرح کی کہ ستر سال کا طویل دور اسی جگہ عبادت و ریاضت اور خلقِ خدا کی رہنمائی میں بسر کیا اور سال میں ایک دفعہ مرشد کی خدمت میں حاضری دینے کے علاوہ کسی طرف رخ نہ کیا۔ دورافتادہ مقام میں قیام کے باوجود ہزاروں افراد آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور مقصدِ دلی حاصل کر کے واپس ہوتے، سینکڑوں راہِ طریقت کے سالک رتبۂ کمال کو پہنچے، خلعتِ خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر پاک و ہند کے مختلف مقامات پر تبلیغِ دین اور رشد و ہدایت کے کام پر مامور ہوئے۔ آج بھی لاکھوں افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔

آپ کے اخلاق و عادات سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مظہر تھے، سینکڑوں ہندو اور سکھ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور بے شمار فسق و فجور میں مبتلا افراد آپ کے فیضِ صحبت سے تقویٰ و پرہیزگاری کے پیکر بن گئے۔

آپ ہر وقت یہاں تک کہ رات کو بھی جبہ زیبِ تن رکھتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

"جس طرح ایک ملازم باوردی ڈیوٹی پر حاضر ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرا ہر لمحہ یادِ خدا اور مخلوقِ خدا کی ہدایت میں باوردی لکھا جائے۔"

تقریباً ایک سو بیس سال کی عمر میں ۱۳ ذیقعدہ، ۲۱ نومبر (۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) بروز جمعۃ المبارک عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ کا وصال ہوا، آپ کا مزارِ اقدس موہڑہ شریف تحصیل مری (ضلع راولپنڈی) میں مرجعِ خلائق ہے۔ آپ نے اپنی حیاتِ ظاہری میں اپنے فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ پیر نظیر احمد قدس سرہ (م ۲۹ محرم، ۱۰ جولائی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء) (بڑہ، تحصیل) خلیفۂ حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ (کیاں شریف) کو جانشین بنا دیا تھا اور وصال کے وقت

وصیت فرمائی تھی کہ جو امانت میں نے آپ کو دی ہے اس کی حفاظت کرنا، امیر اور غریب دونوں آپ کے پاس آئیں گے، اگر غریبوں کو باہر نکال دیا اور امیروں کو ترجیح دی تو میرا دل دُکھے گا، دونوں سے برابر سلوک کرنا۔

ان دنوں حضرت الحاج خواجہ پیر بادون ارشید مدظلہ موہڑہ شریف میں عوام و خواص کو فیض و برکت سے مستفید فرما رہے ہیں۔[1]

---

[1] محمد عبد الغنی مجددی، سوانا : ماہنامہ سبیل، جولائی ۱۹۷۳ء
ایضاً ، اگست ۱۹۷۳ء

مبلغِ سنیت عارفِ حقانی مولانا پیر سید محمد معصوم شاہ قدس سرہ العزیز
(بانی نوری کتب خانہ دربار حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ لاہور)

مولانا سید محمد معصوم شاہ ابن حضرت فضل شاہ، سجادہ نشین ہجکہ سادہ شریف، ضلع گجرات، تقریباً ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم حضرت مولانا امام دین رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی، بعدہ لاہور میں حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہو کر حضرت بابا فضل نور قادری نوشاہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے، حضور داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کو خاص عقیدت تھی، آپ نے اپنی زندگی کے اکثر اوقات مزار حضرت داتا صاحب پر گزارے، آخر ۱۹۵۵ء میں حضرت کے قریب مستقل سکونت اختیار کر لی، حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کی ہمراہ حضرت داتا گنج بخش کے دربار میں حاضری کے لئے آتے تو حضرت پیر صاحب سے ضرور ملاقات کرتے اور سنی رضوی کتب خانہ کے لئے بہت سی کتابیں خرید کر لے جاتے۔

آپ کا عظیم الشان کارنامہ نوری کتب خانہ کا قیام ہے، اس کے اہتمام سے اعلیٰحضرت مجدد ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی اکثر کتابیں شائع کی گئی تھیں اور دیگر علماء سے اہلِ سنت کی نایاب کتب کو حیاتِ نو بخشی، آپ ہی کے مشورے پر حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہ نے قرآن مجید کا حاشیہ نور العرفان تحریر کیا جو امام احمد رضا بریلوی کے ترجمہ کے ساتھ متعدد بار شائع ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے مرآۃ شرح مشکوٰۃ بھی آپ ہی کے کہنے پر لکھی اور آپ ہی کی کوششوں سے شائع ہوئی، نیز امیر معاویہ پر ایک نظر حضرت مفتی صاحب سے اس غرض سے لکھوائی کہ بعض لوگوں میں، خاص طور پر بعض سادات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بغض پایا جاتا ہے وہ رفع ہو جائے۔

آپ نہایت متدین بزرگ تھے، تبلیغ دین زندگی کا نصب العین تھا، مسلک اہلِ حق اہلِ سنت و جماعت کی نصرت و حمایت اور ترویج کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، آپ نے

اپنی زندگی میں تقریباً بیس مساجد تعمیر کرائیں جن میں لاہور کی حسین و جمیل نمونۂ مسجد نبوی جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور آپ کی بے مثال یادگار ہے اور آپ کے عشقِ رسول کی شہادت دے رہی ہے۔ اس مسجد میں ایک مدرسہ اور ایک فری شفاخانہ نوری قائم ہے۔ مرکزی مجلس رضا لاہور اسی مبارک و نورانی مسجد میں یوم رضا مناتی ہے اور مجلس رضا کا دفتر بھی اسی مسجد میں قائم ہے۔

آپ نے مختلف خانقاہوں میں رسومِ بدعات کا قلع قمع کیا اور ان مقامات پر درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے مراکز قائم کئے۔ بہت سے سنّی مدارس قائم کئے اور متعدد مدارس کی مالی امداد و اعانت فرمائی۔ اسی جذبۂ تبلیغ و اشاعتِ دین کے تحت متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ اپنے وقت کے عظیم شیخِ طریقت تھے۔ پورے پاکستان میں آپ کے مریدین کا وسیع حلقہ ہے۔

۲۹ شوال، ۱۰ جنوری (۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء) بروز شنبہ بوقتِ عشاء آپ نے رحلت فرمائی اور اپنے پیرِ طریقت کے پہلو میں چک سادہ میں محوِ خوابِ ابدی ہوئے۔ حضرت کے ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے یادگار ہیں۔ بڑے صاحبزادے سید محمد حسین شاہ سجادہ نشین ہیں اور چھوٹے صاحبزادے سید محمد حسن شاہ لاہور میں نوری بک ڈپو کے ذریعے خدمتِ مسلک انجام دے رہے ہیں۔[1]

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا : تذکرہ علمائے اہل سنت (مطبوعہ مظفر پور، بہار ۱۹۹۱ء) ص ۲۴۲-۲۴۳

مبلغِ اسلام حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی قدس سرہٗ

حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی ابن حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی قدس سرہما ۱۴ ذیقعدہ، ۱۰ جنوری (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء) کو ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں پیدا ہوئے۔[1] آپ کا سلسلۂ نسب امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ سے ملتا ہے۔ کتب فارسی والد ماجد سے پڑھنے کے بعد حافظ قاری احمد صاحب خیری سے قرآن کریم حفظ کیا۔ ختمِ قرآن کے موقع پر عظیم الشان محفل منعقد ہوئی۔ ایک شاعر نے مادۂ تاریخ "حافظ ہاشم" (۱۳۳۵ھ) سے نکالا۔[2] عربی کی تعلیم کا آغاز والد ماجد سے کیا۔ ان کے علاوہ مولانا غلام محمد نظامانی اور مولانا شفیع محمد سوگاروی سے بھی استفادہ کیا۔ شرح وقایہ تک پڑھنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے اجمیر شریف مولانا معین الدین اجمیری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ علوم کیا۔ اسی اثنا میں ٹونک میں حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی (تلمیذ مولانا عبد الحق خیرآبادی) اور فرنگی محل میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا۔ غرض گیارہ سال بیرونِ سندھ رہ کر علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے۔ زیادہ تر اجمیر شریف میں مقیم رہے۔ یہیں مولانا سید امیر علوی اجمیری سے بھی شرفِ تلمذ اختیار کیا[3] اور حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین اجمیری) سے علمِ طب میں استفادہ کر کے کمال حاصل کیا۔[4]

حضرت مولانا پیر ہاشم جان سرہندی صورت و سیرت اور علم و فضل میں بے مثال شخصیت

---

[1] احمد میاں برکاتی : حضرت پیر ہاشم جان سرہندی سے ایک ملاقات (ترجمان اہل سنت، کراچی، اگست ۱۹۷۴ء) ص ۳۳

نوٹ: حضرت خواجہ عبد اللہ جان سرہندی شاہ آغا اور دیگر نے پیر ہاشم جان کی آپ کا سالِ ولادت ۱۳۲۴ھ لکھا ہے (دیکھئے مونس المخلصین ص ۲۳۴)

[2] عبد اللہ جان، شاہ آغا مولانا : مونس المخلصین ص ۲۳۳-۲۳۴

[3] احمد میاں برکاتی : ترجمان اہل سنت، اگست ۱۹۷۴ء ص ۳۴-۳۵

[4] عبد اللہ جان، شاہ آغا مولانا : مونس المخلصین ص ۲۳۴

مشفقی مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ (سندھ) رقمطراز ہیں:

"خوبصورت و خوب سیرت، آپ کو دیکھ کر بے ساختہ قرآن پاک کی آیت یاد آتی ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین ——— لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی تفسیر مشاہدہ کرنی ہو تو آپ کی زیارت کر لیجئے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا کے ممدوح متبحر عالم، باکمال مقرر اور ماہر طبیب ہیں ان کی تقاریر سے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، سندھ کا باشندہ ہوتے ہوئے اردو اتنی صاف اور رواں بولتے ہیں کہ اہل زبان کا گمان ہوتا ہے۔" [1]

دینی اور ملی تحریکوں سے آپ کو ابتدا ہی سے شغف رہا ہے، زمانۂ طالب علمی میں الہیر شریف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں درج تھا کہ فوج اور پولیس کی ملازمت حرام ہے، یہ اشتہار چسپاں کرنے کے جرم میں آپ کے چند ساتھی گرفتار ہوئے، آپ بھی مطلوب قرار دئے گئے لیکن آپ کے واپس سندھ آجانے پر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ [2]

تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کے والد ماجد مولانا محمد حسن جان سرہندی قدس سرہ نے اپنے مریدین و متعلقین کو خطوط لکھے، ذاتی طور پر تلقین کی کہ ہر صورت میں مسلم لیگ کی حمایت اور اعانت کی جائے۔ آپ بھی ان کے ہمراہ کام کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب مجاہدین کشمیر نے آزادی کشمیر کے لئے جہاد شروع کیا تو آپ نے مریدین کو جہاد میں شریک ہونے پر تیار کیا، ہزاروں مریدین جمع ہو گئے لیکن حکومت پاکستان کی طرف سے اجازت نہ مل سکی۔

لواری شریف (سندھ) میں عرس کے موقع پر بعض لوگوں نے مشہور کر دیا کہ وہاں کے سجادہ نشین جناب احمد زمان نے لواری شریف میں حج کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اس فتنہ کے انسداد کے لئے مولانا پیر ہاشم جان سرہندی نے سب سے پہلے مضامین لکھے جو

---

[1] محمد مسعود احمد پروفیسر: تذکرہ مظہر مسعود (مدینہ پبلشنگ کمپنی) ص ۳ - ۴۴۲

[2] احمد میاں برکاتی: ترجمان اہل سنت کراچی اگست ۱۹۷۴ء ص ۴۶

سندھ کے اخبارات میں شائع ہوئے اور بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئے، انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس فتنے پر ہمیشہ کیلئے پابندی عائد کر دی جائے [1]

حضرت پیر ہاشم جان سرہندی کے دل میں ملک پاکستان کی سالمیت، اسلام اور مسلمانوں کا بے پناہ درد تھا۔ وہ دشمنان اسلام کے خلاف شمشیر بے نیام تھے جی ایم سید ابتداءً حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے، جب ان کے خیالات تبدیل ہو گئے تو ان سے تعلقات ختم کر لئے۔ ایک دفعہ پیر ہاشم جان سرہندی مدینہ طیبہ میں روضۂ اقدس کے سامنے تلاوت کر رہے تھے کہ سید عبدالہادی اور جی ایم سید آپ سے ملنے آگئے۔ آپ نے جی ایم سید کے ساتھ مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا "خدا اور رسول کے خلاف عملوں کی وجہ سے تم سے مجھے نفرت ہے" یہ کہکر قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی، بعد ازاں اسے پیغام بھیجا کہ آپ سے مجھے ذاتی طور پر کوئی مخاصمت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ آپ نے اپنی تحریروں سے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنی ان کارگزاریوں سے تائب ہوں اور مجھے تائب ہونے کی چند سطور لکھ کر دیں تاکہ میں یہیں سے سندھ کے اخبارات کو آپ کے تائب ہونے کی خبر بھیج دوں؛ پھر میں آپ سے خود ملنے کے لئے آجاؤں گا۔ اس کے جواب میں جی ایم سید نے کہا کہ میں پہلے ہی تائب ہو چکا ہوں [2]

آپ سے پوچھا گیا کہ اس وقت پاکستان مختلف قسم کے فتنوں میں گھرا ہوا ہے، آپ کے نزدیک ان میں بڑا فتنہ کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہاں لادینیت سب سے بڑا فتنہ ہے، اس کے پرورش کرنے والے شیخ ایاز اور جی ایم سید ہیں، ان لوگوں نے اصول دین پر رکیک حملے کئے ہیں، یہ قادیانیت سے زیادہ خطرناک ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ

---

[1] محمد موسیٰ بھٹو، حافظ: سندھ کے عظیم پیر ہاشم جان سرہندی سے خصوصی ملاقات (ہفت روزہ اداکار لاہور ۲۰ تا ۲۶ جولائی ۱۹۷۵ء) ص ۲۵۔

[2] ایضاً، ص ۲۵۔

ہم مسلمان نہیں، سندھی ہیں اور نئی پود کو سندھی کی بنیاد پر منظم کر رہے ہیں، جو بہت ہی خطرناک ہے۔ [1]

جون، جولائی ۱۹۷۲ء میں جب کراچی اور سندھ میں بعض شرپسند عناصر نے لسانی ہنگامہ کھڑا کر کے مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کر دیا تو مولانا پیر ہاشم جان نے اپنے تمام ذرائع اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے صرف کر دیئے، سندھی اور اردو میں لٹریچر شائع کیا؛ اس سلسلے میں پیر الٰہی بخش سابق وزیر اعلیٰ سندھ ان کے معین و مددگار تھے۔

علماء اہل سنت میں سے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی، حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، فقیہ اعظم مولانا محمد شریف (کوٹلی لوہاراں)، حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابو البرکات مدظلہ العالی سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ حضرت محدث اعظم کچھوچھوی کی تقریر سے بہت متاثر تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بارے میں فرمایا:

"فاضل بریلوی (قدس سرہ) نے عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ اس دور کے عظیم علماء میں شامل ہیں، اگر فاضل بریلوی اپنے دور کے ان فتنوں کا سدِ باب نہ کرتے اور ان لوگوں کا شدید مقابلہ نہ کرتے تو نہ معلوم آج وہ طوفان کہاں پہنچتا؟" [2]

موسم گرما میں آپ کوئٹہ تشریف لے جاتے تھے، پندرہ سولہ سال تک وہاں قرآن پاک کا درس دیا جس میں بڑے بڑے فوجی افسر بھی شریک ہوتے تھے۔

آپ تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کی مصروفیات کی بنا پر تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے تاہم بعض تراجم آپ سے یادگار ہیں:۔

۱۔ ابن سید الناس کی تصنیف "قرۃ العیون فی سیرۃ الامین المامون" کا سندھی ترجمہ (غیر مطبوعہ)

[1] احمد میاں برکاتی: ترجمان اہل سنت کراچی، اگست ۱۹۷۰ء، ص ۳۰

[2] ایضاً، ص ۳۵-۳۶

۲۔ مخدوم محمد ہاشم کی تصنیف "فرائض الاسلام" کا ترجمہ۔

۳۔ والد ماجد مولانا محمد حسن جان سرہندی کی تصنیف "طریق النجاۃ" کا اردو ترجمہ۔

ان کے علاوہ والد ماجد کی متعدد دیگر تصانیف کا ترجمہ۔

حضرت مولانا پیر ہاشم جان رحمہ اللہ تعالیٰ علماء سندھ اور ان کی تصانیف کے بارے میں وسیع معلومات رکھتے تھے خصوصاً مشائخ خاندان مجددیہ کے حالات کے حافظ تھے۔ آپ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ انہیں کتابوں سے والہانہ شغف تھا، دور دور سے کتابیں منگواتے، نادر قلمی کتابوں کی مائیکرو فلم یا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے محفوظ کر لیتے۔ کراچی کے علماء میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے، اپنے خیر آبادی اساتذہ کا بڑی محبت سے ذکر کیا کرتے تھے۔ [1]

۲۲ رمضان المبارک، ۲۸ ستمبر (۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) کو حضرت پیر ہاشم جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئٹہ میں وصال ہوا۔ آپ کی آخری آرام گاہ ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہے۔

---

[1] مکتوب پروفیسر محمد ایوب قادری بنام راقم السطور، مؤرخہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۶ء

[2] محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان، ص ۲۲۹

خطیبِ سحر بیان حضرت مولانا محمد یار قدس سرہ (گڑھی شریف)

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد یار متخلص بہ عبد النبی المختار ابن مولانا عبد الکریم رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔ مولانا رحمت اللہ، مولانا محمد حیات اور مولانا تاج محمود سے علوم دینیہ کی تحصیل کی اور ۱۹ سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کر لی۔ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ (چاچڑاں شریف ضلع ڈیرہ غازیخاں) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد بخش المعروف بہ نازک کریم کی خدمت میں رہ کر دس سال تک کسبِ فیض کیا اور ان کے مدرسے میں درس دیا، ان کے وصال کے بعد ایک زمانہ تک ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں رہے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ پھر اپنے وطن گڑھی اختیار خاں چلے گئے اور علوم و معارف کے دریا بہا دیے، ۱۳۴۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔[1]

مولانا کی تقریر حد درجہ دلکش اور پر سوز ہوا کرتی تھی، مسائلِ تصوف کو کمال خوبی سے بیان کرنا آپ پر ختم تھا چونکہ صاحبِ حال تھے اس لئے ان کی گفتگو بے حد مؤثر ہوتی تھی اور سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ خانپور میں تقریر کے لئے تشریف فرما ہوئے اور آغازِ تقریر میں فرمایا کہ مخالفین ہمارے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صرف اچھی آواز کے ساتھ وعظ کہنا جانتے ہیں اور کسی چیز سے انہیں سروکار نہیں، آج میں خاموش تقریر کروں گا، مخالفین میں سے کسی میں سکت ہے تو ایسی تقریر کر دکھائے پھر حاضرین سے فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو، چند مرتبہ ذکر کرنے کے بعد آپ خاموش ہو گئے، پوری محفل پر سناٹا چھا گیا، تمام حاضرین تین گھنٹے تک چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رہے، وقت گزرنے کا کسی کو احساس تک نہ ہو سکا۔[2]

[1] غلام مہر علی، مولانا: انوار قیمت المرید، ص ۱۴۷
[2] بروایت مولانا مختار احمد نبیرہ، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ خانپور

مثنوی مولانا روم کے تو گویا حافظ تھے، خود بھی شعر کہتے تھے، آپ کا کلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے شیخ کی عقیدت و محبت میں ڈوبا ہوا ہے، اور دیوانِ محمدی کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ آپ بلبل اور محمد تخلص کرتے تھے۔

۱۲ رجب، مئی (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) پیر کی رات کو لاہور میں آپ کا وصال ہوا اور حضرت میاں میر رحمہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ میں دیوار کے ساتھ بیرونی جانب دفن ہوئے۔ چھ ماہ بعد آپ کا تابوت گڑھی اختیار خاں منتقل کیا گیا جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے، ہر سال عوام و خواص سے آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں آپ کے ہزاروں مریدین شرکت کرتے ہیں، آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ غلام نازک بلند پایہ فاضل اور سجادہ نشین ہیں۔

---

[1] غلام مہر علی، مولانا: انوار قیمت المرید، ص ۱۴۷

حضرت مولانا الحاج محمد یوسف نوشاہی قدس سرہ

مولانا بابو محمد یوسف ابن حافظ کرم الٰہی ۴ / ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں موضع مردانہ ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد میں سے جگجیت سنگھ کھوکھر راجپوت، کنجاہ ٹرہ کے حاکم تھے۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کا نام نواب محمد رحمت اللہ رکھا گیا۔ مولانا محمد یوسف سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد جب علوم دینیہ سے بہرہ ور ہوئے تو ازراہ انکسار آیۂ مبارکہ " وکلبہم باسط ذراعیہ بالوصید " (۱۳۰۴ھ) سے اپنی تاریخ ولادت نکالی۔

سلسلۂ عالیہ قادریہ نوشاہیہ میں حضرت مولانا محمد اعظم نوشاہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت ہوئے اور مجاز ہوئے۔ اپنے سلسلے کے اوراد و وظائف پابندی سے ادا کرتے اور ہر ماہ ختم گیارہویں شریف کا اہتمام کرتے۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ چونکہ ابجد کے حساب سے " بابو " کے عدد گیارہ ہیں اس لئے انہوں نے یہ لفظ اپنے نام کا جزو بنا لیا تھا۔ حصولِ معاش کے لئے پوسٹل کلرک کے فرائض انجام دیتے رہے۔

ایک مرتبہ انہوں نے ذہنی طور پر حضرت حافظ شیرازی کو مخاطب کرتے ہوئے دیوانِ حافظ سے فال نکالی کہ آپ کا زمانہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مؤخر ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے ان کی توصیف میں کچھ نہیں کہا؟ چنانچہ یہ شعر نکلا ؎

حافظ از معتقدانست، گرامی دارش

زانکہ بخشائش بس روح مکرم با اوست

" حافظ معتقدین میں سے ہے اس کی عزت کرو کیونکہ بہت سی مکرم روحوں کی عنایت اس کے شاملِ حال ہے۔"

مولانا محمد یوسف نوشاہی دو مرتبہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اسی دوران اور بغداد شریف، کربلا معلیٰ اور نجف اشرف گئے اور بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہو کر استفاضہ

کیا تھا۔

آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ تجلی بغداد۔
۲۔ حسناتِ اعظم عرف برکاتِ بابو دوم۔
۳۔ بارہویں نامہ۔
۴۔ گیارہویں نامہ۔
۵۔ فیضانِ اعظم ترجمہ منظوم قصیدۂ امام اعظم۔
۶۔ احسانِ اعظم۔
۷۔ عرفانِ اعظم۔
۸۔ ذکر الصالحین۔
۹۔ ترجمہ قصیدہ غوثیہ مع چہل کاف۔
۱۰۔ حلیہ شریف۔
۱۱۔ مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

۲ صفر، یکم مارچ (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء) ۵۶ سال کی عمر میں مولانا بابو محمد یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا۔ مزار شریف موضع مردانہ تحصیل فیروزوالا ضلع شیخوپورہ میں ہے۔ مادۂ تاریخ وفات یہ ہے:

"مغفور آداب آگاہ"

مولانا حکیم نذیر حسین آپ کے سجادہ نشین ہیں۔[1]

---

[1] شریف احمد شرافت نوشاہی، مولانا: شریف التواریخ (قلمی)

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش درانی ابن مرید احمد خاں ۱۱ ابتدائے محرم ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد میں سے جناب گل محمد (جن کا تعلق افغان قوم کے قبیلہ محمد زئی درانی سے تھا) ۱۸۰۰ء میں افغانستان سے ہجرت کر کے قریہ بسدم مضافات جالندھر میں تشریف لے آئے تھے۔ جناب گل محمد کی صاحب علم و فضل اولاد نے ترویج علوم میں کارہائے نمایاں انجام دیئے [1]

مولانا میکش نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، بعد ازاں جالندھر کے سکول میں پڑھتے رہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور کے کالج میں داخلہ لیا اور دو سال تک مصروف تحصیل رہے۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک آزادی کی خاطر کالج کو خیرباد کہہ کر کابل چلے گئے اور ایک سال بعد واپس لاہور آگئے اور ۱۹۲۲ء سے ۱۹۵۵ء تک مختلف روزناموں میں ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا، علمی، ادبی اور آزادی کی تحریکوں میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، ہفت روزہ افغانستان (جو فارسی میں شائع ہوتا تھا) میں انگریزی استعمار کے خلاف مقالات لکھنے کی بنا پر ۱۹۳۱ء میں ایک سال تک جیل میں رہے لیکن جیل سے واپس آنے پر بھی ان کی ادبی و سیاسی دلچسپی میں کوئی فرق نہ آیا۔ مولانا میکش نے لاہور سے نکلنے والے روزناموں مثلاً زمیندار، احسان، شہباز، مغربی پاکستان اور نوائے پاکستان میں رئیس التحریر کی حیثیت سے کام کیا، انہوں نے صحافتی فرائض انجام دینے کے ضمن میں تین تین ماہ سنگاپور، ملایا اور برما کا سفر کیا [2]

مولانا میکش اپنے دور کے نامور اور بیباک صحافی تھے، شیخ اسماعیل پانی پتی [illegible]
لکھتے ہیں:۔

[1] [illegible] اردو دائرہ معارف اسلامیہ [illegible] مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان : ص ۳۱۱
[2] [illegible] ۱۹۷۱ء ص ۴۴

"اپنے زمانے میں لاہور کی صحافت میں ان کا طوطی بولتا تھا۔" [1]

آپ نے زندگی کے آخری ایام بڑی عسرت میں گزارے مگر عزم و استقلال میں فرق نہ آیا۔ حضرت حافظ مظہر الدین مدظلہ فرماتے ہیں:۔

"مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک دن میں اپنی زندگی کی ناہمواریوں سے تنگ آکر پریشان بیٹھا تھا کہ خضر آئے اور مجھے تسکین دے کر چلے گئے" [2]

مولانا میکش مایہ ناز صحافی، بلند پایہ ادیب، ملت اسلامیہ کے بے باک ترجمان اور تحریک آزادی کے سرگرم رکن تھے، جمعیۃ العلماء پاکستان کے مشیر قانونی اور قائد تحریک ختم نبوت مولانا ابوالحسنات قادری کے رفیق خاص تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جب بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا ابوالحسنات خاص طور پر آپ کو اپنے ساتھ لے گئے، وہاں مولانا میکش خصوصی اجلاس میں شریک ہوئے اور متعدد قرار دادیں پیش کیں جو اتفاق رائے سے منظور کی گئیں [3]

مولانا میکش قادر الکلام شاعر تھے، مادری زبان فارسی ہونے کی وجہ سے آپکا اکثر کلام فارسی میں ہے، آپ نے متعدد کتابیں بھی لکھیں جن میں سے مندرجہ ذیل طبع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ الہامی افسانے
۲۔ البرز شکن گرز عرف مرزائی نامہ
۳۔ اخراج اسلام از ہند
۴۔ تقدیر و تدبیر
۵۔ تاریخ اقوام عالم (دو جلد)
۶۔ تاریخ اسلام (چار جلد)
۷۔ اسلام اور معاشی اصلاحات
۸۔ دو دل (مجموعہ کلام اردو) مجموعہ کلام فارسی زیر طبع ہے [4]

تقویۃ القلوب حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہ نے آپ ہی کے سوالات پر قلمبند فرمائی تھی۔

۲۷ جولائی (۹۔ ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) کو مست شراب الست ہو کر راہی دار آخرت ہوئے [5]

[1] نقوش، لاہور نمبر : ص ۹۲۹
[2] نوائے وقت، لاہور : ۲۳ اپریل ۱۹۷۵ء
[3] بروایت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ، سرپرست مرکزی مجلس رضا، لاہور
[4] سید حسن رضوی، ڈاکٹر : ماہنامہ [illegible]، کراچی : جون ۱۹۷۱ء : ص ۴۴
[5] نقوش، لاہور نمبر : ص ۹۲۹

استاذ العلماء مولانا مفتی سید مسعود علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری بن حافظ سید احمد علی ابن سید قاسم علی ابن سید ہاشم علی (رحمہم اللہ تعالیٰ) ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں علی گڑھ کی ایک ریاست بوڑھا گاؤں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ماہرہ ضلع ایٹہ میں پائی۔ ۱۹۱۹ء میں مدرسہ لطفیہ جامع مسجد علی گڑھ میں مولانا عبدالرحمٰن سے عربی کی تعلیم شروع کی۔ ۱۹۲۱ء میں نواب ابوبکر خاں کے قائم کردہ مدرسہ عربیہ قادریہ اٹرولی ضلع علی گڑھ میں داخلہ لیا اور مولانا وجیہ الدین احمد خاں رامپوری، مولانا نعمانی اور قاری محی الدین ایسے فاضل اساتذہ سے اکتساب علم و فضل کیا۔ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۱ء مدرسہ عالیہ رامپور میں تعلیم حاصل کی، دیگر اساتذہ کے علاوہ مولانا فضل حق رامپوری اور ان کے فرزند گرامی مولانا افضال الحق رامپوری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مفتی صاحب تحصیل علوم کے زمانہ میں محنت، ذہانت، خوش اخلاقی اور خودداری میں اپنے ساتھیوں میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

۱۹۳۲ء میں حضرت علامہ مولانا وجیہ الدین کے ایما پر مدرسہ نعمانیہ دہلی میں فرائض تدریس انجام دینے شروع کئے۔ ۱۹۳۴ء میں مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں مسند تدریس و افتاء پر فائز ہوگئے اس کے ساتھ ساتھ مدرسہ کا انتظام بھی آپ کے سپرد تھا۔ ۱۹۴۱ء میں مدرسہ عربیہ قادریہ بدایوں تشریف لے گئے اور تقریباً ۱۹۵۰ء تک تدریس افتاء اور انتظام مدرسہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں تشریف لائے اور ۱۹۷۰ء تک تدریس افتاء اور نائب مہتمم کے فرائض انجام دیتے رہے، اس دوران آپ کی مساعی جمیلہ سے مدرسہ انوار العلوم نے نمایاں ترقی کی۔

۱۹۷۰ء میں آپ کے عارضہ ذیابیطس میں اضافہ ہوگیا اور ساتھ ہی عارضہ قلب بھی لاحق ہوگیا، پھر آپ کے بڑے صاحبزادے اہل سنت کے بے باک ترجمان مولانا سید سعادت علی قادری تبلیغ کے لئے سری نام جنوبی امریکہ چلے گئے ان حالات میں آپ اپنے صاحبزادے مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری کی گزارش پر مع اہل وعیال کراچی چلے آئے دارالعلوم امجدیہ میں تدریس وافتاء کا کام شروع کر دیا اور جامع مسجد قصاباں صدر میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب سلسلۂ عالیہ قادریہ میں اپنے استاذ مولانا وجیہ الدین احمد خاں کے پیر مکسن میاں بریلوی مدظلہ العالی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے لیکن آپ نے بہت کم لوگوں کو بیعت کیا۔ آپ نے تقریباً ۴۵ سال تک جملہ علوم دینیہ کا درس دیا، اس طویل عرصے میں بے شمار علماء و فضلاء نے آپ سے کسب فیض کیا۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ ابتداء ہی سے جمعیت علماء پاکستان کے ساتھ وابستہ رہے اور تمام عمر اہل سنت وجماعت کی تنظیم کے لئے سرگرم عمل رہے۔

آپ کی اولاد میں سے چار صاحبزادیاں اور پانچ صاحبزادے آپ سے یادگار ہیں صاحبزادگان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولانا سید سعادت علی قادری مدظلہ العالی۔
۲۔ مولانا سید مفتی شجاعت علی قادری مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ کراچی، کراچی و لیکچرار اسلامیات گورنمنٹ کالج کراچی۔ — ترجمان اہل سنت
۳۔ سید طارق علی ایم۔ اے (اکنامکس)، جنگ کراچی
۴۔ سید خوشنود علی قادری
۵۔ سید عتیق علی۔

مفتی صاحب کا یہ کچھ معمولی کارنامہ نہیں ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنے صاحبزادوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کیا بلکہ دنیاوی تعلیم سے بھی بہرہ ور کیا، اس وقت آپ کے صاحبزادے دین متین اور مسلک اہل سنت وجماعت کی گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں، خدا کرے کہ مفتی صاحب کا یہ صدقۂ جاریہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے۔

۵ محرم الحرام، ۹ فروری (۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) کو نماز جمعہ پڑھائی حسب معمول تقریر کی اور بعد از جمعہ کھانا تناول فرمایا، کچھ دیر بعد دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا، تقریباً پانچ بجکر بارہ منٹ پر آپ کی روح قفس عنصری سے فردوس بریں کی جانب پرواز کر گئی، انا للہ

وانا الیہ راجعون سے آپ کے وصال کی خبر سے پورے ملک کی علمی فضا پر ناقابل بیان غم و اندوہ طاری ہو گیا اور ہر شخص آپ کی وفات پر دعا گو اور حسرت کناں تھا جناب جامی مارہروی نے درج ذیل قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے [1] ؎

ہوئے رخصت جہاں سے مفتی مسعود علی سید ۔۔۔ جو تھے اک عالم دیں رہنمائے اہلسنت بھی
خدا کی حمد لب پر عشق پاک مصطفے دل میں ۔۔۔ وہی پیش نظر ہر دم شریعت بھی طریقت بھی
سینے میں عشق احمد کا [illegible] تھی ۔۔۔ سیادت بھی امامت بھی سخاوت بھی شجاعت بھی
مشیت الٰہی محرم کے مہینے میں اجل آئی ۔۔۔ کسی ملکوت کو کام آ گیا جذبہ شہادت بھی
کہا ہاتف نے جامی "زینت خلد بریں" ہیں وہ
یہی قلب خلیش سے ہو گئی تاریخ رحلت بھی [2]

---

[1] شہرت علی قادری، بدر مولانا سید ؛ ترجمان اہل سنت کراچی ، مارچ ۱۹۷۰ء ، ص ۱۸-۲۰
[2] جامی مارہروی ؛ " " ص ۳۱

مولانا مشیت اللہ قادری قدس سرہ

حضرت مولانا مشیت اللہ قادری ابن مولانا رحیم بخش قادری ابن مولانا حکیم سعید اللہ قادری ابن اشرف الحکماء مولانا حافظ حکیم عظیم اللہ قادری (رحمہم اللہ تعالیٰ) اپنے وطن مالوف آنولہ (ضلع بریلی، یوپی) میں ۷-۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خلیفہ ضیاء علی سے حاصل کی فارسی کی کتابیں اپنے والد ماجد مولوی رحیم بخش اور مولوی اسد علی سے پڑھیں عربی کتب متوسطات تک اپنے جد امجد مولانا حکیم سعید اللہ قادری سے پڑھیں پھر کچھ کتابیں مولانا سید سراج الدین شاہجہانپوری سے پڑھیں، مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی قدس سرہ سے تکمیل کی۔

ہندی منشی جوکھن لال سے سبقاً پڑھی اور بعض دیگر فنون بھی حاصل کئے فن شہسواری میں کمال رکھتے تھے، تاریخ و ادب کے ماہر تھے خاص طور پر تاریخ، دہلی لکھنؤ پر وسیع نظر رکھتے تھے (انساب و رجال کے حافظ تھے) ہندوستان کے تاریخی مقامات کو دیکھنا اور اکابر علماء سے ملنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، مولانا عبد الماجد بدایونی سے مخلصانہ تعلقات تھے۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۳ء تک بمبئی میں مقیم رہے، اس دوران آغاخانیوں کا رد بلیغ کیا پھر ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء تک دہلی میں رہے پھر ادھر ہی رہے اور پوری سرگرمی سے تبلیغ کی جس کے نتیجے میں بہت سے غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

مولانا مشیت اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریک پاکستان کے زبردست مؤید تھے ۱۹۵۰ء میں ہجرت کر کے دادو (سندھ) آ گئے اور ۲۱ ربیع الثانی، ۲۵ اکتوبر (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) بروز یکشنبہ راہی دار آخرت ہوئے۔ آپ سے تاریخ انساب اور بعض رسائل تذکرے اور وثیقے ہیں، یادگار ہیں [1] پروفیسر محمد ایوب قادری اور حافظ نعمت اللہ معروف ابو معاویہ آپ کے صاحبزادے ہیں۔ افسوس کہ ۲۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر صاحب ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے۔ گزشتہ سال ان کی کوششوں سے کراچی میں یوم رضا شاندار طریقے سے منایا گیا تھا۔ اس سال بھی وہ انہی کوششوں میں مصروف تھے کہ بلاوا آ گیا۔

---

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر ؛ قلمی یادداشت

فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد ابن مولانا مفتی محمد مظہر اللہ ابن مفتی محمد سعید ابن مفتی محمد مسعود (علیہم الرحمۃ) تقریباً ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ قاری فضل الدین مدرس مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتحپوری دہلی سے قرآن مجید حفظ کیا اور علم تجوید و قراءت حاصل کیا۔ ماہ رمضان المبارک میں مسجد فتحپوری میں سالہا سال قرآن پاک سنایا۔

علوم دینیہ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) سے حاصل کی۔ اس کے بعد تقریباً ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی میں چوتھے درجے میں داخل ہوئے اور آٹھویں درجے تک (جو درجہ تکمیل تھا) تعلیم حاصل کی۔ ۵ ذوالحجہ (۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء) کو فارغ التحصیل ہوئے اور سند حاصل کی۔ بعد ازاں علم طب کی طرف متوجہ ہوئے اور حکیم جمیل الدین (استاذ حکیم اجمل خاں) سے شرح موجز، شرح اسباب اور حمیات القانون پڑھیں اور جمادی الاخریٰ (۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) کو سند حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک حکیم محمد ظفر خاں (برادر کلاں حکیم محمد اجمل خاں) کے مطب میں عملی تجربہ کیا۔ علوم عقلیہ و نقلیہ اور طب کی تحصیل کے بعد شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے خانوادہ میں مفتی صاحب کا عقد مسنون ہوگیا۔

حضرت مفتی صاحب بزمانہ تحصیل ہی تقریباً ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء سے مسجد جامع فتحپوری دہلی میں نائب امام کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ شاہی امام تھے۔ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہوگئے تو فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی چنانچہ تقریباً ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء سے ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء تک برابر ۳۹ سال تک یہ فرائض بکمال خوبی سے انجام دیتے رہے۔

اور آپ کے فتاویٰ باقاعدگی سے جمع کئے جاتے تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہوجاتیں۔

مفتی صاحب نے علوم باطنی میں مولانا شاہ رکن الدین نوری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) خلیفہ حضرت مفتی محمد مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۱۹ھ) سے استفاضہ کیا اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء میں حضرت ضیاء معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے آغا جان علیہ الرحمۃ نے سلاسل اربعہ میں اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ آپ کے والد ماجد نے بھی اجازت و خلافت سے نوازا۔

۱۹۴۷ء تک دہلی میں امامت اور افتاء کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ مسلم لیگ میں شامل ہوکر تحریک پاکستان کے لئے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۷ء میں کراچی تشریف لے آئے۔ ابتداءً جامع مسجد آرام باغ کراچی اور جامع مسجد وظیرہ میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے بعد ازاں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور فتویٰ نویسی، تعویذ نویسی اور طبابت میں مشغول رہے۔

آپ کی تصانیف میں سے چند رسائل یہ ہیں:

۱۔ الدعاء للمجاہد والفقیر المجاہد
۲۔ الجہاد
۳۔ عقائد والمسائل
۴۔ شمشیر صداقت   وظیرہ وغیرہ

۱۹۳۶ء سے قبل "المرشد" وغیرہ رسائل میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔
آپ بڑے خوددار اور غیور تھے۔ حق گوئی اور بے باکی آپ کے مزاج کے نمایاں اوصاف تھے۔ تحریک ختم نبوت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر حاکم وقت کے آگے نہ جھکے۔ تبلیغ و اشاعت دین میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کے دست اقدس پر بے شمار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آخر عمر میں عارضۂ قلب لاحق ہوگیا۔ ۴ دسمبر، ۱۷ شوال (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کو پاک بھارت جنگ کے دوران نماز تہجد پڑھ کر مسند پر لیٹ گئے، تسبیح ہاتھ میں تھی اور

پڑھتے پڑھتے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی، مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ نے تاریخِ وفات کہی جس کا تاریخی شعر یہ ہے ؎

شرافت زسالِ وصالش بگفت
ولی ولایت بخُلدِ بریں

حضرت مفتی صاحب کے تین صاحبزادے حافظ قاری محمد ظفر احمد، حافظ محمد اظہر احمد، حکیم محمد نذیر احمد (مدظلہم العالی) اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں، ایک صاحبزادی عالمِ شباب میں انتقال کر گئیں، جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھ ضلع تھرپارکر (سندھ) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے برادرِ گرامی ہیں اور علم و ادب کی دنیا میں بلند مقام رکھتے ہیں [1]

---

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر: ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی (فروری ۱۹۷۳ء)

نوٹ: حضرت مفتی صاحب اور آپ کے خاندان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرۂ مظہرِ مسعود" مؤلفہ پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ، شائع کردہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی (مطبوعہ ۱۹۶۹ء)

۵۲۵

قدوۃ السالکین حضرت خواجہ معظم دین مرولوی قدس سرہ العزیز

شیخ المشائخ حضرت خواجہ معظم دین مرولوی قدس سرہ العزیز ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۲ء میں تحصیل بھلوال کے ایک گاؤں مرولہ میں پیدا ہوئے جسے بعد میں آپ کی فضیلت و شرافت کی نسبت سے مرولہ شریف کہا جانے لگا، ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، قرآن کریم تجویداً حفظ کیا، تیرہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رضی اللہ عنہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے پھر تحصیلِ علم کے بعد کچھ عرصہ لاہور اور زیادہ عرصہ بمبئی میں قیام کیا، وہاں سے علومِ متداولہ کی تحصیل و تکمیل کی اعلیٰ اسناد لے کر زیاراتِ مقدسہ اور سیاحتِ عالم کے لئے روانہ ہوئے۔ ترکی میں علماء سے علمی مباحث میں شریک ہوئے، ترکی کے علماء آپ کی جلالتِ علمی سے بیحد متاثر ہوئے اور حکومتِ وقت کو آپ کی طرف متوجہ کیا چنانچہ سرکاری طور پر ایک باوقار تقریب میں آپ کو حکومت کی طرف سے "شمس العلماء" کا خطاب اور اعزازی ڈگری پیش کی گئی۔

دورِ طالب علمی میں آپ سخت ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے، دن کو تحصیلِ علم میں اور رات کو یادِ خداوندی میں اس طرح مصروف رہتے کہ کئی کئی دن سوئے بغیر گزار دیتے برصغیر کی نامور اہلِ علم و عرفان ہستیوں سے ظاہری و باطنی برکات کا استفادہ کرتے رہے تکمیلِ علوم کے بعد سالہا سال تک سیر و سیاحت میں مظاہرِ قدرت کا نظارہ کرتے رہے اور علم و معرفت کے رموز سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ ایک عرصہ بعد پھر اپنے شیخ و مرشد کی بارگاہِ اقدس میں سیال شریف حاضر ہوئے، چودہ سال اور چار ماہ کے طویل عرصہ تک اس جانفشانی سے خدمت بجا لاتے رہے کہ قابلِ تقلید مثال بن گئی۔

جب آپ کا ظاہر و باطن انوارِ الٰہی سے معمور ہو گیا تو حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ العزیز نے آپ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا، رفتہ رفتہ آپ کے گرد خلقِ خدا کا ہجوم ہونے لگا، صوبۂ پنجاب اور سرحد کے تقریباً تین ہزار افراد آپ کے

حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر محبتِ الٰہی کی لازوال نعمت سے سرشار ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے حکومتِ انگریز کے ظلم و ستم اور بڑھتے ہوئے استعمار کے خلاف مسلمانوں کے دینی، سیاسی، ثقافتی اور ذہنی انحطاط کو دور کرنے کی خاطر اپنی تمام تر توجہات وقف کر دیں اور اپنے تمام امکانی وسائل صرف کر کے مسلمانوں میں حیاتِ نو کا جذبہ بیدار کیا۔

حضرت خواجہ صاحب روحِ فقر سے پوری طرح آشنا تھے۔ آپ کے نزدیک قالب کی بجائے قلب کی اصلاح و تربیت اولین حیثیت رکھتی تھی کیونکہ دل پورے جسم پر حکمرانی کرتا ہے جب دل کی صحیح طور پر اصلاح ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ظاہر اسلامی سانچے میں نہ ڈھل جائے آپ کی رائے یہ تھی کہ ہوا میں اڑنا یا پانی پر چلنا فقر نہیں ہے۔ فقر یہ ہے کہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے آراستہ ہو اور باطن علم، عقل اور عشق سے منور ہو اور دل کسی وقت بھی یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو یہی وجہ تھی کہ آپ کرامت نمائی کو پسندیدہ نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ آپ اس بات کے قائل تھے کہ فقر اس وقت تک درجۂ کمال کو نہیں پہنچتا جب تک سالک علمِ شریعت میں پوری دستگاہ نہ رکھتا ہو، شریعتِ مطہرہ کی انتہائی پابندی ہی فقر کی بنیاد ہے اس معیار پر اگر آپ کو دیکھا جائے تو آپ کے درجۂ ولایت پر فائز ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

حضرت خواجہ صاحب کی قائم کردہ خانقاہ ایک صدی سے رشد و ہدایت کا مرکز ہے آپ کے پوتے موجودہ سجادہ نشین حضرت خواجہ غلام سدید الدین مدظلہ العالی صاحبِ علم و فضل بزرگ ہیں انھوں نے خیر و برکت کی منظم اشاعت کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے ذہنی تشکک اور سماجی مسائل کو حل کرنے کے لئے متوسلینِ خانقاہ پر مشتمل ایک فلاحی و رفاہی انجمن معظمی جماعت کے نام سے قائم کر دی ہے جو حضرت خواجہ معظم دین کی علمی و روحانی میراث اور خدمتِ خلق کے سماجی مشن کو پبلک میں عام کرنے کے لئے مؤثر خدمات انجام دے رہی ہے۔

حضرت خواجہ معظم دین مرولوی قدس سرہ کے علوِ مقام کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ کے شیخ و مرشد حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ کا ارشاد پیش کر دینا ہی کافی

ہے۔ فرماتے ہیں:

"مولوی معظم دین مرولوی مردے عالی ہمت است کہ حافظِ قرآن و تحصیلِ علوم تمام نمودہ، حجِ حرمین شریفین بجا آوردہ بیادِ الٰہی مشغول است وہم حبِ زماں تا ہنوز در دلِ او نیامدہ" [1]

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۱ر جمادی الاولیٰ (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) کو ہوا آپ کا مرقدِ انور مرولہ شریف (تحصیل بھلوال) میں مرجعِ خلائق ہے [2]

---

[1] مراۃ العاشقین ، ص ۲۹

[2] مکتوبِ گرامی پروفیسر غلام نظام الدین، ریڈر، گورنمنٹ کالج بھلوال، ضلع سرگودھا، بنام راقم الحروف

شیخ طریقت حضرت مولانا حافظ سید مغفور القادری قدس سرہ

حضرت مجاہد ملت شیخ طریقت مولانا سید مغفور القادری ابن حضرت سید سردار احمد قدس سرہما (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۷ء) میں گوٹھی افضل خان ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی نے تاریخی نام "مغفور" (۱۳۲۶ھ) تجویز فرمایا، بچپن ہی میں والدہ ماجدہ داغ مفارقت دے گئیں۔

نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، ابتدائی کتابیں مولانا مفتی محمد حیات گوٹھی والے اور جامع معقول و منقول مولانا عبدالکریم ہزاروی ثم بھرچونڈوی سے پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ شمس العلوم بستی مولویاں ضلع رحیم یار خاں میں تکمیل فرمائی، حضرت سراج الفقہاء مولانا سراج احمد مکھن بیلوی قدس سرہ سے بھی مستفیض ہوئے، تقریباً بائیس برس کی عمر میں تمام علوم سے فراغت حاصل کر لی، قدوۃ شیخ العصر قطب الاقطاب حافظ محمد عبداللہ بھرچونڈوی سے بیعت ہو گئے، مرشد کامل نے اپنے بچوں کی طرح تربیت فرمائی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر بھرچونڈی شریف کے قدیمی دارالعلوم میں مسند درس و افتاء پر فائز ہوئے جہاں سے سندھ اور بیرون سندھ کے سینکڑوں طلباء مستفید ہوئے، حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈوی قدس سرہ کی معیت میں سندھ کے چپے چپے کے دورے کئے، تقریریں اور مناظرے کئے، ہزاروں مسائل کے جوابات تحریر فرمائے، حضرت مغفور القادری تحریک پاکستان سے قیام پاکستان اور پھر پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی مملکت بنانے کی ہر تحریک میں پیش پیش رہے، حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں جماعت "احیاء الاسلام" قائم کی، دو قومی نظریے کی بھرپور تائید کی اور کانگرس کا طلسم توڑ کر رکھ دیا، شکارپور سندھ سے ایک اخبار "الجماعۃ" جاری کیا اور جگہ جگہ جلسے کر کے رائے عامہ کو مسلم لیگ کے حق میں ہموار کیا۔

۱۹۴۶ء میں سندھ کے نمائندہ کی حیثیت سے ایک سو افراد کے ہمراہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کی اور کانفرنس کی خصوصی میٹنگوں میں شریک ہوئے، اسی دوران اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے، حضرت مغفور القادری سرور دو عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے پوری طرح سرشار تھے، آپ نے مسلک اہل سنت و جماعت کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اکابر فراموش بلکہ خود فراموش قوم کے ممتاز رہنما تھے۔

مولانا سحر بیان خطیب، اردو اور سرائیکی کے بلند پایہ شاعر اور اردو میں منفرد طرز تحریر کے مالک تھے، مندرجہ ذیل کتب آپ کی یادگار ہیں:۔

۱۔ عباد الرحمٰن   مشائخ بھرچونڈی شریف کا تذکرہ۔

۲۔ تنویر العینین فی تقبیل الابہامین   (غیر مطبوعہ)

۳۔ الرسول   نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و منصب کی عالمانہ تشریح۔

۴۔ کلام مغفور۔   عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی کلام،   وغیرہ وغیرہ

۵/ صفر المظفر، ۲/ اپریل ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء بروز اتوار یہ عظیم انسان کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات کا ورد کرتا ہوا آغوش رحمت میں چلا گیا، حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی قادری سجادہ نشین ساہن پال شریف (گجرات) نے قطعہ تاریخ کہا جس کا تاریخی شعر یہ ہے:

شرافت چو پرسند سال وصال   بگو "ہادی عصر مستور شد"[۱] ۱۳۹۰ھ

آپ کے فرزند ارجمند جناب سید محمد فاروق القادری زید مجدہ ایم اے سجادہ نشین گوٹھی افضل خاں ضلع رحیم یار خاں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین اور نامور اہل قلم ہیں، انفاس العارفین اور فتوح الغیب وغیرہ کتب کے شاندار تراجم ان کی بہترین صلاحیتوں کے آئینہ دار ہیں، خاص طور پر انفاس العارفین کا مقدمہ قابل مطالعہ ہے۔

---

[۱] محمد علی ، امرتسری حکیم : ذکر مغفور (مکتبہ سرو ما گلستان ادب، چوک مستی لاہور، ۱۳۹۲ھ) ص ۳-۱۰۰

رہبرِ طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول قدس سرہٗ اللطیف

رہبرِ طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول ابن حضرت خواجہ عبد الرسول للّٰہی قدس سرہما ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی خلیفہ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری اپنے دور کے مقتدر عالمِ دین اور بلند پایہ شیخِ طریقت تھے آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عبد الرسول نے آپ کو حضرت خواجہ غلام حسن (ڈھوڈیاں شریف ضلع جہلم) خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ غلام نبی رحمہما اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور فرمایا "ایسا نہ ہو کہ ہم دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ان کی تعلیم و تربیت ادھوری رہ جائے لہٰذا آپ انہیں باطنی علوم و فیوض سے نوازیں"۔ کچھ دن بعد ہی حضرت خواجہ عبد الرسول رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہو گیا حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوری توجہ سے خواجہ محمد مقبول الرسول کی تربیت فرمائی اور سلوک کا کام مہینوں میں مکمل فرما دیا۔ خواجہ صاحب اردو اور فارسی پر کامل عبور رکھتے تھے، دونوں زبانوں میں بلا تکلف تحریر و تقریر پر قادر تھے۔

حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول بڑے خلیق، ملنسار اور سادگی پسند تھے۔ علماء کی تعظیم، غرباء سے محبت اور امراء سے بے نیازی آپ کے امتیازی اوصاف تھے۔ تواضع و انکسار کے پیکر تھے متعلقین کو بھی یہی درس دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا کہ سالک کس فعل یا عمل سے جلد منزلِ مراد تک پہنچ سکتا ہے، فرمایا ؎

یکے آنکہ بر خویشتن بیں مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

کوئی عقیدت مند خوشی اور اخلاص سے تحفہ پیش کرتا تو قبول فرما لیتے ورنہ قیمت دیئے بغیر لینا پسند نہ فرماتے۔ اتباعِ سنتِ مبارکہ کی پوری سعی فرماتے اور متبعین کو بھی سنتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے۔

قیامِ پاکستان کی تحریک میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، مسلم لیگ کے نمائندوں

احباب کرانے کے لئے زبانی اور خطوط کے ذریعے رغبت دلاتے رہے، اگر کسی مرید نے انتخابات میں مخالف پارٹی کو ووٹ دیا تو اس پر سخت ناراض ہوئے، برصغیر کی تقسیم سے پہلے آپ نے میاں کامل دین کو بلایا اور فرمایا: "قائد اعظم آزادیٔ ملک کی خاطر اپنے آرام کو چھوڑ کر بڑی کوشش میں مصروف ہیں، ہمیں چاہئے کہ باطنی طور پر کوشش کریں لہٰذا تم ہر روز درود شریف، لاحول ولا قوۃ اور یاحی یا قیوم تین تین ہزار بار اور سورۂ مزمل چالیس بار پڑھ کر ان کے لئے دعا کیا کرو۔" میاں کامل دین نے ایک سال تک یہ معمول جاری رکھا، بعد ازاں آپ نے انہیں ایک خط لکھا کہ پاکستان کی بنیاد تحت الثریٰ تک چلی گئی ہے، اس خط کے ایک ماہ بعد پاکستان کا اعلان ہو گیا جس سے آپ بہت مسرور ہوئے لیکن ابھی چند ماہ ہی گزرنے پائے تھے کہ قائد اعظم کا انتقال ہو گیا، ہندوستان نے کشمیر پر بھاری حملہ کر دیا، ادھر حیدر آباد پر ہندوستان کا تسلط ہو گیا، ان تمام واقعات سے آپ بڑے مغموم و پریشان ہوئے لیکن یہ بات باعثِ اطمینان تھی کہ یہ واقعات مسلمانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہیں، چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"قائد اعظم صاحب کے انتقال سے جو مسلمانانِ پاکستان و مسلمانانِ عالم کو رنج والم ہوا وہ محتاجِ بیان نہیں، اللہ جیسے بے حس شہر میں چار چار پانچ پانچ سال کے بچوں نے بھی دو تین دن تک کچھ نہ کھایا اور دھاڑیں مار کر روئے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، دوسرے حیدر آباد کا معاملہ پیش آیا، اس سے تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی مگر بقول شخصے ؎

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما در آں باشد

ان صدموں نے جو ایک ساتھ آئے ہیں مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں، جو لوگ سستی سے کام لے رہے تھے وہ بہت چوکنے ہو گئے ہیں اور بھاری ذمہ داری محسوس کرنے لگے ہیں گویا تازیانۂ عبرت ثابت ہوئے"

حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول صاحب کرامت بزرگ تھے۔ منشی کرم داد (بہاولپور) کا بیان ہے کہ :

"میرے گھر اولاد نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے مورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو ایک خط لکھا جس میں لڑکے کی بشارت اور مبارک لکھی ہوئی تھی حالانکہ اس وقت حمل کا نشان بھی نہیں تھا۔ خدا کی شان اس خوشخبری کو اللہ تعالیٰ نے نومبر ۱۹۴۸ء میں خوبصورت فرزند عطا فرما کر پورا کر دیا لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت اتباعِ شریعت پر استقامت اور تبلیغ دین تھی۔"

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

"چاہیے کہ نمازِ پنجگانہ باوقاتِ مسنونہ ادا و طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قادریہ ہرگز قضا نہ کریں، خصوصاً بوقتِ شام شجرہ شریف مروجہ اور بوقتِ سحر شجرہ شریف ذہبیہ پڑھیں، شدید تاکید ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا خیال ہر وقت رکھنا اشد ضروری ہے ؎

کار این است دیگر ہمہ ہیچ"

آپ نے دو عقد مسنون کئے پہلے عقد سے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے دوسرا عقد مولانا مفتی عطا محمد (رحمۃ اللہ علیہ) چکوڑی کے ہاں کیا جس سے تین صاحبزادیاں اور پانچ صاحبزادے پیدا ہوئے صاحبزادگان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱. حضرت الحاج حافظ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین لنگر شریف، آپ بلند اخلاق کے مالک اور تبلیغ دین کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔
۲. صاحبزادہ محمد مقصود الرسول۔
۳. صاحبزادہ محمد صبغۃ اللہ۔
۴. حافظ محمد حجۃ اللہ۔
۵. صاحبزادہ محمد ... دار

۱۴ر ربیع الثانی ، ۱۳ر فروری (۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء) کو حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول رحمہ اللہ تعالیٰ کا میو ہسپتال لاہور میں وصال ہوا، دوسرے روز آپ کو لنگر شریف میں اپنے جد امجد حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی قدس سرہ العزیز کے قدموں میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مرید صادق ڈاکٹر محمد شریف ڈل چوہدری مدظلہ نے المقبول کے نام سے آپ کی سوانح حیات مرتب کی ہے [1]

[1] یہ تمام حالات اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

کو لبیک کہا۔ حضرت بیخود دہلوی کے شاگرد یکتا دہلوی نے قطعۂ تاریخ وفات کہا جس کا تاریخی شعر درج ذیل ہے ؎

ملا کر العبد یکتا اللہ کا لکھ
"خدا کا ہے محبوب منظور احمد"

جب آپ کے انتقال کی خبر آپ کے استاد مولانا ولایت احمد کو پہنچی تو انہوں نے باچشم پُرنم فرمایا:

"اگر ان کی حیات ہوتی تو اپنے زمانہ کے شاہ ولی اللہ ہوتے"

مولانا مرحوم کا مزار حیدرآباد کے مشرقی جانب نہر پھلیلی کے کنارے واقع ہے [1]

---

[1] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: مقدمۂ دائمی تقویم، مطبوعہ مجلس کتاب گھر، کراچی، ص ۲-۱۵

صاحبزادہ مولانا محمد منظور احمد دہلوی قدس سرہ العزیز

فاضل جلیل حضرت مولانا محمد منظور احمد بن حضرت مفتیِ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز امام شاہی مسجد جامع فتحپوری تقریباً ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۹۳۹ء میں مدرسہ عالیہ جامع فتحپوری (دہلی) میں داخل ہوگئے۔ بڑے ذہین و طباع تھے، ہمیشہ اپنی جماعت میں اول رہے۔ ۱۹۴۲ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور پورے جامعہ میں اول آئے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، خطابت کی دلنشینی کا یہ عالم تھا کہ ان کا وعظ ہر خاص و عام کا دل موہ لیتا تھا۔ شدید علالت کے دوران بھی نماز کو ترک نہیں کیا۔ والد ماجد کی عقیدت و محبت اور ان کے پاسِ خاطر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حالتِ مرض میں نہایت نحیف ہونے کے باوجود انہیں اپنی صحت و عافیت ہی کی اطلاع دیتے رہے تاکہ انہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

آپ نے علمِ توقیت والد ماجد سے حاصل کیا تھا، انہیں اس فن میں کامل عبور حاصل تھا، آپ نے کراچی کے لئے دائمی تقویم مرتب کی جس میں پانچوں نمازوں کے اوقات اور طلوع و غروب آفتاب کے وقت کا بیان کیا، یہ دائمی تقویم آپ کے برادرِ گرامی مکرمی ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ (مؤلف فاضل بریلوی اور ترکِ موالات) کی ترتیبِ نو سے ۱۹۶۷ء میں کوشش سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا ۱۹۴۷ء کے اواخر میں پاکستان تشریف لے آئے لیکن کچھ عرصہ بعد صحت خراب ہوگئی اس لئے بہاولپور سے حیدرآباد تشریف لے گئے، مرض کی شدت اس قدر بڑھی کہ ڈاکٹر مایوس ہوگیا مگر قدرت نے صحت عطا فرمادی، ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ بیماری پھر عود کر آئی اور ٹی بی دق کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ مولانا نے تمام تکالیف کو کمالِ استقامت سے برداشت کیا۔

آخر کار ۱۵ شعبان، یکم جون (۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) بروز چہارشنبہ آپ نے داعیِ اجل

غوث الاسلام والمسلمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ العزیز

ماہِ شریعت مہرِ طریقت حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی ابن حضرت مولانا پیر سید نذر الدین شاہ قدس سرہما یکم رمضان المبارک (۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء) بروز سوموار گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے[1] آپ کا سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ۳۶ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے[2]

قرآن مجید پڑھنے کے بعد مولانا غلام محی الدین ہزاروی سے کافیہ تک کتابیں پڑھیں، پھر بھوئی (ضلع راولپنڈی) میں مولانا محمد شفیع قریشی کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور نحو و اصول کی متوسط کتب کے علاوہ منطق میں قطبی پڑھی، بعد ازاں اکثر و بیشتر کتب انگہ ضلع سرگودھا میں مولانا سلطان محمود (مرید خاص حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ) سے پڑھیں اور کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت مولانا احمد حسن کانپوری سفرِ حرمین طیبین کے لئے تیار تھے، اس لئے آپ نے استاذ الکل مولانا لطف اللہ علیگڑھی کی خدمت میں حاضر ہو کر معقول اور ریاضی کی کتب عالیہ کا درس لیا، مولانا احمد علی سہارنپوری محشی بخاری سے درسِ حدیث لیا اور ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں سندِ حدیث حاصل کی[3] سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے[4]

[1] فیض احمد، مولانا : مہرِ منیر ، ص ۶۱
[2] ایضاً ، ص ۳
[3] ایضاً ، ص ۶۵-۸۱
[4] ایضاً ، ص ۹۳-۹۵

تکمیلِ علوم کے بعد ایک عرصہ تک درس و تدریس کے ذریعے تشنگانِ علوم کو سیراب کیا، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے نظریہ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی اور مبلغ تھے، اس سلسلے میں علامہ اقبال کا ایک مکتوب بڑی اہمیت رکھتا ہے:

لاہور ۸ / اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ ۔ السلام علیکم

جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اور شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی، اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے، نظر بریں حالات چند امور دریافت طلب ہیں، جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالوں کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے[1]

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے تو حضرت خواجہ عبد الرحمن چھوہروی قدس سرہ آپ کے ہمراہ تھے، مکہ مکرمہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب مکی رحمہ اللہ تعالیٰ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوئے، مولانا محمد غازی رحمہ اللہ تعالیٰ نائب مدرس مدرسہ صولتیہ آپ کے فضل و کمال کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے گولڑہ شریف آگئے[2] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ مثنوی شریف کا درس

[1] خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت ، ص ۷۰۵ (بحوالہ اقبال نامہ جلد اول)
[2] فیض احمد، مولانا : مہرِ منیر ، ص ۱۱۶-۱۱۹

دستے رہتے تھے، ایک شخص مثنوی شریف کے ایک شعر کے بارے میں تشفی حاصل کرنا چاہتا تھا، حضرت حاجی صاحب کی اجازت سے حضرت پیر صاحب نے اس شعر کی ایسی عارفانہ تقریر کی کہ حاجی صاحب وجد میں آگئے اور آپ کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں اجازت سے نوازا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی خود فرماتے ہیں :-

"بوقت زیارت بیت اللہ کے حاجی امداد اللہ صاحب کی ذات کرامت تھے۔ خود ہی نسبت باطنی بخشنے کو اس عاجز کی طرف متوجہ ہوئے ہمارے دل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے وہ جہان میں نظر نہیں آتا۔ ان کے کمال اصرار کے بعد کہا گیا کہ ہم کو تو حاجت نہیں لیکن آپ کی عنایت بھی جو آپ کی رضامندی سے ہے بغیر شکر نہیں اور نیز یہ عنایت بھی ہم اپنے شیخ کی جانب سے جانتے ہیں بعدہٗ انہوں نے سلسلۂ صابریہ اکرام فرمایا" [1]

حضرت پیر صاحب چاہتے تھے کہ حرمین طیبین میں قیام کیا جائے، حضرت حاجی صاحب نے بتاکید مراجعت کا حکم دیا اور فرمایا :-

"ہندوستان میں عنقریب فتنہ برپا ہونے والا ہے لہٰذا تم ضرور اپنے ملک ہندوستان میں واپس چلے جاؤ، بالفرض اگر آپ ہند میں خاموش ہو کر بیٹھ بھی جائیں گے تو پھر بھی وہ فتنہ ترقی نہ کر سکے گا۔ پس ہم حضرت حاجی صاحب کے اس کشف کو اپنے یقین کی رُو سے مرزا قادیانی کے فتنہ سے تعبیر کرتے ہیں" [2]

مدینہ طیبہ کے سفر میں وادی حمرا میں ڈاکوؤں کے خطرے کی بنا پر حضرت عشاء کی سنتیں ادا نہ کر سکے، خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

[1] مقامات مرضیہ ، (گولڑہ شریف ۱۹۶۵ء) ص ۱۴۳

[2] ایضاً ص ۱۰۴

جمالِ جہاں آرا سے مستفیض ہوئے حضور نے فرمایا :

"آل رسول را نباید کہ ترک سنت کنند"

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ اپنی مشہور نعت میں فرماتے ہیں ؎

ادھ مکہ تقسیں مخطوط نمودیمیں — من بھانوندی شکل دکھاؤ سجن
اوہا منظیاں گالیں الاؤ مٹھن — جو حمرا وادی سن کریاں

اسی تصور کو ایک اور نعت میں یوں پیش کیا ہے ؎

کراں یاد میں سوہنی جھات نوں — اس مغرب والی رات نوں
اس حمراء دی دی گھاٹ نوں — یا سیدنی یوم الوصال

آئندہ اوراق میں اس واقعے سے متعلق آپ کی تحریر کا عکس پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ نے عمر بھر شریعت و طریقت کی بے مثال خدمات انجام دیں، مسلک اہل سنت کی حمایت اور بدمذہبوں کی سرکوبی پر خاص طور پر توجہ فرمائی، مولانا فیض احمد گولڑوی لکھتے ہیں :-

"حضرت نے امکانِ کذب باری تعالیٰ کو محال، علم غیب عطائی اور سماع موتیٰ کو برحق اور نداء یا رسول اللہ، زیارت قبور، توسل و استمداد انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور ایصال ثواب کو جائز قرار دیا۔" [1]

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے مطابق آپ کی مساعی جمیلہ نے فتنۂ قادیانیت کی سازشوں پر پانی پھیر دیا۔ ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں آپ نے شمس الہدایہ لکھ کر حیات مسیح علیہ السلام پر زبردست دلائل قائم کئے مرزا قادیانی ان دلائل کا جواب تو نہ دے سکے البتہ مناظرے کا چیلنج دے دیا، ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کی تاریخ برائے مناظرہ طے پائی، حضرت پیر صاحب اور علماء کی بہت بڑی جماعت مقررہ

[1] فیض احمد مولانا : مہر منیر ، ص ۱۴۳

تاریخ پر شاہی مسجد لاہور میں پہنچ گئے لیکن مرزائے قادیانی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہو سکی
اس ہزیمت کو مٹانے کے لئے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو سورۂ فاتحہ کی تفسیر اعجاز المسیح کے نام سے
عربی زبان میں شائع کی جس کے بارے میں مرزا صاحب یہ تأثر دے رہے تھے کہ یہ الہامی تفسیر
ہے۔ حضرت پیر صاحب نے ۱۹۰۲ء میں سیفِ چشتیائی لکھ کر شائع فرما دی جس میں مرزا صاحب
کی عربی دانی کی قلعی کھول دی اور قادیانی دعووں کی دھجیاں بکھیر دیں۔ یہ کتاب آج تک لاجواب
ہے۔ [1]

اسی طرح جب وہابیت نے پر پرزے نکالنے شروع کئے اور سوادِ اعظم اہلِ سنت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں تو آپ نے ان کا سختی سے محاسبہ فرمایا۔ مولوی عبدالاحد خانپوری دہلوی آپ کی وہابیت کش پالیسی پر بڑے برہم رہتے تھے چنانچہ انہوں نے ایک رسالے میں دس علمی سوال لکھ کر حضرت کو جواب دینے کی دعوت دی۔ آپ نے الفتوحات الصمدیہ میں ان سوالات کے جوابات دے کر بارہ سوالات اپنی طرف سے پیش کئے جن کا جواب مولوی عبدالاحد خانپوری بلکہ ان کی تمام جماعت سے نہ بن سکا۔ اعلاء کلمۃ اللہ، ندر و نیاز، سماعِ موتیٰ، استمداد وغیرہ مسائل پر لاجواب کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

تقویۃ الایمان میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی روش پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انبیاء کاملین کی ارواح اور بتوں میں ظاہر و باہر فرق ہے لہٰذا بتوں کے بارے میں وارد ہونے والی آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کر دینا جیسا کہ تقویۃ الایمان میں، قبیح تحریف اور بدترین تخریب ہے۔" (ترجمہ) [2]

آپ کے خلاف وہابیوں کے مشتعل ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ نے سیفِ چشتیائی میں مدعیانِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے مسیلمہ کذاب اور مرزائے قادیانی کے ساتھ ساتھ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو بھی شمار کر دیا تھا۔

---

[1] فیض احمد مولانا: مہرِ منیر : ص ۲۰۶ - ۲۴۹

[2] مہر علی شاہ گولڑوی، شیخ الاسلام پیر: اعلاء کلمۃ اللہ : ص ۱۵۱

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی شریعت و طریقت کے راہنما تھے۔ انہوں نے ملکی سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن جب تحریکِ خلافت اٹھی تو آپ نے کسی کی پرواہ کئے بغیر شرعی نقطۂ نظر کو وضاحت سے پیش کیا۔ ترکی سلطنت کو خلافتِ اسلامیہ کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم آپ کی تمام ہمدردیاں ترکی مسلمانوں کے ساتھ تھیں چنانچہ طرابلس اور بلقان کی جنگ کے موقع پر گھر کے زیورات اور اصطبل کے گھوڑے تک فروخت کر کے قیمت چندہ میں دے دی تھی۔ تحریکِ ہجرت کے بارے میں فرمایا کہ اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ خراب نکلے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ کانگرسی لیڈروں نے جب انگریز سے ترکِ موالات پر زور دیا تو فرمایا:

"یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے پس ترکِ موالات ہنود اور انگریزاں اور یہود سب سے ہونی چاہئے تفریق اور ترجیح بلا مرجح (یعنی انگریز سے مقاطعہ اور ہندو سے دوستی) ٹھیک نہیں ہے" [1]

آپ کی محققانہ تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ سیفِ چشتیائی
۲۔ شمس الہدایہ
۳۔ تحقیق الحق
۴۔ علاء کلمۃ اللہ ... (رسالہ)
۵۔ الفتوحات الصمدیہ
۶۔ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اہل بہ لغیر اللہ
۷۔ فتاویٰ مہریہ

۲۹ صفر، ۱۱ مئی (۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) بروز سہ شنبہ آپ کا وصال ہوا۔ گولڑہ شریف میں آپ کے مزارِ مبارک کا گنبد دور سے دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ ہر سال آپ کے عرس کے علاوہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس بڑی عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

---

[1] فیض احمد مولانا: مہرِ منیر : ص ۳۶۷ - ۳۴۳

نوٹ: تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ہجرت وغیرہا مسائل پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا بھی یہی موقف تھا، تفصیل کے لئے دیکھئے "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" از پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ (مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور)

[illegible] بیاد پیر [illegible]
[illegible] درسنہ [illegible] [illegible] بجام [illegible] یا فاطمہ [illegible]
[illegible] کہ [illegible] است [illegible] بباعث انقلاب [illegible] [illegible] گشت
[illegible] ولی اللہ [illegible] [illegible] [illegible] مبارک [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] بعیت رفقا [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] شدہ
[illegible] رسول را [illegible] [illegible] مبارک [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
([illegible] رسول را [illegible] [illegible]) [illegible] [illegible] [illegible] سوال [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] یا رسول اللہ [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] رسول اللہ [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مبارک [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] خواب کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر (عکس)

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا مہر محمد اچھروی قدس سرہ العزیز

امام المحققین استاذ المدرسین حضرت مولانا مہر محمد اچھروی ابن عبد اللہ ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء میں موضع چک [illegible] ضلع [illegible] میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ موضع [illegible] محمد خاں [illegible] میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا بعد ازاں مولانا حافظ عطاء الرسول کی خدمت میں [illegible] چلے گئے اور قرآن مجید حفظ کر لیا۔ استاذ مکرم کے وصال کے بعد ان کی مسند پر بیٹھ کر قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد فوجی ملازمت کا شوق پیدا ہوا چنانچہ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ [illegible] کہ ایک وقت ہر فوجی [illegible] علماء و فضلاء ہو گا۔ ایک دفعہ کچھ قیدی دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے آپ کے سپرد کئے گئے جو راستہ میں موقع پا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اس بنا پر آپ کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اب تحصیل علم کے شوق میں مولانا سلطان محمود نامی کی خدمت میں بندیال [illegible] سرگودھا حاضر ہوئے اس زمانے میں فارسی پڑھانے میں ان کی بہت شہرت تھی پھر بمقام قاضیاں ضلع مظفر گڑھ میں مولانا سید غلام جیلانی سے کچھ کتابیں پڑھیں بعد ازاں مولانا غلام محمد گھوٹوی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے تلمیذ رشید علامہ محمود سے استفادہ کیا اور اکثر کتابیں شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ جب شیخ الجامعہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو کچھ کتابیں قصبہ [illegible] ضلع گجرات میں مولانا غلام رسول سے پڑھیں اور حضرت شیخ الجامعہ کے واپس تشریف لانے پر انہی سے تمام کتب کی تکمیل کی۔ گھوٹہ میں تحصیل علم کے دوران شیخ الاسلام حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔

فراغت کے بعد جامعہ فتحیہ اچھرہ، لاہور میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ کچھ زمانہ کے بعد [illegible] استعفیٰ دے کر لاہور سے چلے گئے۔ پھر جامعہ فتحیہ اچھرہ کے مہتمم جناب قمر الدین مرحوم کے اصرار اور استاذ مکرم علامہ گھوٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایما پر دوبارہ جامعہ فتحیہ تشریف لے آئے اور تمام عمر اسی جگہ درس و تدریس میں صرف کر دی۔ حضرت مولانا مہر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

کو درس و تدریس اور خاص طور پر معقولات میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہمیشہ معقول و منقول کی انتہائی کتب کا درس دیا کرتے تھے، دور دراز سے تشنگان علوم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سیراب ہوا کرتے تھے آپ کے تلامذہ آسمانِ علم و فضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اجلہ مدرسین کی بہت بڑی جماعت تیار کی جنہوں نے علوم دینیہ کی مسلک اہل سنت و جماعت کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے چند مشاہیر تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت علامہ مولانا عطا محمد بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ زیب مسند تدریس دار العلوم مظہریہ امدادیہ بندیال شریف ضلع سرگودھا۔

۲۔ استاذ الافاضل مولانا غلام رسول دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائل پور

۳۔ فاضل جلیل مولانا غلام مہر علی گولڑوی مصنف "دیوبندی مذہب"، "الیواقیت المہریہ" وخطیب جامع مسجد نور چشتیاں شریف (بہاولنگر)

۴۔ استاذ العلماء مولانا محمد مہر الدین، مصنف تسہیل المبانی شرح مختصر المعانی،

۵۔ مولانا محمد عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ (خطیب کاچھو پورہ لاہور)

۶۔ مولانا عنایت اللہ چشتی، کالا باغ (ضلع میانوالی)

۳ ربیع الثانی، ۲۹ نومبر ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء بروز پیر آپ کا وصال ہوا اور جامع مسجد اچھرہ لاہور کے قریبی قبرستان میں مدفون ہوئے[1]

۱؎ غلام مہر علی مولانا: الیواقیت المہریہ، ۲۔ ص ۹۸ - ۹۹

مفسرِ قرآن مولانا نبی بخش حلوائی قدس سرہ (مصنف تفسیر نبوی)

فاضل یگانہ حضرت مولانا نبی بخش ابن جناب محمد وارث (قدس سرہما) ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۶۰ء میں لاہور کے ایک متوسط نانبائی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے ممتاز علماء سے اکتساب فیض کیا جن میں سے مولانا مولوی غلام حسین لاہوری خطیب شاہی مسجد لاہور، مولانا محمد ذاکر بگوی، مولانا غلام محمد بگوی، پیر جی عبد الغفار شاہ کشمیری، مولانا غلام قادر بھیروی اور مولانا غلام دستگیر قصوری کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے معیشت کے لئے مٹھائی بنانے اور دودھ بیچنے کا طریقہ اختیار کیا تھا اسی لئے آپ کو حلوائی کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور پھر حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانی علی پوری سے بیعت ہو کر مجاز ہوئے۔

آپ نے مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج کے لئے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، بعض کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ تفسیر نبوی، پنجابی شعروں میں ۵ جلد
۲۔ الامتیاز بین الحقیقۃ والمجاز
۳۔ جامع الشواہد
۴۔ اظہار انکار المنکرین
۵۔ النار الحامیہ لمن ذم المعاویہ
۶۔ اطلاع الناس فی طلاق الثلاث
۷۔ احسان الاموات فی الصدقات والاسقاط
۸۔ سبیل الرشاد فی حق الاستاد
۹۔ تحقیق القرآن فی آداب المشائخ والاخوان
وغیرہ وغیرہ

آپ قریباً ایک سو برس کی عمر میں ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء میں واصل بحق ہوئے اور اپنی تعمیر کردہ مسجد ستی کوتوالی بیرون دلی دروازہ لاہور میں دفن ہوئے[1]

مولانا راغب علی نسیم اور علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے نے مولانا حلوائی کے منظوم

۱؎ اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ علامہ: تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، ص ۲۰۹ - ۲۱۰

شاگردوں میں مولانا بارغ علی نسیم نے آپ کی یاد میں مکتبہ نبویہ قائم کیا جو دورِ جدید کی طباعت و اشاعت کے تقاضوں کے مطابق مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کی گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔

جناب ابو الطاہر فدا حسین فدا زید مجدہ نے درج ذیل قطعہ تاریخِ وفات لکھا ہے

ہوگئے واصل بحق ہیں جب مولانا عالمِ ذی مرتبت وہ دیں پناہ
بندۂ حق صاحبِ فضل وکمال عظمتِ علم و حکم کے بادشاہ
الفتِ خیر البشر کے فیض سے خلد میں داخل ہوئے باعز و جاہ

کہہ گیا ملہم فدا سے سالِ وصل
از سرِ الہام، "مغفور الٰہ"

۱ ۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ھ

شیخ العلماء حضرت مولانا نصیر احمد المعروف بہ میاں صاحب قصوری قدس سرہ

شیخ العلماء استاذ الفضلاء حضرت مولانا میاں نصیر احمد ابن میاں غلام محمد صوفی ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں پیدا ہوئے، مروجہ علوم کی تحصیل صوبہ سرحد کے ممتاز فاضل سے کی اور مشہور عالم محقق مولانا مفتی محمد حسن المعروف بہ حافظ دراز قدس سرہ (م ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء) سے تکمیل کی اور سندِ فراغت حاصل کی، جب آپ مسندِ تدریس پر فائز ہوئے تو آپ کی شہرتِ علمی سن کر بلخ، بخارا اور کابل کے طلباء کا آپ کے گرد جمگھٹا رہنے لگا، فارغ التحصیل علماء آپ سے کسبِ علم کیا کرتے تھے۔

پورے علاقے میں آپ کا فتویٰ چلتا تھا، چونکہ آپ پوری تحقیق سے فتویٰ لکھتے تھے یا مہرِ تصدیق ثبت فرماتے تھے اس لئے علماء آپ کی تصدیق دیکھ کر بلا تامل تائید کر دیا کرتے تھے، ایک دفعہ سوات کے علماء نے فتویٰ دے دیا کہ محراب کے بغیر جماعت نہیں ہوتی، یہ فتویٰ آپ کی نظر سے گزرا تو آپ نے پیر جان قادری، مولانا آغا سید سکندر شاہ قادری چشتی اور مولانا سراج الدین لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ کو ساتھ لیکر تحقیقِ حق کے لئے سوات تشریف لے گئے، تین دن کی گفتگو کے بعد علماءِ سوات نے پہلے فتویٰ پر نظرِ ثانی کی اور دوسرا فتویٰ جاری کیا، حضرت مولانا اخوند عبد الغفور صاحب سوات قدس سرہ نے ان حضرات کو بڑی قدر و منزلت کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت مولانا نصیر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سلسلۂ عالیہ قادریہ نوشاہیہ سے خاندانی نسبت رکھتے تھے نیز حضرت شیخ الاسلام مولانا اخوند عبد الغفور صاحب سوات رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر سلسلۂ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں بیعت تھے، آپ شعر وسخن کا ذوق بھی رکھتے تھے، آپ کا زیادہ تر کلام پند و نصائح اور بزرگانِ دین کی تعریف و منقبت پر مشتمل ہے، تصنیف وتالیف کے ساتھ بھی اچھا خاصا لگاؤ رکھتے تھے آپ کی تصانیف حسنِ عقیدہ اور کمالِ علمی پر شاہد عادل ہیں، چند تصانیف یہ ہیں:-

١۔ شرح ساجستی (فارسی)   ٣۔ حاشیہ شاطبی

٢۔ ترکیب کافیہ   ٤۔ احقاق الحق رد تقویۃ الایمان وغیرہ

علاوہ ازیں مولانا حافظ دراز پشاوری قدس سرہ کی مایہ ناز تصنیف فیض الباری شرح صحیح البخاری (پارہ اول تا) اور اصول الطریقہ از حضرت شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری قدس سرہ کی تصحیح کر کے شائع کی۔ کاش کوئی مرید یا حضرت میاں صاحب کی تصانیف کو زیور طبع سے آراستہ کر دے۔ سینکڑوں علماء نے آپ کے فیض سے خوشہ چینی کی اور دنیائے علم و فضل کے مہر و ماہ بن کر چمکے۔ آپ کے تین فرزند تھے: مولانا میاں محمد، مولانا گل فقیر احمد اور حافظ صاحبزادہ میاں گل نظیر احمد۔

حضرت علامہ مولانا میاں نصیر احمد قدس سرہ کا ١٨ رجب المرجب (١٣٠٨ھ/١٨٩١ء) کو جمعہ کے دن عصر کے وقت وصال ہوا۔ آپ کی وفات پر تمام شہر بند کر دیا گیا اور شہر کے ہزارہا افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ کسی نے تاریخ وفات کہی ہے

صاحب المعلمات مولانا نصیر احمد   المتقی ورعاً و تقوی مثلہ لا یسلم

قال قوم صحت لنا تاریخ ذاک الواقعہ   قلت موت العالم واللہ موت العالم [1]

١٨   ٣   ١٣

---

[1] محمد امیر شاہ، مولانا سید: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ج ٢، ص ١٦٧ - ١٦٨

رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد نظام الدین ملتانی قدس سرہ

حضرت مولانا ابو المنظور محمد نظام الدین ملتانی حنفی قادری سروری قدس سرہ ملتان شریف میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے باکمال اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ دربار شریف حضرت سلطان العارفین سلطان باہو قدس سرہ کے سجادہ نشین حضرت امیر سلطان قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور تاحیات تحریر و تقریر کے ذریعے مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و حمایت کرتے رہے۔ مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف پر عموماً یہ اعلان درج ہوتا تھا:۔

"اہل اسلام کو واضح ہو کہ اگر آپ کو کوئی وہابی، شیعہ، مرزائی، چکڑالوی ستائے اور چیلنج دے تو فوراً مولانا محمد نظام الدین ملتانی رئیس المناظرین کو بانتظام جلسہ طلب کریں لیکن دس دن پہلے اطلاع دیں، ممدوح صاحب ان کے ساتھ ہر وقت مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

آپ بفضلہ تعالیٰ ہر مناظرے میں کامیاب رہتے یہی وجہ تھی کہ مخالفین ان کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔

مولانا محمد نظام الدین ملتانی قدس سرہ نے تصانیف کا اچھا ذخیرہ یادگار چھوڑا لیکن آپ کے صاحبزادے کاشتکاری میں مصروفیت کی بنا پر آپ کی تصانیف کی اشاعت نہیں کر سکے اس لئے آجکل یہ کتابیں نایاب ہیں۔ آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

١۔ سلطان الفقہ المعروف فتاویٰ نظامیہ، گیارہ حصوں میں ان سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً اطراف و اکناف سے آپ کے پاس آتے رہتے تھے۔ بحمدہ تعالیٰ یہ فتاویٰ مکتبہ علویہ رضویہ ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد سے چھپ چکا ہے۔ تکملہ فتاویٰ نظامیہ اس سے الگ ہے۔

٢۔ حقیقت مذہب شیعہ (چار حصے)   ٣۔ بم کا گولہ بر رافضی ٹولہ

۴۔ قہر یزدانی بر قلعہ قادیانی
۵۔ الاباطیل وہابیہ
۶۔ النصح والادب فی احکام اللحے والشوارب (داڑھی اور مونچھوں کے احکام)
۷۔ القول الجلی فی رد علی کشف الغیبات للنبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔
۸۔ عقائد علماء دیوبند
۹۔ سیف النعمان علی اہل الطغیان
۱۰۔ بلاغ المبین
۱۱۔ تفسیر قرآن
۱۲۔ تحفہ بجواب طمانچہ
۱۳۔ سیرۃ المقلدین
۱۴۔ تحفۃ الناظرین یادگار نظام الدین۔
۱۵۔ سلطان التفاسیر (دس پارے)
۱۶۔ زمانے کا تغیر
۱۷۔ راہ عرفان (بزبان پنجابی)
۱۸۔ تحفہ دستگیر
۱۹۔ شرح قصیدہ غوثیہ
۲۰۔ صمصام الاسلام علی اعناق الرافضیہ
۲۱۔ جرعہ تسلین در حلق غیر مقلدین
۲۲۔ قلع اللئام فی عدم جواز الفاتحہ خلف الامام
۲۳۔ رسالہ عدم جواز رفع یدین و آمین بالجہر
۲۴۔ اصلاح الطالبین
۲۵۔ تحقیق مسئلہ ہمہ اوست
۲۶۔ انگار عشق و تکمیل دوئی شرح پکی روٹی
۲۷۔ کنز المعروف فیوضات سلطانی مع رسالہ اثبات ذکر جہر۔

حضرت مولانا محمد نظام الدین ملتانی قدس سرہ کا مولد و منشا ملتان شریف ہے بعد ازاں وزیر آباد، دروازہ موچیدرین میں منتقل ہو گئے اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت مولانا محمد شفیع مدظلہ خطیب اعظم کاموں کے، مولانا نظام الدین ملتانی کے شاگردوں میں سے ہیں لیکن افسوس کہ کوشش بسیار کے باوجود ان کے تفصیلی حالات و کوائف حاصل نہ ہو سکے۔

سراج السالکین حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری قدس سرہ (کیلیانوالہ شریف)

عارف کامل حضرت سید نور الحسن شاہ ابن حضرت سید غلام علی شاہ ابن حضرت سید حیات شاہ (قدست اسرارہم) ۲۷ جمادی الاولیٰ، ۳۰ جنوری (۱۳۰۲ھ/۱۸۸۹ء) چہار شنبہ کی شب کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباء و اجداد باکمال بزرگ تھے۔ آپ کی طبع سلیم میں ابتدا ہی سے تقویٰ و طہارت اور نیکی کے جذبات بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ظاہری تعلیم کے لئے آپ پہلے احمد نگر اور پھر قصبہ رسول نگر کے اسکول میں داخل ہوئے اور پرائمری پاس کر کے اسکول چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد کیلیانوالہ شریف کے خوشنویس مولانا نور الٰہی سے فن خوشنویسی سیکھا، پھر کچھ عرصہ ٹھیکیداری کرتے رہے، بعد ازاں چک ۱۳۳ ضلع شیخوپورہ میں منتقل ہو گئے۔

کیلیانوالہ شریف کے خاندان سادات کے بہت سے افراد شیعہ ہو گئے تھے، انہی کے زیر اثر آپ بھی تشیع سے متاثر تھے لیکن موجودہ دور کے شیعوں کے برعکس نماز اور روزہ کے پابند تھے، قدرت نے آپ کو بڑی دلکش اور پرسوز آواز عطا فرمائی تھی چنانچہ جب آپ مجلس پڑھتے تو سامعین بڑے اشتیاق سے سنتے۔ نعت بھی بڑے سوز و گداز سے پڑھتے۔ ایک دفعہ شرقپور شریف جا کر مجلس پڑھی تو دھوم مچ گئی، کسی نے جا کر عارف ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا "شاید یہ بھی ہمارا کام دیں" ولی کامل کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت میاں شیر محمد شرقپوری سے وہ رابطہ قائم ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی رہا اور آپ کے ذریعہ رشد و ہدایت کا ایسا چشمہ جاری ہوا جس سے لاکھوں تشنہ کام سیراب ہوئے۔

حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد آپ نے شرقپور شریف میں قیام کے دوران قرآن مجید پڑھا اور مرشد کامل کی نگاہ سے وہ فیوض حاصل کئے کہ آپ کی تحریر و تقریر بڑے بڑے علماء کو حیرت زدہ کر دیتی تھی، آپ اکثر و بیشتر سفر و حضر میں حضرت میاں صاحب کے ساتھ رہا کرتے

تھے اور ایک وقت وہ آیا کہ حضرت میاں صاحب نے آپ کو اجازت وخلافت مرحمت فرمائی اور آپ ان کے اکابر خلفاء میں شمار ہوئے، جب آپ حضرت شیر ربانی قدس سرہ کے حکم سے حضرت کیلیانوالہ شریف میں منتقل ہوئے تو شیعوں نے مزاحمت شروع کر دی اور طرح طرح سے درپے آزار ہوئے، مقدمہ بازی اور قاتلانہ حملے تک نوبت پہنچی لیکن آپ کمال حلم سے سب کچھ برداشت کرتے رہے حتی کہ مخالفین کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اور آپ کے فیض کا آفتاب دن بدن عروج پر رہا۔

حضرت شاہ صاحب اپنے دور کے وہ عظیم روحانی پیشوا تھے جن کے ذریعے ان گنت افراد راہ راست پر آئے اور سیدھے منزل مقصود کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی کی دولت سے نوازا تھا، مشکل سے مشکل مسئلہ پر گفتگو فرماتے اور منٹوں میں حل فرما دیتے ایک دفعہ مکان شریف میں عرس کے موقع پر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے مسئلہ علم غیب پر گفتگو ہوئی جس میں شاہ جی کو آپ کا موقف تسلیم کرنا پڑا، آپ کی تصنیف جلیل "الانسان فی القرآن" تبحر علمی کا بہترین شاہکار ہے جس میں آپ نے مختلف موضوعات پر شرح صدر سے گفتگو فرمائی ہے اور بعض اختلافی مسائل کو بڑے حکیمانہ انداز سے سلجھایا ہے، اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ؎

دیدہ ور ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

آپ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی اور مؤید تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کانگرسی اور احراری لیڈروں کے مسموم اثرات کے ازالے کے لئے کوشاں رہے چنانچہ ایک مرتبہ مشہور احراری لیڈر ملک لعل خاں سے دوران گفتگو فرمایا:

"فرمان مولیٰ کریم ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا یعنی حقیقۃً تمہارے دوست اور سرپرست اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایماندار بندگان خدا ہیں، ایک مسلمان کے لئے یہی پیشوا اور رہنما ہیں ان کے فرمان کو عرض کر ہی دئے اب ان کے سوا آپ کو گاندھی اور نہرو کا فرمان جب

اتصال ہوگا جو سوائے جہنم کے ہمیں کسی راستے پر نہیں لیجا سکتا"۔ [1]

آپ کی شبانہ روز زندگی عبادات اور ذکر و فکر میں بسر ہوتی تھی، مریدوں اور عقیدتمندوں کو بھی شریعت مبارکہ کی اتباع کی تلقین فرماتے۔ اس کے بعد اور اد و وظائف کی باری آتی۔ آپ مکان شریف اور شرقپور شریف سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لے جاتے اور حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس سرہ کے مزار پر انوار پر ضرور حاضری دیتے، بعض اوقات حضرت شاہ محمد غوث رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف پر بھی حاضر ہوتے۔

آپ کے حلقہ ارادت میں بڑے بڑے علماء شامل ہوئے، چند ایک کے نام جو معلوم ہو سکے، یہ ہیں: ۱۔ حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ مدظلہ العالی بانی و مہتمم جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی شریف۔

۲۔ حضرت مولانا محمد نواز مدظلہ العالی صدر مدرس مدرسہ مذکورہ۔

۳۔ حضرت مولانا سید منصور شاہ مدظلہ العالی مدرس جامعہ رضویہ فائل پور۔

۴۔ مولانا سید منیر حسین شاہ چکوالوی، مؤلف انشراح الصدور بتذکرۃ النور (سوانح حیات حضرت شاہ صاحب ممدوح قدس سرہ)

۳ ربیع الاول، ۲۱ نومبر (۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء) جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب گیارہ بجکر پچیس منٹ پر ۹۳ برس کی عمر میں یہ آفتاب ولایت عازم فردوس ہوا۔ حضرت کیلیانوالہ شریف میں آپ کا مرقد منور مرجع خلائق ہے آپ کے وصال کے بعد بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد باقر علی شاہ مدظلہ العالی سجادہ نشین ہوئے۔

مولانا محمد عبداللہ کنجاہی نے درج ذیل تاریخ وفات کہی ہے ؎

سید السادات فرزند رسول
جامع الحسنات دلبند بتول

ماحی بدعات ابن مرتضےٰ
قرۃ العین شہید کربلا

راحت جان جناب شاہ حسن
سید ی سندی شہ نورالحسن

نور کامل آفتاب شرقپور
بے شبہ بد ماہتاب شرقپور

---

[1] منیر حسین چکوالوی، سید: انشراح الصدور بتذکرۃ النور ص ۱۶۴

بود غوثِ وقت ہم قطبِ رشاد ہر کہ آمد بر درش شد بامراد
کرد رحلت از فنا سوئے بقا مخلصاں را رنج و غم ، آہ و بکا
سہ ربیع اول ، رسوم تاریخ بُود چوں بیاید درج پاکش در وجود
گفت تاریخ وصالش مولوی خادمِ شاہِ سلیماں تونسوی
رفت خضرِ راہ دعاگو در جہاں "پیر نور الحسن شاہ عارفِ زماں"
۱۳ ۴۲

"ذاکرِ حق پیر نور الحسن شاہ"
"رحمتِ حق صلہ یافت از بارگاہ" [1]
۱۳ ۵ ۴۲

[1] منیر حسین ناجو کالوی و ... : الشرح الصدور بتذکرۃ النور ، حضرت سید پیر نور الحسن ... ۱۹۸۳ء

نوٹ ۱: یہ تمام حالات اسی کتاب سے لئے گئے ہیں وہ کتاب ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

شیخِ طریقت حضرت مولانا حافظ نور الدین فاروقی نقشبندی قدس سرہٗ

عالم و عارف حضرت مولانا حافظ نور الدین ابن مولانا حافظ غلام رسول موضع ٹھیکریاں موہناں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں تقریباً ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اور اکیسویں پشت میں حضرت فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے تمام علوم دینیہ کی تحصیل والد ماجد سے کی۔ گیارہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور تقریباً ۱۸ سال کی عمر میں مروجہ علوم اور تصوف کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور جب تیسری دفعہ بارگاہِ شیخ میں حاضر ہوئے تو خلعتِ خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔

خلافت سے مشرف ہو کر آپ نے موضع چکوڑی بھیلووال (مضافات لالہ موسیٰ) میں قیام فرمایا اور سلسلۂ تبلیغ و ارشاد شروع کر دیا۔ یہیں آپ نے ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی اور علوم دینیہ کا درس شروع کیا۔ اس مدرسہ نے آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے خاطر خواہ ترقی کی۔ آپ سفر و حضر میں طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔

۱۳۰۲ھ/۵-۱۸۸۴ء میں آپ کا وصال ہوا اور چکوڑی شریف کے قبرستان میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ [1] قطعۂ تاریخ وصال یہ ہے ؎

جنابِ فضیلت مآبِ کمال چو کرد انتقال از سرائے زوال
زہے نورِ ملت زہے نورِ حق زہے نورِ دیں حافظِ قیل و قال
بہ تخریج از لبِ ہاتف آمد ندا
کہ گو "غائبِ نورِ جلی" بہ سال
۱۳ ۵ ۰۲

[1] شریف احمد شرافت نوشاہی : انوار محی الدین ، ص ۲۶۰

علامۂ زماں مولانا سید نور اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالےٰ

بلند پایہ واعظ اور بے مثل شاعر مولانا سید نور اللہ شاہ بن مولانا سید چراغ شاہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مولانا میر حسن سیالکوٹی (استاذ علامہ اقبال) سے، آخری کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا سید عبد اللہ شاہ سے پڑھیں۔ آپ حضرت مولانا قاضی سلطان محمود آوانی قدس سرہ العزیز کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ جب حضرت قاضی صاحب بزرگان دین کے مزارات عالیہ کی زیارت کے لئے جاتے تو اکثر آپ کو شرف معیت حاصل ہوتا تھا اور بقول نواب معشوق یار جنگ جب حضرت قاضی صاحب آخری دفعہ اپنے شیخ حضرت مولانا اخوند عبد الغفور قدس سرہ کے مزار شریف کی زیارت کے لئے سوات تشریف لے گئے تو مولانا سید نور اللہ شاہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

آپ فارسی زبان کے عالی مرتبہ شاعر تھے۔ آپ کے کلام سے قادر الکلامی اور گہرے درد و سوز کا پتہ چلتا ہے۔ ایک نعتیہ مسدس (غیر مطبوعہ) کے چند بند ملاحظہ ہوں ؂

بدرد تو کہ من از وے عجب انم — بعرض مدعا تر شد بجانم
چہ درد است اینکہ تدبیرش ندانم — بکن چارہ کہ تو مشکل کشائی

مینہ بر سینہ ام سنگ جدائی
کجائی یا رسول اللہ کجائی

گلستان وفا را نوبہاری — بمیدان کرامت شہسواری
پئے محنت شعاران غم گساری — شکستہ خاطران را مومیائی

مینہ بر سینہ ام سنگ جدائی!
کجائی یا رسول اللہ کجائی

زلیخائے صبا چوں جستجو کرد — قبائے یوسف گل مشکبو کرد
لب اندر مرحبا نشش سو لبو کرد — ہمہ این است لطف مصطفائی

مینہ بر سینہ ام سنگ جدائی
کجائی یا رسول اللہ کجائی

آپ نے حضرت شاہ دولہ دریائی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضرت قاضی سلطان محمود (آوانی) قدس سرہ کی تعریف میں متعدد گراں قدر فارسی قصائد لکھے ہیں، ذیل میں حضرت قاضی سلطان محمود آوانی قدس سرہ کی شان میں ایک قصیدہ مدحیہ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن کا ہر ہر مصرعہ قابل داد ہے :

روز گارے شد کہ دارم دل نزار و حسرتیں — آرزو دے مدحت شاہنشہ دنیا و دیں
قاضی سلطان محمود آنکہ نامم نامیش — نیک زد بر روئے دلہا سکہ چوں نقش نگیں
دُرِّ دریائے حقیقت، اختر برج شرف — شاہباز اوج عرفاں افتخار عارفیں
جرعہ از جام محبت ریز، در کام دلم — تا ازیں دنیائے دوں گیرد رفشانم آستیں
مشکلے دارم کہ بر ولئے منیرش روشن است — پس چرا بیہودہ گویم آنچناں یا ایں چنیں
چشم دارد شاہ نور اللہ زخوان فیض تو
ان اصحاب العطایا یکرمون السائلین [1]

پنجابی میں شجرہ قادریہ غفوریہ نظم فرمایا جس کے دو بند ملاحظہ ہوں ؂

میں بھی قدم ولی دا پھڑیا — سنگ اصحاب کہف دے رلیا
دیکھ لواں میں قسمت اڑیا — کد تک ہون ہمرایاں نی
پاک رسول محمد سرور خلقاں تار وکھایاں نی
عشق حقیقی والیاں رمزاں سیاں طالاں وچ پایاں نی
نور اللہ ہے تیرا بردا — ہر دم سوچ ہجر دے مردا
لاہ دے دل دے اتوں پردا — کاہنوں مدتاں لایاں نی [2]

---

[1] نور اللہ شاہ، مولانا سید : چشمۂ نور (مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور) ص ۹ - ۱۵۔

[2] ایضاً ص ۸۸ - ۸۹۔

آپ کے اردو، پنجابی اور فارسی قصائد اور نعوت کا مجموعہ "چشمۂ نور" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے ردِ شیعہ میں آپ کی ایک اہم کتاب تحفۂ شیعہ اندر پریس، سیالکوٹ سے شائع ہوئی تھی جس پر مولانا غلام حسین صاحب والہ (سیالکوٹ) کی منظوم تقریظ تھی۔ چوہدری غلام غوث مصنف مثنوی ہمدانی، اور نواب معشوق یار جنگ مولف مقاماتِ محمودی سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔

ماہ جون ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں آپ کا وصال ہوا اور پائین درگاہ حضرت امام علی الحق رحمہ اللہ تعالیٰ سیالکوٹ میں مدفون ہوئے ۔[1]

---

[1] مکتوبِ گرامی جناب سید نور محمد قادری مدظلہ ساکن چک ۱۰۰ شمالی ڈاک خانہ چک ۱۰۰ براستہ ملکوال ، گجرات ، بنام راقم الحروف ۔

فخرِ اہلِ سنت حضرت مولانا علامہ محمد نور بخش توکلی قدس سرہ

مولانا نور بخش توکلی ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں کوچک تحاضیاں ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ایم اے عربی کا امتحان پاس کیا۔ علومِ دینیہ سے والہانہ محبت کا عالم یہ تھا کہ میونسپل بورڈ کالج کے پروفیسر ہونے کے باوجود مولانا غلام رسول قاسمی امرتسری کے پاس حاضر ہوتے اور طلباء کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کر تفسیر و حدیث اور فقہ کا درس لیتے۔

جن دنوں آپ محمڈن سکول انبالہ کے ہیڈ ماسٹر تھے حضرت خواجہ توکل شاہ رحمہ اللہ تعالےٰ (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا مرحوم سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے۔ آپ ہی کی مساعیٔ جمیلہ سے متحدہ ہند و پاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی۔

آپ ایک عرصہ تک جامعہ نعمانیہ لاہور کے ناظمِ تعلیمات رہے اور اس کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ کالج کے شعبۂ عربی کے پروفیسر بھی رہے۔ کچھ مدت کے بعد کالج سے مستعفی ہو گئے۔ حضرتِ علامہ نے تصانیف کا قابلِ قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ الاقوال الصحیحۃ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ (امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر روافض اور غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب)

۲۔ سیرتِ رسولِ عربی	۵۔ شرح قصیدہ بردہ عربی
۳۔ تحفۂ شیعہ، دو جلد (ردِ شیعہ)	۶۔ " " " اردو
۴۔ سیرتِ غوثِ اعظم	۷۔ تذکرہ مشائخ نقشبند۔

۸۔ اعجاز القرآن

۹۔ رسالۃ النور

۱۰۔ عید میلاد النبی

۱۱۔ البرزخ

۱۲۔ معجزات النبی

۱۳۔ عقائد اہل سنت

۱۴۔ غزوات النبی

۱۵۔ تفسیر سورہ فاتحہ و بقرہ

۱۶۔ امام بخاری شافعی

آپ سیڑھی سے گرنے کی وجہ سے کچھ عرصہ بیمار رہے اور ۱۳ جمادی الاولیٰ ۴ مارچ (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کو سفر آخرت فرمایا۔ لائل پور کے جنرل بس سٹینڈ کے قریب حضرت نور شاہ ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔ مزار پر گنبد تعمیر ہو چکا ہے [1]

---

[1] علامہ مہر علی (مولف) : الیواقیت المہریہ ص ۱۳۶-۱۳۷

قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ

مخزن ہدایت، منبع کرامت، شیخ المشائخ قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۴ اپریل ۱۱۴۲ھ/۱۷۳۰ء کو موضع چوٹالہ (بہاولپور) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ہندال تھا۔ والدین نے آپ کا نام ہیبل رکھا تھا جسے آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ فخر الدین دہلوی قدس سرہ (م ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء) نے بدل کر نور محمد رکھ دیا۔ بعد میں آپ کے والد ماجد نے مہار (جسے حضرت خواجہ قبلہ عالم کی نسبت سے مہار شریف کہا جاتا ہے) میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ جب آپ کی عمر شریف پانچ برس کی ہوئی تو آپ کو حافظ محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ انہی سے آپ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ ایک دن حضرت شیخ احمد دوڑی والہ رحمۃ اللہ تعالیٰ مولوی محمد مسعود کے مدرسہ میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ صاحب کو دیکھا تو فرمایا:

"سبحان اللہ! ایک زمانہ آئے گا کہ اس بچے کے در پر بادشاہ سر رکھیں گے۔"

اس وقت کسے خبر تھی کہ بہاولپور کا نواب بہاول خاں مرحوم ان کے دربار کی آستانہ بوسی کو سرمایۂ دارین سمجھے گا۔

حفظ قرآن کے بعد والد ماجد اور بھائیوں کی خواہش تھی کہ انہیں کسی کام پر لگایا جائے لیکن حضرت خواجہ کی فطرت سلیمہ نے اس بات کو پسند نہ کیا بلکہ مزید دینی تعلیم کے حصول پر زور دیا اور موضع ہڑ ہیراں تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد موضع جلالہ میں موضع شیخ احمد لکھو رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں ڈیرہ غازی خاں چلے گئے اور شرح جامی تک کتابیں پڑھیں۔ کچھ عرصہ بعد خواجہ محکم الدین سیرانی قدس سرہ کے ساتھ لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور میں آپ کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن علم کے ذوق و شوق میں کبھی کمی نہ آئی۔ تکمیل علوم کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور نواب غازی الدین خاں ...

مشہور مدرسہ میں داخل ہو کر حافظ برخوردار جی سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ حضرت حافظ صاحب آپ پر خاص التفات فرماتے تھے۔ دن میں ایک دفعہ کھانا تناول فرماتے اور حضرت خواجہ صاحب کو ساتھ کھلاتے۔ آپ نے قطبی کا درس لینا شروع کیا تھا کہ استاذِ محترم رخصت پر گئے اور سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔

حضرت خواجہ کو تعلیم کے یوں منقطع ہو جانے کا بڑا رنج تھا۔ انہی دنوں آپ کو پتہ چلا کہ حضرت خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ دکن سے دہلی تشریف لائے ہیں اور وہ بہت بڑے عالم ہیں۔ شوقِ علمی کشاں کشاں ان کے دربار میں لے گیا۔ حضرت شاہ فخر قدس سرہ نے الطافِ خسروانہ سے نوازا۔ اگرچہ آپ ایک عرصہ سے درس و تدریس کا سلسلہ منقطع فرما چکے تھے مگر اس جوہرِ قابل کی تکمیل کی خاطر بنفسِ نفیس پڑھانا منظور فرما لیا۔ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ نے بڑی محنت سے اکتسابِ علوم کیا اور سندِ حدیث حاصل کی۔

حضرت خواجہ نور محمد قدس سرہ ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء میں حضرت خواجہ فخر دین و ملت کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ فخر قدس سرہ نے پاکپتن شریف جانے کا قصد کیا۔ حضرت خواجہ صاحب بھی ان کے ہمراہ روانہ ہوئے اور پاکپتن شریف پہنچ کر شیخ و مرشد کی اجازت سے والدۂ ماجدہ کی ملاقات کے لئے مہار شریف گئے اور جب تک وہاں رہے تمام دن مسجد میں مراقبہ میں مشغول رہتے۔ آٹھ دن قیام کے بعد والدین سے اجازت لے کر پیر و مرشد کی خدمت میں پاکپتن شریف پہنچ گئے۔ حضرت شاہ فخر قدس سرہ نے آپ کو برج نظامی میں عبادت کرنے کا حکم دیا۔ ان دنوں جو شخص حضرت شاہ فخر قدس سرہ کی خدمت میں مرید ہونے کی غرض سے آتا اسے حضرت خواجہ کے پاس بھیج دیتے۔ اس طرح سینکڑوں آدمی آپ کے مرید بن گئے۔ حضرت شاہ فخر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابھی مزید دو مہینے یہاں قیام کا ارادہ ہے اس لئے تم اپنے والدین سے ملاقات کر آؤ۔ حضرت خواجہ صاحب جب دو ماہ وطن گزار کر عازمِ پاکپتن شریف ہوئے تو آپ کے تقدس اور تقویٰ و پرہیزگاری سے متاثر ہو کر آپ کے بھائی ملک سعدن، ملک برہان اور چچا ملک کھیر اور استاذ مولانا محمد مسعود بھی آپ کے ہمراہ پاکپتن شریف روانہ ہوئے تاکہ حضرت شاہ فخر الدین سے شرفِ بیعت حاصل کیا جائے۔

جب حضرت شاہ فخر الدین پاکپتن شریف سے دہلی تشریف لے گئے تو قبلۂ عالم بھی ہمرکاب تھے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت فخر الدین قدس سرہ نے آپ کو خلافت عطا فرما کر مہار شریف میں قیام کرنے کا حکم دیا چنانچہ آپ شیخ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مہار شریف تشریف لے آئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کر دیا۔ بہت جلد مخلوقِ خدا پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہونے لگی۔ ہزاروں افراد آپ کے در دولت پر حاضر ہوتے اور دامنِ عقیدت گوہرِ مراد سے بھر کر واپس ہوتے۔ جو شخص آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوتا اس کے ظاہر و باطن میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہو جاتا۔ آپ کے اکثر اوقات تلقین و ارشاد میں بسر ہوتے اور دور دراز سے حاضر ہو کر دولتِ فرزانگی سے بہرہ ور ہوتے۔ آپ کی مجلس میں امراء و غرباء ہر طرح کے لوگ حاضر ہوتے مگر آپ دنیا داروں کی صحبت کو بہ دیدِ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت خواجۂ عالم قدس سرہ تہذیبِ اخلاق اور اتباعِ شریعت پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

- کسی کو دوسرے پر غصہ نہیں ہونا چاہئے۔ غصہ باطن میں ایک ایسا جوہر ہے جس کا اظہار نورِ معرفت کی دوری کا سبب ہے۔
- اگر کسی سے شکایت پیدا ہو تو اس کی بہتر تاویل کرنی چاہئے۔
- ظاہر کو موافقِ شریعت کرنے اور باطن کو اتباعِ شریعت سے وابستہ کرنے کے بارے میں عوام سے پرسش ہوگی۔

حضرت قبلۂ عالم بلا مبالغہ معرفت کے ایک سمندر تھے۔ تونسہ شریف، سیال شریف، اچھا چڑاں شریف، گولڑہ شریف، مروٹہ شریف، جلالپور شریف اور احمد پور اسی فیض کے چشمے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے پنجاب میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی ترویج و اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ حضرت قبلۂ عالم کی مساعی جمیلہ کا ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا حصہ ہے جہاں آپ کے بالواسطہ اور بلاواسطہ مریدین اور نیازمند نہ ہوں۔ آپ کے خلفاء کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ چند خلفاء کے اسماء مبارکہ

یہ ہیں۔

۱. حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔
۲. مولانا نور محمد نارووالہ۔
۳. حضرت مولانا حافظ محمد جمال الدین ملتانی۔
۴. حضرت خواجہ محمد عاقل (چاچڑاں شریف)
۵. مولانا محمد اکرم ڈیرہ غازی خان
۶. مولانا تاج محمود ساکن گراچی
۷. شیخ جمال چشتی فیروزپوری
۸. مخدوم لوہار اوچی (رحمہم اللہ تعالیٰ)

آپ کے ہاں تین صاحبزادے شیخ نور الصمد، شیخ نور احمد، شیخ نور الحسن اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئے۔

۱۰ ذوالحجہ ۱۲۴۰ھ جولائی (۵-۷-۱۸۲۵ء) کو آپ کا وصال ہوا۔ مزار پُر انوار تاج سرور میں ہے جہاں حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے پوتے اور شیخ بدر الدین سلیمان کے صاحبزادے حضرت تاج الدین سرور کا مرقد انور ہے۔ ان کی نسبت سے اس جگہ کا نام ہی تاج سرور پڑ گیا ہے۔ حضرت قبلۂ عالم کو تاج سرور قدس سرہ کے مزار سے بڑی عقیدت تھی، ہر جمعہ کو وہاں حاضری دیتے اور وہاں خانقاہ بھی قائم کر لی تھی۔

کسی نے کیا خوب تاریخ وصال کہی ہے:

"حیف وہ دلیٔ جہاں سے نور گشت"

حضرت خواجہ عالم کی مہر مبارک کا سجع بہشت کی بہار اور دل آویز تھا:

"نور محمد جہاں روشن است" ؎۱

۱ـ [illegible] تاریخ مشائخ چشت، ص ۵۳۰ - ۵۴۲

مناظرِ اسلام حضرت مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری قدس سرہ

حافظ قرآن، مناظر اسلام حضرت مولانا علامہ حافظ ولی اللہ لاہوری ریاست جموں و کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ریاست کے سکھ راجہ کے ظلم سے تنگ آکر دوسرے کشمیری مسلمانوں کی طرح آپ کے والدین بھی نقل مکانی پر مجبور ہو گئے اور چند روز پسرور (ضلع سیالکوٹ) رہنے کے بعد لاہور آگئے۔ حضرت حافظ صاحب کی عمر ابھی پانچ سال تھی کہ چیچک کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے، اس منحوس بیماری میں آپ کی ظاہری بصارت زائل ہو گئی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیرت انگیز قوتوں کا حصۂ وافر عطا فرما دیا۔ آپ کے والدین بچپن میں داغ مفارقت دے گئے اور آپ کی کفالت آپ کے مفلوک الحال بھائیوں کے کندھوں پر آ پڑی۔ آپ کے چاروں بامحبت بھائیوں نے پوری تندہی سے محنت و مشقت کی اور جوان ہونے پر تمام کشمیری خاندانوں میں مقبول ہو گئے۔

ان دنوں لاہور میں قلعہ سیاں سنگھ والے مشہور فاضل مولانا غلام رسول تشریف لائے تو ازراہِ کرم حافظ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ لے گئے اور اپنی نگرانی میں قرآن پاک حفظ کرایا۔ حافظ صاحب نے حفظ قرآن مجید کے بعد تمام کتابیں پڑھیں اور علوم حاصل کر لیا۔ مولانا غلام رسول کے علاوہ مولانا نور احمد ساکن کھائی کوٹلی اور مولانا احمد دین بگوی سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت حافظ صاحب نہ صرف قرآن مجید بلکہ انجیل کے بھی حافظ تھے۔ انہیں انجیل کے مختلف ایڈیشنوں کے صفحات اور سطریں تک ازبر تھیں۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب بھی انگریزوں کے زیر نگیں آگیا تو لارڈ ڈلہوزی نے یورپ کے عیسائی پادریوں کو ایک خاص منصوبے کے تحت مشنری مراکز قائم کرنے کی دعوت دی، خاص طور پر لاہور میں جن پادریوں نے اپنے مشن کو زور و شور سے شروع کیا ان میں پادری فورمین (بانی ایف سی کالج لاہور) پادری فنڈر اور پادری عماد الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان پادریوں نے عیسائیت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اسلام پر کھلم کھلا رکیک حملے شروع کر دیے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمانوں

میں اضطراب پایا جانے لگا۔ ان دنوں حافظ ولی اللہ گوجرانوالہ سے لاہور پہنچے اور شاہی مسجد کے نائب خطیب مقرر ہوئے اور جب حالات کی سنگینی ملاحظہ فرمائی تو مردانہ وار میدان میں آگئے اور تقریر و تحریر کے ذریعے عیسائیوں کے شکوک و شبہات کی دھجیاں بکھیر دیں۔ میدان مناظرہ میں عیسائی پادریوں کی وہ درگت بنائی کہ بات بات پر دین اسلام کا تمسخر اڑانے والے اور بے شمار اعتراضات و ردوکد کر کے مسلمانوں کی متاع عزیز لوٹنے کی کوشش کرنے والے بڑے بڑے جغادری پادریوں پر سناٹا چھا گیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ نامی گرامی عیسائی مناظر حافظ صاحب کا نام سنکر میدان مناظرہ سے بھاگ جاتے تھے۔

ایک دفعہ آپ لاہور سے باہر گئے ہوئے تھے، واپسی پر پتہ چلا کہ آج تین دن سے مسلمانوں کے علماء اور پادری فونڈر کے درمیان مناظرہ ہو رہا ہے۔ آپ آتے ہی میدان مناظرہ میں پہنچ گئے اور علماء سے اجازت لے کر تن تنہا مقابلے میں آگئے۔ فرمایا چونکہ میں نابینا ہوں اس لئے اپنے مدمقابل کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ آپ کو پادری کے پاس لیجایا گیا۔ آپ نے اس کے چہرے کو ٹٹولا اور اس کے منہ پر ایسا زناٹے دار تھپڑ رسید کیا کہ پادری کے منہ سے خون بہنے لگا۔ بس پھر کیا تھا، مناظرہ ہنگامے کی نذر ہو گیا۔

دوسرے دن انگریز مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"مجھ پر یہ الزام غلط ہے کہ میں نے ارادۂ قتل سے تھپڑ مارا ہے، میں تو دیکھنا چاہتا تھا کہ پادری صاحب انجیل مقدس پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تمہیں ایک تھپڑ مارا جائے تو دوسرا گال پیش کر دو مگر پادری صاحب نے انجیل کی تعلیم پر عمل کرنے کی بجائے مقدمہ دائر کر دیا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی حافظ صاحب نے انجیل کے ۲۱ ایڈیشنوں کے حوالے صفحہ و سطر کی قید سے سنا دیئے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ فلاں ایڈیشن فلاں لائبریری میں اور فلاں ایڈیشن فلاں پادری کے پاس ہے۔

پادری فونڈر جواب دینے کے لئے اٹھا تو اس نے حافظ صاحب کے بیان کی

تائید کی اور مقدمہ واپس لے لیا۔

حافظ صاحب نے نابینا ہونے اور بے انداز مصروفیات کے باوجود رد عیسائیت میں یہ کتابیں لکھیں ہیں جن پر آپ کے شاگرد رشید مولانا فقیر محمد جہلمی (مؤلف حدائق الحنفیہ) نے حواشی لکھے ہیں:-

۱۔ مباحثہ دینیہ

۲۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان۔

۳۔ ابحاث ضروری۔

۲۴ جمادی الاولیٰ (۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) کو آپ کا وصال ہوا، آپ کی آخری آرامگاہ فلیمنگ روڈ کے کنارے ایک مختصر سے احاطے میں ہے۔[1]

---

[1] اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ : مناظر اسلام حضرت حافظ ولی اللہ، ماہنامہ ضیائے حرم، دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۴۲

ایضاً : تذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور، ص ۲۰۰-۱۹۵

فقیہ العصر استاذ الاساتذہ مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہ

فقیہ جلیل مولانا یار محمد ابن جناب میاں سلطان محمد ابن میاں شاہنواز ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں بندیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے، موضع پکا ضلع میانوالی میں قرآن مجید حفظ کیا، فارسی کی ابتدائی کتابیں ایک مقامی عالم سے پڑھیں، صرف ونحو اور دیگر فنون کی کتابیں امام الصرف والنحو مولانا محمد امیر دامانی مصنف قانونچہ عجیبہ المعروف قانونچہ امیریہ سے پڑھیں، الفیہ ابن مالک پڑھنے کے لیے مولانا ثناء اللہ کی خدمت میں موضع بنجیانی ضلع جہلم میں حاضر ہوئے، آپ کو الفیہ ابن مالک (ایک ہزار عربی اشعار کا مجموعہ جس میں صرف ونحو کے مسائل بیان کئے گئے ہیں) پر اس حد تک عبور تھا کہ جس مسئلے کی ضرورت ہوتی وہ مصرعہ پڑھ دیتے جس میں وہ مسئلہ ہوتا۔

اس کے علاوہ مولانا غلام احمد حافظ آبادی صدر مدرس جامعہ نعمانیہ، لاہور سے استفادہ کیا، کچھ عرصہ جامع مسجد فتح پوری دہلی میں بھی رہے، پھر اعلیٰ تعلیم کا شوق دل میں لئے ہوئے مرکز علم وعرفان بریلی شریف اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب امام اہل سنت اپنا تمام وقت تصنیف و تالیف پر صرف فرما رہے تھے، علالت طبع اس پر مستزاد تھی، اس لئے آپ کے ایماء پر مولانا ہدایت اللہ جونپوری تلمیذ رشید حضرت مولانا علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منطق وفلسفہ کی انتہائی کتابیں (افق المبین، شرح اشارات وغیرہ) پڑھنے کے علاوہ تکمیل علوم کی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف بہار شریعت آپ کے ہم درس تھے۔[1]

سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی خلیفۂ اعظم حضرت حاجی

---

[1] غلام رسول سعیدی، مولانا: حیات استاذ العلماء بندیالوی (۱۳۸۹ھ) ص ۹-۱۰

سیادت مآب حضرت مولانا پیر سید ولایت شاہ قدس سرہ

راہنمائے ولایت حضرت مولانا پیر سید ولایت شاہ ابن حضرت پیر سید احمد شاہ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے، قرآن پاک یاد کرنے کے لئے پہلے موضع رانیوال گئے، پانچ پارے یاد کئے، پھر گجرات چلے آئے، بعد ازاں مدرسہ تعلیم القرآن جنڈ میں داخل ہوئے اور قرآن مجید حفظ کیا، درسی کتابیں مولانا غلام حیدر (لکھنوکہ گجرات) سے پڑھیں اور مولانا قاری غلام نبی بلی سے کتب تجوید کا درس لیا، تکمیل کے لئے جامعہ نعمانیہ لاہور میں مولانا غلام محمد گھوٹوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہی سے سند فراغت حاصل کی، ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلافت واجازت سے مشرف ہوئے۔ آپ کو اپنے شیخ سے قابل رشک حد تک عقیدت تھی۔

حضرت شاہ صاحب کو ابتدا ہی سے قرآن مجید سے بے پناہ لگاؤ تھا، فراغت کے بعد غالباً ۱۰، ۱۹۱۷ء میں مسجد حاجی پیر بخش میں مدرسہ تعلیم القرآن جاری کیا اور شب وروز تعلیم قرآن میں صرف کرنے لگے اور پھر تمام عمر اشاعت قرآن اور دین مبین کی خدمت میں صرف کر دی، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کے ایماء اور سرپرستی میں آپ نے مدرسہ خدام الصوفیہ (مدرسہ شاہ ولایت) قائم کیا اور متعدد فضلاء کی خدمات حاصل کیں۔ یہ مدرسہ ایک مدت تک پورے علاقے میں دینی تعلیم کا عظیم مرکز رہا ہے۔ اس دار العلوم کی گرانقدر دینی خدمات زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ یہاں سے مدرسین اور خطباء کی عظیم جماعت نے فراغت حاصل کی اور اب ملک کے گوشے گوشے میں دین متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے درس قرآن کے علاوہ تبلیغی فرائض بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دئے اور ارباب باطلہ کی سرکوبی کے لئے پوری قوت سے حق کی آواز بلند کی اور کبھی کسی خطرے کو

ماطر میں نہیں لائے۔ آپ کی تقریر بڑی پُر اثر ہوتی تھی اور جب روح پرور اور پُر سوز آواز میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو سامعین پر ایک کیف چھا جاتا۔

حضرت شاہ صاحب بنیادی طور پر دینی اور مذہبی راہنما تھے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنے شیخ طریقت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کی قیادت میں تحریک مسجد شہید گنج اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور قیام پاکستان کی راہ ہموار کرنے کے لئے جگہ جگہ دورے کئے اور عوام کو تحریک پاکستان کے مقاصد سے آگاہ کیا۔

[1] علی پورہ گجرات میں نہایت خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کروائی جو مسجد شاہ ولایت کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تکمیل ۱۹٦۵ء میں ہوئی اور اسی مسجد کے پاس آپ محو استراحت ابدی ہوئے۔

۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں حضرت پیر سید سیدان شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد مسنون ہوا جن سے تین صاحبزادیاں اور سات صاحبزادے پیدا ہوئے۔ آپ کے صاحبزادگان میں حضرت مولانا سید محمود شاہ گجراتی اور مولانا سید حامد علی شاہ مہتمم جامعہ نعیمیہ سرگودھا مشہور و معروف خطیب ہیں اور مولانا سید احمد شاہ مدظلہ مدرسہ خدام الصوفیہ میں شعبۂ درس نظامی کے صدر مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ مہتمم بھی ہیں۔

۱۴ جولائی (۱۹۷۱ء/۱۳۹۰ھ) بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا

---

[1] محمد یونس شاہ کاظمی، مولانا سید : حیات شاہ ولایت (مطبوعہ مکتبہ کاظمیہ گلیانہ، گجرات ۱۳۹۲ھ) کل صفحات ۸۰۔

امداد اللہ مہاجر مکی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے[1] آپ نے ریاضی پڑھنے کے شوق میں حکیم اجمل خاں کے مدرسہ میں طب کا بھی باقاعدہ درس لیا فراغت کے بعد الہ آباد، رام پور، بھوپال اور ٹونک وغیرہ مقامات میں بیس بائیس سال تک درس دیا، پھر بندیال تشریف لے آئے اور مسلک اہل سنت کی بھرپور تبلیغ فرمائی[2] بڑے بڑے مخالفین آپ کے سامنے آنے سے گھبراتے تھے، سینکڑوں اجلہ اہل علم آپ سے مستفید ہوئے جن میں سے یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں :-

۱۔ مولانا سید سلیمان اشرف پروفیسر یونیورسٹی، علی گڑھ۔
۲۔ شیخ القرآن مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی۔
۳۔ سلطان المدرسین مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ۔[3]

پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال شریف آپ کی یادگار ہے۔ یہ مدرسہ آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا محمد عبد الحق بندیالوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد فضل حق بندیالوی مجددہ کے زیر اہتمام نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس دار العلوم نے اہل سنت جماعت کو فضلاء اور مدرسین کی بہت بڑی جماعت مہیا کی ہے، سلطان المدرسین استاذ العلماء الکاملین حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ اس دار العلوم میں علم و فضل کا دریا بہا رہے ہیں۔

آپ نے تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا، ضلع سرگودھا کے اکثر امراء یونینسٹ تحریک کے حامی ہونے یا خضر وزارت کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے سخت خلاف تھے اس کے باوجود فقیہ العصر قدس سرہ نے تحریک پاکستان کے حق میں زور دار تقریریں کیں، طبقۂ امراء کے ماتھے شکن آلود ہوئے لیکن آپ نے کسی کی پروا کئے بغیر فرمایا :

---

[1] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ، ص ۱۰۳-۱۰۲۔
[2] غلام رسول سعیدی، مولانا : حیات استاذ العلماء بندیالوی، ص ۱۹۔
[3] ایضاً : ص ۳۹۔

"ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے اور دوسری طرف کفر کا، اب تمہاری مرضی ہے جسے چاہو اختیار کرو"
چنانچہ آپ کی تحریک پر ہزارہا افراد مسلم لیگ میں شریک ہوئے[1]

۲۲ر محرم الحرام، ۱۰ر دسمبر (۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء) کو فقیہ عصر مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہ محبوب حقیقی سے جا ملے[2]

آپ کا مزار شریف بندیال (ضلع سرگودھا) میں ہے، ہر سال ماہ محرم میں آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں ملک کے نامور مقررین شرکت کرتے ہیں۔

---

[1] غلام رسول سعیدی، مولانا : حیات استاذ العلماء بندیالوی، ص ۴۲-
[2] ایضاً : ص ۴۳-

شاعر اہل سنت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ

شاعر اہل سنت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۶ر رجب، ۲ر جون (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) کو بعد از نماز عشاء، بدایوں میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام محمد فضل حسن تجویز کیا گیا۔ آپ کے مورث اعلیٰ مولانا خواجہ عبداللہ چشتی بدایوں کے مایۂ ناز عالم اور مشہور محدث و مفسر تھے۔ چار سال کی عمر میں والدین کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا اس لئے تربیت کا انتظام غالب و مومن کے شاگرد مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی نے کیا جب مولانا کی عمر سات سال ہوئی تو انہیں قابل اساتذہ نے پڑھانا شروع کیا۔ پہلے قرآن مجید پڑھایا، پھر فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں پڑھائیں، تقریباً چودہ سال کی عمر میں آپ نے عالمانہ استعداد حاصل کر لی۔ آپ نے دس سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا اور آخر عمر تک یہ شغل جاری رکھا، ۱۹۱۷ء سے ایک عرصہ تک آپ کے زیر اہتمام بدایوں میں رجبی شریف کے عظیم الشان جلسے منعقد ہوتے رہے۔ تقریباً ۳۰ سال تک سرکاری ملازمت سے وابستہ رہے، اس کے باوجود علم و ادب کی وہ گراں قدر خدمات انجام دیں جنہیں تاریخ فراموش نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نظم و نثر پر یکساں قدرت عطا فرمائی تھی۔

مولانا ضیاء القادری نہایت خلیق اور سراپا درد بزرگ تھے، ایثار و خلوص کی جیتی جاگتی تصویر تھے، انکسار پسند اور شگفتہ مزاج تھے، ظاہری شان و شوکت سے آپ کو کوئی لگاؤ نہ تھا، تقویٰ و پرہیزگاری میں سلف صالحین کا بہترین نمونہ تھے، پاک و ہند کے مشہور شعراء مثلاً شکیل بدایونی، مضطر صابری، ماہر القادری، طالب انصاری، محشر بدایونی، اعجاز اکبرآبادی، تابش قصوری اور رضا قریشی آپ کے ممتاز شاگرد ہیں[1]

مولانا نے نظم و نثر میں تصانیف کا گرانقدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، آپ کے کلام میں

---

[1] زاہد القادری، مولانا : تجلیات سنت (دیباچہ) ص ۱۰-۹

بزرگانِ دین کی عقیدت اور دین و مذہب کا رنگ نمایاں عنصر ہیں، خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:-

"مولانا ضیاء القادری کے کلام میں ایسی مذہبی زندگی ہے جو ایک دفعہ کے لئے ان مردہ دلوں کو بھی گرما دے گی جو مذہبی تاثرات کے معاملہ میں بالکل ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔" [1]

آپ کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں:-

۱۔ اکمل التاریخ (۲ جلد) سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری کا مفصل خاندانی تذکرہ۔

۲۔ تاریخ اولیائے بدایوں۔

۳۔ ستارہ بہشت۔

۴۔ دیارِ نبی

۵۔ مرقع شہادت

۶۔ تجلیاتِ نعت

۷۔ ہفت احمد

۸۔ قصائد صبح نورانی

۹۔ مجموعۂ اسلام

۱۰۔ جواہرِ غوث الوریٰ

وغیرہ وغیرہ

آپ کا کلام طویل عرصہ تک "آستانہ" دہلی میں شاعرِ آستانہ کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔

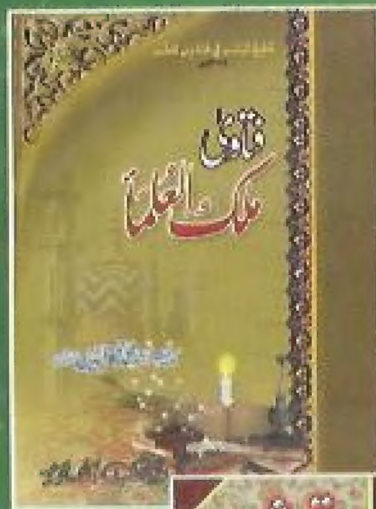
۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں آپ کو حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ کو یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ آپ پاکستان کے سب سے پہلے حاجی تھے، اسی سفر میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مزار پُر انوار پر حاضری دی۔

۱۲ جمادی الاخریٰ، ۱۵ اگست (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) بروز ہفتہ کراچی میں آپ کا وصال ہوا، مزار فیڈرل ایریا کراچی میں ہے [2]

---

[1] مکتوب مولانا محمد منشا تابش قصوری، خطیب فردوس مسجد مریدکے (شیخوپورہ)

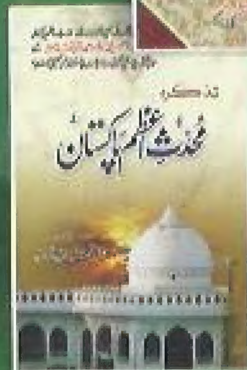



فتاویٰ
ملک العلماء


درود
شریف






تذکرہ
محدثِ اعظم پاکستان

